BNIS401DCT

فقہ اسلامی اور تصوف

(Islamic Law and Islamic Mysticism)

بی۔اے۔(آنرس)

چار سالہ پروگرام

چوتھا سمسٹر (اسلامک اسٹڈیز)

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ، بھارت

Copyright © 2026, Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad
All right reserved. No part of this publication may be reproduced or transmitted in any form or by any means, electronically or mechanically, including photocopying, recording or any information storage or retrieval system, without prior permission in writing form the publisher (registrar@manuu.edu.in)

ISBN : 978-81-689664-6-8
Course : Islamic Law and Islamic Mysticism
First Edition : July 2026
Copies : 2000
Price : 200/- (The price of the book is included in admission fee of distance mode students)

Course Coordinator

Dr. Alim Ashraf, Prof. (Arabic), Dept. of Arabic, MANUU

Editorial Board/Editors

Prof. Abdul Ali, Former Head, Dept. of Islamic Studies, AMU, Aligarh

Prof. Mohammad Ishaque
Prof. of Islamic Studies, JMI, New Delhi

Prof. Mohammad Habib, HOD, Dept of Islamic Studies MANUU

Prof. Mohd. Fahim Akhter
Dept. of Islamic Studies, MANUU

Prof. Ghazanfar Ali Khan
Dept. of Islamic Studies, Kashmir Campus, MANUU

Prof. Ziauddin
Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim University, Aligarh

Dr. Mohammad Haziq
Assistant Professor, Islamic Studies, CDOE, MANUU

Dr. Syeda Amina
Assistant Professor (Contractual) Islamic Studies, CDOE, MANUU

Production

Prof. Nikhath Jahan,
Professor (Urdu),
CDOE MANUU

Mr. P Habibulla,
Assistant Registrar, Purchase & Stores Section, MANUU

Dr. Mohd Akmal Khan,
Assistant Professor (C),
CDOE MANUU

Mohd Abdul Naseer,
Section Officer, CDOE MANUU

Shaik Ismail,
UDC, CDOE, MANUU

Syed Faheemuddin, LDC,
Purchase & Stores Section, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Centre for Distance and Online Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TG), India
*Director:*dir.dde@manuu.edu.in*Publication:*ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

CRC Prepared by the Dr. Mohammad Haziq, Faculty Islamic Studies, CDOE, MANUU
Printed at: Print Time & Business Enterprises, Hyderabad

فہرست

پیغام	وائس چانسلر، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی	5
پیغام	ڈائرکٹر، مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم	6
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر (اسلامک اسٹڈیز)	7

اکائی نمبر	اکائی کا نام	مصنف	صفحہ نمبر
1۔	فقہ کا تعارف اور آغاز وارتقا	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس	9
2۔	فقہ کے بنیادی مصادر کا تعارف	ڈاکٹر محمد سراج الدین	28
3۔	فقہ کے ثانوی مصادر کا تعارف	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس	41
4۔	فقہ بدلتے حالات میں	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس	53
5۔	فقہی مسالک کی تشکیل	ڈاکٹر وارث مظہری	68
6۔	فقہی مسالک کا تعارف حصہ اول: حنفی، مالکی	مولانا اشہد جمال	83
7۔	فقہی مسالک کا تعارف حصہ دوم: شافعی، حنبلی	مولانا اشہد جمال	97
8۔	فقہی مسالک کا تعارف حصہ سوم: جعفری، اہل حدیث	ڈاکٹر محمد سراج الدین	111
9۔	تصوف کا تعارف اور ارتقا	ڈاکٹر سیدہ آمنہ	124
10۔	ابتدائی مشہور صوفیاء: حسن بصری، رابعہ بصریہ، جنید بغدادی	پروفیسر اختر الواسع	146

11۔	تصوف کے مشہور سلسلے حصہ اول: سلسلہ قادریہ، سلسلہ سہروردیہ	پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر شاہد علی عباسی	160
12۔	تصوف کے مشہور سلسلے حصہ دوم: سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ	پروفیسر اختر الواسع	174
13۔	ہندوستان کے صوفیاء حصہ اول: علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی	ڈاکٹر عاطف عمران	192
14۔	ہندوستان کے صوفیاء حصہ دوم: نظام الدین اولیاء، شیخ احمد سرہندی	ڈاکٹر عرفان احمد	208
15۔	مشہور کتابیں حصہ اول: الرعایہ لحقوق اللہ، رسالہ قشیریہ	ڈاکٹر مشتاق تجاروی	225
16۔	مشہور کتابیں حصہ دوم: عوارف المعارف، مکتوبات شیخ یحیی منیری	ڈاکٹر مشتاق تجاروی	246
	نمونہ امتحانی پرچہ		259

مصنفین کی تفصیلات

(Writer's Details)

Maulana Mustafa Abdul Quddus	مولانا مصطفیٰ عبد القدوس
Dr. Mohammad Serajuddin, Asst. prof, Islamic Studies, MANUU	ڈاکٹر محمد سراج الدین، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو
Dr. Waris Mateen Mazhari, Asst. prof, Dept. Islamic Studies, Jamia Hamdard, New Delhi	ڈاکٹر وارث متین مظہری، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی
Maulana Ashhad Jamal Nadvi, Faculty Senior Secondary School, AMU	مولانا اشہد جمال، پی جی ٹی ٹیچر، سینیر سیکنڈری اسکول، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ
Dr. Syeda Amina, Assistant Professor (Contractual) Islamic Studies, CDOE, MANUU	ڈاکٹر سیدہ آمنہ، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) اسلامک اسٹڈیز، سی ڈی او ای، مانو
Prof. Akhtarul Wasey, Prof Shahid Ali Abbasi	پروفیسر اختر الواسع، پروفیسر شاہد علی عباسی
Dr. Atif Imran, Assistant Professor (Contractual) Dept of Islamic Studies, MANUU	ڈاکٹر عاطف عمران، اسسٹنٹ پروفیسر (کانٹریکچول) اسلامک اسٹڈیز، مانو
Dr. Md. Irfan Ahmed, Assistant Professor, Dept of Islamic Studies, MANUU	ڈاکٹر عرفان احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، مانو
Dr. Mohammed Mushtaq, Assistant. Prof. Dept. of Islamic Studies, JMI, New Delhi,	ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

نوٹ: زیر نظر کتاب کا علمی مواد (**Study Material**) مختلف مصنفین نے تیار کیا ہے اور اس سے کو آرڈی نیٹر و ایڈیٹر کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

پروف ریڈرس(Proofreaders):

اول : ڈاکٹر محمد حاذق

دوم : ڈاکٹر سیدہ آمنہ

ٹائٹل پیج(Title Page):

ابراہیم اکرم صدیقی

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (MANUU) 1998 میں پارلیمنٹ کے ایک ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئی۔ یہ ایک مرکزی جامعہ ہے جس نے این اے اے سی کی جانب سے گریڈ A+ حاصل کیا ہے۔ اس جامعہ کے قیام کے مقاصد ہیں: (1) اردو زبان کا فروغ، (2) پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کو اردو میڈیم میں قابل رسائی اور دستیاب بنانا، (3) روایتی اور فاصلاتی طریقۂ تعلیم کے ذریعے تعلیم فراہم کرنا، اور (4) خواتین کی تعلیم پر خصوصی توجہ دینا۔ یہ وہ نکات ہیں جو اس مرکزی جامعہ کو دیگر تمام مرکزی جامعات سے ممتاز کرتے ہیں اور اسے ایک انفرادیت بخشتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری زبانوں اور علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

اردو کے ذریعے علم کے فروغ کا مقصد یہی ہے کہ اردو جاننے والے طبقے کے لیے عصری علوم اور مضامین تک رسائی آسان بنائی جائے۔ ایک طویل عرصے تک اردو میں درسی مواد کی کمی رہی ہے۔ اردو یونیورسٹی کے پاس اب اردو میں 350 سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ موجود ہے اور ہر سمسٹر کے ساتھ اس تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

اردو یونیورسٹی این ای پی 2020 کے وژن کے مطابق مادری/گھریلو زبان میں تعلیمی مواد فراہم کرنے کے قومی مشن کا حصہ بننے کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتی ہے۔ مزید یہ کہ اردو بولنے والا طبقہ اردو میں مطالعہ کے مواد کی عدم دستیابی کے سبب نئے اُبھرتے شعبوں اور جدید تر معلومات کے موجودہ میدانوں میں تازہ ترین معلومات و اطلاعات کے حصول سے محروم نہیں رہے گا۔ مذکورہ بالا میدانوں میں مواد کی دستیابی کی بدولت حصولِ معلومات کا نیا شعور بیدار ہوا ہے جو یقیناً اردو داں طبقے کی دانشورانہ ترقی پر اثر انداز ہو گا۔

فاصلاتی اور آن لائن طلبہ کے لیے تعلیم و تدریس کے عمل کو سہل بنانے کے لیے یونیورسٹی کا سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) اردو اور متعلقہ مضامین میں خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری کو یقینی بناتا ہے۔

MANUU فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کے لیے SLM بلا معاوضہ فراہم کرتا ہے۔ یہ مواد اُردو کے ذریعے علم حاصل کرنے میں دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے برائے نام قیمت پر دستیاب ہے۔ تعلیم تک رسائی کے دائرے کو مزید پھیلانے کے مقصد سے، اردو/ہندی/انگریزی/عربی میں eSLM یونیورسٹی کی ویب سائٹ پر مفت ڈاؤن لوڈ کے لیے دستیاب رکھا گیا ہے۔

مجھے بے حد خوشی ہے کہ متعلقہ فیکلٹی کی محنت اور مصنفین کے مکمل تعاون کی بدولت FYUG بی۔اے، بی۔ایس سی اور بی۔کام کی کتابوں کی اشاعت کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی اور آن لائن لرننگ کے طلبہ کی سہولت کے لیے خود اکتسابی مواد (SLM) کی تیاری اور اشاعت کا عمل یونیورسٹی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اپنے خود تعلیمی مواد کے ذریعے اردو جاننے والے ایک بڑے طبقے کی ضروریات کو پورا کرنے کے قابل ہوں گے اور اس یونیورسٹی کے مقصدِ قیام کو پورا کریں گے اور اپنے ملک میں اپنی موجودگی کو جائز ٹھہرا سکیں گے۔

نیک تمناؤں کے ساتھ!

پروفیسر سید عین الحسن
شیخ الجامعہ، مانو

پیغام

موجودہ دور میں فاصلاتی تعلیم کو دنیا بھر میں ایک نہایت مؤثر اور مفید طریقۂ تعلیم کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے اور بڑی تعداد میں لوگ اس طریقۂ تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے بھی اردو زبان بولنے والے عوام کی تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے قیام کے وقت سے ہی فاصلاتی تعلیم کا طریقہ متعارف کرایا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی نے 1998 میں ڈائریکٹوریٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن (نظامتِ فاصلاتی تعلیم) کے ساتھ کام کا آغاز کیا اور 2004 سے باقاعدہ پروگرام شروع ہوئے، اس کے بعد مختلف شعبہ جات قائم کیے گئے۔

یو جی سی نے ملک میں نظام تعلیم کو مؤثر طور پر منظم کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے۔ اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ (ODL) موڈ کے تحت چلنے والے مختلف پروگرام، جو سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) میں چل رہے ہیں، یو جی سی-ڈی ای بی کے منظور شدہ ہیں۔ یو جی سی-ڈی ای بی نے فاصلاتی اور باقاعدہ تعلیم کے نصاب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا ہے تاکہ فاصلاتی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کے معیار کو بہتر بنایا جاسکے۔ چونکہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ایک دُہرے طرز (ڈوئل موڈ) کی یونیورسٹی ہے جو فاصلاتی اور روایتی دونوں طریقۂ تعلیم کی خدمات فراہم کرتی ہے، اس لیے اپنے مقاصد کو یو جی سی-ڈی ای بی کے رہنما خطوط کے مطابق حاصل کرنے کے لیے اس نے چوائس بیسڈ کریڈٹ سسٹم (CBCS) متعارف کرایا گیا جس کا خود اکتسابی مواد (Self Learning Materials) یو جی سی کے قوانین اور کریڈٹ فریم کے مطابق نئے سرے سے تیار کیے جاچکا ہے۔

سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن (CDOE) کل انیس (19) پروگرام پیش کرتا ہے جن میں یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلومہ اور سرٹیفکیٹ پروگرام شامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ تکنیکی مہارتوں پر مبنی پروگرام بھی شروع کیے جارہے ہیں۔ سی ڈی او ای نے جولائی 2025 سے این ای پی-2020 کے مطابق چار سالہ یو جی پروگرام کا آغاز کیا ہے۔ بی اے، بی ایس سی اور بی کام کے آنرز پروگراموں کو این سی ایف کے مطابق ڈیزائن کیا گیا ہے جس سے طلبہ کو آنرز ڈگری حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ سال 2025-2026 سے ایم بی اے پروگرام او ڈی ایل موڈ میں متعارف کرایا گیا ہے۔

مانو نے طلبہ کی سہولت کے لیے نو ریجنل سنٹرز (بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر) اور چھ سب ریجنل سنٹرز (حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح، وارانسی اور امراوتی) کا ایک وسیع نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ وجے واڑا میں ایک ایکسٹینشن سنٹر بھی قائم کیا گیا ہے۔ ان ریجنل اور سب ریجنل سنٹروں کے تحت ایک سو پچاس سے زیادہ لرنر سپورٹ سنٹر (LSCs) اور بیس پروگرام سنٹر بیک وقت چلائے جارہے ہیں تاکہ طلبہ کو تعلیمی اور انتظامی سہولیات فراہم کی جاسکیں۔ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا بھرپور استعمال کرتا ہے اور اپنے تمام پروگراموں میں صرف آن لائن موڈ کے ذریعے ہی داخلے فراہم کرتا ہے۔

طلبہ کے لیے سیلف لرننگ میٹیریل (SLM) کی سوفٹ کاپی سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن کی ویب سائٹ پر دستیاب کرائی جاتی ہیں اور آڈیو و ویڈیو ریکارڈنگ کے لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ طلبہ کو ای۔ میل اور واٹس ایپ گروپ کی سہولت بھی فراہم کی جارہی ہے جن کے ذریعے انہیں پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس رجسٹریشن، اسائنمنٹ، کاؤنسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔ باقاعدہ کاؤنسلنگ کے علاوہ گزشتہ دو برسوں سے طلبہ کے تعلیمی معیار کو بہتر بنانے کے لیے زائد تدارکی (Remedial) آن لائن کاؤنسلنگ بھی فراہم کی جارہی ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ سینٹر فار ڈسٹنس اینڈ آن لائن ایجوکیشن تعلیمی اور معاشی طور پر پسماندہ آبادی کو عصری تعلیم کے دھارے میں شامل کرنے میں ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ تعلیمی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے مطابق مختلف پروگرامز میں تبدیلیاں کی گئی ہیں اور توقع ہے کہ اس سے اوپن اینڈ ڈسٹنس لرننگ کے نظام کو مزید مؤثر اور کارآمد بنانے میں مدد ملے گی۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، سی ڈی او ای، مانو

کورس کا تعارف

مرکز برائے فاصلاتی اور آن لائن تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے لیے یہ بات انتہائی باعث مسرت ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (یو جی سی)، ڈسٹنس ایجوکیشن بیورو (ڈی ای بی) کے 2017 ضابطوں اور دوسرے ترمیمی ضوابط 2018 کے مطابق اسلامک اسٹڈیز کے موضوع پر اردو زبان میں درسی مواد تیار کیا گیا ہے۔ یو جی سی ہدایت کے تحت یونیورسٹی کے روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کے لیے ایک ہی نصاب لازمی قرار دیا گیا ہے؛ تاکہ نہ صرف ان دونوں نظام تعلیم کے طلبہ کا معیار یکساں ہو، بلکہ حصول تعلیم کے لیے فراہم کی جانے والی مختلف سہولیات کے اس دور میں ایک نظام تعلیم کے طلبہ کے لیے دوسرے نظام تعلیم کی طرف منتقلی بھی قابل عمل ہو۔

موجودہ تعلیمی ضروریات کے پیش نظر نئی تعلیمی پالیسی (NEP-2020) کے تحت اسلامک اسٹڈیز کی کتابیں تیار کرائی جارہی ہیں۔ ان ضوابط کے تحت یونیورسٹی میں فراہم کیے جارہے تمام مضامین میں روایتی اور فاصلاتی نظام تعلیم کا ایک ہی نصاب تیار کیا گیا، اور اس کے مطابق درسی مواد کی تیاری کی گئی جو بیک وقت دونوں نظام تعلیم کے طلبہ وطالبات کے لیے استفادہ کا ذریعہ بن سکے۔ یہ مواد بی اے کے چار سالہ (آٹھ سمسٹر) کورس کے لیے تیار کروایا گیا ہے۔ اس درسی مواد کی تیاری میں یونیورسٹی کو ملک بھر کے ماہرین اسلامک اسٹڈیز، دانشوران اور اسلامی علوم پر گہری نظر رکھنے والے علما کی معیاری خدمات حاصل رہیں، اور اس میں اسلامک اسٹڈیز کے تقریباً تمام موضوعات اور پہلوؤں کا جامع احاطہ کیا گیا۔ اس طرح یونیورسٹی کے ذریعے تیار ہونے والا یہ درسی مواد ایک معیاری، ہمہ گیر اور اسلامک اسٹڈیز کے پورے کورس پر محیط بن کر تیار ہوا، جس سے نہ صرف یہ کہ اسلامک اسٹڈیز کے طلبہ وطالبات کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل ہوئی بلکہ اسلامی مطالعات کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہوا۔ امید ہے کہ یہ کتاب طلبہ کے لیے معاون ثابت ہوگی۔

اس نصاب کی تیاری میں قدیم نصاب کی خوبیوں کو باقی رکھتے ہوئے ضروری حذف واضافہ اور جدید تحریر کے ساتھ مضامین کی ایسی ترتیب اختیار کی گئی جو دونوں روایتی اور فاصلاتی تعلیم کے نظام کی ضرورت بیک وقت پوری کرسکے۔

یکساں نصاب کی تیاری کے بعد اسی کے مطابق درسی مواد کی تیاری بھی مطلوب تھی جس میں نئے نصاب کے مطابق پرانے تحریر شدہ مواد میں کہیں کم اور کہیں زیادہ حذف وترمیم اور تبدیلی کی ضرورت تھی۔ بعض ذیلی عناوین پر بالکل نئی تحریر لکھنے کی ضرورت تھی اور بعض جگہوں پر مکمل اکائی کے اضافہ کی بھی ضرورت پیش آئی۔ ان سب کے علاوہ مواد کی ترتیب کو نئے نصاب کے مطابق تیار کیا گیا۔ نیز ہر اکائی کے تحت اکتسابی نتائج اور متنوع قسم کے سوالات کے تفصیلی نمونے شامل کیے گئے۔ ان تبدیلیوں کے بعد تیار ہونے والا مواد قدیم وجدید کا مجموعہ بن کر سامنے آیا ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ ہم بی۔ اے۔ کورس کی یہ کتاب آپ کے لیے پیش کررہے ہیں۔ سمسٹر چہارم کے اس پہلے پرچہ کا عنوان ''فقہ اسلامی اور تصوف'' ہے۔ یہ روایتی تعلیم کے تحت بی اے سمسٹر چہارم کے لیے ہے۔ اس پرچہ میں کل سولہ اکائیاں ہیں جن کو چار بلاکوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس میں فقہ اسلامی کا تعارف، فقہی مسالک کی تشکیل، تصوف اور مشہور صوفی سلسلے اور مشہور کتب تصوف سے متعلق تحریری مواد مہیا کیا گیا ہے۔

پروفیسر سید علیم اشرف

کورس کوآرڈی نیٹر

اکائی 1: فقہ: تعارف، آغاز وارتقا

اکائی کے اجزا:

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 فقہ: لغوی واصطلاحی تعریف

1.3 فقہ کی ضرورت واہمیت

1.4 فقہ: آغاز وارتقاء

1.5 عہد نبوی میں فقہ

1.6 خلفائے راشدین کے عہد میں فقہ

1.6.1 خلافت راشدہ کا عہد

1.6.2 صغار صحابہ وتابعین کا عہد

1.6.3 فقہائے صحابہ وتابعین

1.6.4 فقہ کے مراکز

1.7 تدوینِ فقہ اور ائمہ اربعہ کا دور (دوسری صدی سے چوتھی صدی ہجری)

1.8 دور وسطی: تقلید یا جمود کا دور

1.9 دور جدید میں فقہ اسلامی

1.10 فرہنگ

1.11 اکتسابی نتائج

1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1.0 تمہید

فقہ اسلامی ہر مسلمان کی زندگی کا ایک لازمی جز ہے اور وہ بنیادی فقہی علم کے بغیر مکمل زندگی نہیں گزار سکتا۔ فقہ اسلامی انسانی زندگی میں درپیش ضروریات اور مسائل کا احاطہ کرتی ہے اور ان کے حل قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کرتی ہے۔ اسلامی فقہ زندگی کے ہر میدان میں مسلمان کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس اکائی میں آپ سب سے پہلے فقہ کے لغوی معنی ومفہوم اور اس کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں جانیں گے اور پھر فقہ کی اہمیت وضرورت کا مطالعہ کریں گے۔

اس اکائی میں فقہ کے ارتقا پر بھی گفتگو کی جائے گی کہ فقہ کی نبی ﷺ کے عہد میں کیا اصول منضبط کیے گئے تھے اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کے دور میں فقہی مسائل کے استنباط کا طریقہ کار ان کا منہج نیز خلفائے راشدین کے عہد میں فقہی مراکز، اہم فقیہ صحابہ سے آگے چلتے ہوئے کس طرح فقہ عہد جدید تک ترقی کے منازل طے کرتی رہی۔

فقہ اسلامی کا تعارف اور تاریخ کا مطالعہ اس بات پر روشنی ڈالے گا کہ یہ کوئی جامد علم نہیں ہے، بلکہ یہ اسلامی اصولوں کے فریم ورک کے اندر رہتے ہوئے ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

1.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- فقہ اسلامی کے لغوی واصطلاحی معنی ومفہوم کو جان کر فنی اعتبار سے اس کی تعریف بیان کر سکیں۔
- اس کے تحت آنے والے احکام واقسام کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- اسلام میں اس کی اہمیت اور انسانی زندگی کے لیے اس کی قدر وضرورت سے آگاہ ہو سکیں۔
- صحابہ کرام، تابعین اور مجتہدین کے دور میں فقہی صورت حال کو جان سکیں۔
- فقہ کے ارتقاء اہم فقہا اور تصنیفات کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔

1.2 فقہ: لغوی و اصطلاحی تعریف

فقہ کے لغوی معنی ہیں 'کسی چیز کا اچھی طرح جاننا اور سمجھنا'۔ قرآن پاک اور حدیث رسول ﷺ میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اس کے لفظی معنی میں اتنا اضافہ ہو گیا ہے کہ دین کے معاملہ میں سمجھ بوجھ رکھنا اور اس میں مہارت حاصل کرنا۔ فقہ کا لفظ قرآن میں اسی معنی میں مذکور ہے۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ (توبہ:122) (تو کیوں ایسا نہ ہوا کہ ان کے گروہ میں سے کچھ لوگ نکلتے تاکہ دین میں بصیرت حاصل کرتے)۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيرًا مِمَّا تَقُولُ (ہود:91) (ان لوگوں نے کہا: اے شعیب! تمہاری کہی ہوئی بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں)۔

وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (اسراء:44) (لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔

حدیث نبوی ﷺ میں فقہ کے بارے میں آیا ہے "**من يرد الله به خيرا يفقه في الدين**" (بخاری، حدیث نمبر:67) (جس کو اللہ تعالیٰ بھلائی دینا چاہتا ہے اسے دین میں سمجھ بوجھ عطا کر دیتا ہے)۔

فقہ: اصطلاحی تعریف

عہد صحابہ اور تابعین کے دور میں شریعت کے تمام احکام کے جاننے کو "فقہ" کہا جاتا تھا، جس میں عقائد، عبادات، اور اخلاق و معاملات سب داخل سمجھے جاتے تھے، قرآن و حدیث میں اسی معنی کے لحاظ سے اس لفظ کو ذکر کیا گیا ہے، امام ابو حنیفہؒ نے فقہ کے مفہوم میں اسی وسعت کے اعتبار سے فقہ کی تعریف یہ کی ہے: "**هومعرفة النفس مالها وماعليها**" التوضیح:1، 10 (انسان کا اپنے حقوق اور فرائض کو جاننا "فقہ" ہے)۔

مگر جب ہر فن کی جدا جدا تدوین شروع ہوئی تو ہر فن کے لئے الگ الگ جدید اصطلاحات وضع ہوئیں، اس وقت علم فقہ سے عقائد و اخلاق کی بحث کو علیحدہ کر لیا گیا، چنانچہ عقائد سے متعلق احکام کا مجموعہ "علم کلام" کہلایا اور اخلاق سے متعلق مباحث کو "تصوف" کا نام دیا گیا، ان دونوں فنون کے ماہرین کی بھی مستقل حیثیت ہو گئی اور انہیں "متکلمین" اور "صوفیاء" کا لقب دیا گیا، اور فقہ کا دائرہ عبادات و معاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام تک محدود ہو گیا، اس طرح عملی احکام جو کہ قانونی حیثیت رکھتے ہیں، کو "فقہ" سے موسوم کیا گیا، اور اسی لحاظ سے ان الفاظ میں فقہ کی تعریف کی گئی: "**العلم بالأحكام الشرعية العملية المكتسب من أدلتها التفصيلية**" (فقہ ایسا علم ہے جس میں ان شرعی احکام سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہے اور جن کو تفصیلی دلائل کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے)۔

تفصیلی دلائل کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسئلہ کتاب و سنت کی کس دلیل سے ماخوذ ہے؟ دوسرے الفاظ میں کہیے: ادلہ تفصیلیہ سے مراد جزئی دلائل ہیں جو کہ متعینہ مسائل سے متعلق ہوتے ہیں، ان میں سے ہر دلیل کسی مخصوص متعین حکم پر دلالت کرتی ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا

ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (نساء:23)(تمہارے اوپر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں)۔

صاحب ہدایہ اور علامہ کاسانی کے دور (یعنی پانچویں صدی) تک تو فقہاء ہر مسئلہ پر ادلۂ تفصیلیہ سے بحث کرتے رہے ہیں، مگر بعد میں صرف احکام سے بحث شروع ہوگئی، دلائل کو نظر انداز کر دیا گیا، بعد کے فقہاء میں علامہ ابن ھمام وغیرہ نے اس کا اہتمام کیا ہے؛ لیکن اکثر نے اہتمام نہیں کیا ہے، اور ان مقلدین کو فقیہ کہا جانے لگا جو مسائل اور ان کے دلائل کا علم رکھتے ہیں، آج کل یہی تعبیر رائج ہے۔

1.3 فقہ کی ضرورت واہمیت

فقہ اسلامی ہر مسلمان کے لئے اس کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے، اس کے بغیر وہ کامیاب زندگی نہیں گذار سکتا؛ کیوں کہ وہ بحیثیت مسلمان اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مکلف ہے، اور فقہ اسلامی انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ اور میدان میں رہنمائی کرتی ہے، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس سے متعلق فقہ سے رہنمائی نہ ملتی ہو؛ چنانچہ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اس فن کے ذریعہ آپ کو مکمل رہنمائی ملے گی، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

عبادات : یعنی وہ احکام جو خدا اور بندہ کے راست تعلق پر مبنی ہوں، جیسے: نماز، روزہ، زکوۃ، حج، قربانی، اعتکاف اور نذر وغیرہ۔

عائلی قوانین : یعنی وہ احکام جو دو آدمیوں کے درمیان غیر مالی بنیاد پر قائم تعلقات سے متعلق ہوں جیسے: نکاح وطلاق، فسخ وتفریق، عدت، ثبوت نسب اور نفقہ وغیرہ۔

تجارتی قوانین : یعنی دو اشخاص کے درمیان مالی معاہدہ پر مبنی تعلقات، جیسے: خرید وفروخت، شرکت، عاریت، کفالت، اجارہ اور رہن وغیرہ۔

عدالتی قوانین : یعنی قاضی کا تقرر، شہادت ووکالت کے احکام اور مقدمات کو ثابت کرنے کا طریقہ وغیرہ۔

جرم وسزا سے متعلق قوانین : ان میں شرعی حدود، قتل وجنایت کی سزا اور جن جرائم کے بارے میں شریعت میں کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، ان کی بابت سزا کا تعین، جسے فقہ کی اصطلاح میں "تعزیر" کہتے ہیں، شامل ہیں۔

دستوری قانون : یعنی وہ قوانین جو حکومت اور شہریوں کے درمیان حقوق وفرائض کو متعین کرتے ہیں۔

بین ملکی قانون : یعنی دو ملکوں اور دو قوموں کے درمیان تعلقات ومعاہدات اور حقوق وفرائض سے متعلق قوانین، ان کو فقہاء اسلام "سِیَر" سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس تشریح سے آپ اندازہ کرتے ہیں کہ فقہ اسلامی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، اور اس نے کس طرح زندگی کے تمام شعبوں کو

اپنے اندر سمولیا ہے، جس سے فقہ اسلامی میں ہمہ جہت رہنمائی کرنے کی صلاحیت کو بھی سمجھ سکتے ہیں، اور انسان کے لئے اپنی زندگی کے مختلف مراحل میں کیا حلال ہے کیا حرام؟ کیا جائز ہے کیا ناجائز؟ اور کون سی چیز صحیح اور کون سی چیز غلط ہے، کو جاننے کے لئے اس فن کی ضرورت کو بھی محسوس کرسکتے ہیں۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ قرآن وحدیث میں ایسے احکام کی تعداد بہت تھوڑی ہے، جن کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ان احکام کی تعداد زیادہ ہے، جن کو اجمالی طور پر اور اشارہ کے ذریعہ بیان کیا گیا ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ قرآن میں جو احکام اجمالاً بیان کئے گئے حدیث میں ان کی تفصیلات آگئی ہیں، اسی طرح قرآن نے بنیادی ضوابط اور کلیات کے بیان کرنے پر اکتفا کیا اور فقہاء امت پر چھوڑ دیا کہ وہ زمانہ وحالات، انسانی ضروریات ومصالح اور مقاصد شریعت کی رعایت کرتے ہوئے شرعی احکام کا استنباط کریں اور لوگوں کی رہنمائی کریں۔ انسانی زندگی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے کام اور بڑے سے بڑے عمل کا سرا فقہ اسلامی سے جڑا ہوا ہے، فقہ اسلامی کی اہمیت اتنی ہے کہ اس کے بغیر زندگی کی گاڑی کا توازن برقرار نہیں رہ سکتا۔

1.4 فقہ: آغاز وارتقاء

فقہ اسلامی کا آغاز نزول وحی سے ہوتا ہے، اور وفات نبوی تک پوری شریعت مکمل ہوجاتی ہے، قرآن کریم وفات نبوی سے چند مہینے پہلے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ دین مکمل ہوچکا ہے: اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (مائدہ:3) اور رسول اللہؐ نے بھی وفات سے تھوڑی دیر پہلے پوری انسانیت کے لئے مکمل دستور حیات اور ہدایت نامہ قرآن وحدیث کو بتایا، چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں کہ: میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، تم جب تک ان دونوں کو تھامے رہو گے گمراہ نہیں ہوگے، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری سنت (موطا)۔

آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ تمام صحابہؓ فتوی نہیں دیا کرتے تھے، بلکہ ان میں ایک مخصوص جماعت تھی جو کار فتوی انجام دیتی تھی، جو قرآن کو اچھی طرح پڑھنا اور علوم قرآن سے خوب آگاہ تھی، ایسے لوگوں کو قراء کہا جاتا تھا، جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اسی طرح مملکت اسلامیہ کی وسعت بھی بڑھتی گئی، قرآن کے پڑھنے پڑھانے کا رواج بھی زیادہ ہوتا گیا، اس کے ماہرین پیدا ہونے لگے، اور نئے مسائل کے استنباط کا ملکہ فروغ پانے لگا، یہاں تک کہ فقہ نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کرلی، اور "قراء" کا لفظ "فقہاء" سے بدل گیا۔ ابتدا میں فقہ کے دو طریقے رائج ہوئے، ایک طریقہ اختیار کرنے والوں کو اہل الرائے کہا جاتا تھا، یہ اہل عراق تھے، دوسرے طریقہ کے ماننے والوں کو اہل حدیث سے یاد کیا جاتا تھا، یہ اہل حجاز تھے۔

عہد صحابہ میں ہی بڑے بڑے شہروں میں فقہ کے بڑے بڑے مراکز قائم ہوچکے تھے، مؤرخین نے لکھا ہے کہ دور خلافت راشدہ میں مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن سات فقہی مراکز تھے۔ تمام مراکز پر صحابہ کار فتوی اور استنباط مسائل کے ذریعہ لوگوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے تھے، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس منصب کو سنبھالا۔ تاریخ میں تابعین، تبع تابعین اور ان کے

بعد ایک عرصہ تک بہت سے فقہی مسالک رائج ہوئے۔

فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت سے ہوا، آہستہ آہستہ پروان چڑھتا رہا، مملکت اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کا دائرہ بھی پھیلتا رہا اور اس کا ارتقا ہوتا رہا، ائمہ مجتہدین کے دور میں آکر مستقل فن کی حیثیت سے اس کی تدوین عمل میں آئی اور اس کو بڑا استحکام حاصل ہوا، اس طرح فقہ اسلامی اس دور اجتہاد میں اپنے ارتقا کے بام عروج کو پہنچی، اور اس کے بعد ہر دور میں اس دبستان کی آبیاری ہوتی رہی ہے۔

1.5 عہد نبوی میں فقہ

فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت سے ہوتا ہے، آپؐ کی رسالت کا دور 23 سال پر مشتمل ہے، یہی دور آنے والے تمام ادوار کی اساس وبنیاد ہے، حقیقت میں آگے پیش آنے ولے فقہ کے تمام تر ادوار اسی دور کی توسیع اور عمارت سازی ہیں۔

قرآن مجید کے فقہی احکام دو طرح کے ہیں، ایک وہ جو اپنے منشاء ومراد کے اعتبار سے بالکل واضح ہیں، جیسے: نماز روزہ وغیرہ کا فرض ہونا، قتل کی حرمت، میراث کے احکام، نکاح میں محرم اور غیر محرم رشتہ داروں کی تعیین، یہ وہ احکام ہیں جن کا انکار موجب کفر ہے، دوسری قسم کے وہ احکام ہیں جو اپنے منشاء ومراد کے اعتبار سے دوٹوک انداز میں واضح نہیں ہیں، ان میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال ہے، جس کی وجہ سے استنباط میں اختلاف رائے ہونا ناگزیر ہے، لہٰذا ان میں ایک دوسرے کی تکفیر نہیں کی جاسکتی۔

احکام کے باب میں قرآن کا طرز بیان دوسری قانون کی کتابوں سے بالکل مختلف ہے، قرآن میں ترتیب سے یکجا سارے احکام کا ذکر نہیں ہے؛ بلکہ پورے قرآن میں منتشر ہے، مزید برآں اس کے ساتھ ترغیب وترہیب اور حکمت ومصلحت کا بھی ذکر ہوتا ہے؛ تاکہ لوگوں میں احکام الٰہی پر عمل کرنے کی رغبت پیدا ہو؛ کیوں کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد لوگوں کی ہدایت ہے۔

جہاں تک قرآن کے طریقہ تشریع کی بات ہے تو اس کی چند اہم صورتیں حسب ذیل ہیں:

سماج میں کوئی واقعہ پیش آتا جس کا حکم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اور لوگ، تو نبی کریمؐ سے پوچھتے تو آپؐ پر اس کے متعلق وحی نازل ہوتی، دوسرے الفاظ میں آپ واقعات کی مناسبتوں سے آیات کا نزول کہہ سکتے ہیں، جیسے: مکہ مکرمہ کی ایک حسین وجمیل خاتون نے حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کو شادی کی پیشکش کی اور وہ کافر تھی، حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شادی کی اجازت چاہی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّى يُؤْمِنَّ (بقرۃ:221) (اور (مومنو!) مشرکہ عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا)۔

اسی طرح بعض مرتبہ بغیر واقعاتی مناسبت کے لوگ آپ ﷺ سے سوال کرتے تھے، اس پر آیت نازل ہوتی تھی، جیسے: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ (بقرۃ:219) (لوگ آپ سے شراب اور جوا کے بارے میں پوچھتے ہیں) وغیرہ، اس طرح 13/ مسائل کا ذکر سوال وجواب کے انداز میں قرآن نے ذکر کیا ہے۔

کبھی بغیر سبب کے آیتیں نازل ہوتی تھیں، جیسے: اقامت صلاۃ، وضو اور بعض دوسری عبادات کی آیات۔ تشریع احکام کے کچھ

بنیادی اصول ہیں جن کو عہد رسالت میں فقہی احکام کو وضع کرنے کے لئے مد نظر رکھا گیا۔

عدم حرج: اس کا مطلب تنگی کو دور کرنا، عملی احکام میں تنگی کا نہ ہونا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فقہی احکام میں اس اصول کو بھرپور ملحوظ رکھا ہے، واضح رہے کہ عدم حرج سے مراد یہ نہیں ہے کہ سرے سے تکلیف ومشقت ہی نہ ہو، اس اعتبار سے مشقت کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں، ایک وہ معمولی مشقت جسے عرف میں مشقت تصور نہیں کیا جاتا ہے، شارع نے بھی اس کا لحاظ نہیں رکھا ہے؛ کیوں کہ شرعی احکام کے مکلف ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس میں کچھ نہ کچھ تکلیف ضرور ہوگی۔ مشقت کی دوسری قسم وہ ہے جسے عرف میں مشقت سمجھا جاتا ہے، انسان اس کی وجہ سے دقت محسوس کرتا ہے، شریعت نے اس مشقت کا اعتبار کیا ہے اور اس کی وجہ سے احکام میں تخفیف برتی ہے، اسی کو عدم حرج دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی نوع کی مشقت وحرج اور تنگی کو دور کرنے کی طرف قرآن مجید میں کئی مقامات پر تصریح کی ہے۔ مثلاً نماز ہے، اس میں قیام (کھڑا ہونا) فرض ہے، کھڑے ہونے میں اگر کسی کو ادنی مشقت ہے، تو اس سے قیام ساقط نہیں ہوگا؛ لیکن اگر کھڑے ہونے میں اس کو غیر معمولی مشقت ہوتی ہو تو پھر اس سے قیام ساقط ہو جائے گا اور وہ بیٹھ کر نماز ادا کرے گا۔

یسر وآسانی: یہ عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ احکام میں توازن واعتدال ہو، واجبات وفرائض کا زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے" (البقرہ:286، مزید دیکھئے: نساء:28) اسی وجہ سے اسلام نے کثرت سوال سے منع کیا اور دین میں غلو سے روکا (المائدہ:101) اور ایک بنیادی اصول یہ بتادیا کہ دین آسان ہے:

"إن الدين يسر ولن يشاد الدين إلا غلبه" (بخاری، حدیث نمبر:39)

اسی وجہ سے قرآن میں واجبات وفرائض کی مقدار بہت تھوڑی ہے جن کو کم مدت میں آسانی سے سیکھا جاسکتا ہے اور ان پر عمل بھی آسان ہے، ان میں بھی اس بات کا مکمل خیال رکھا گیا ہے کہ پہلے سے جو رسوم اور عادات واطوار چلے آرہے ہیں، ان میں سے جو اسلام کی نظر میں درست تھے ان کو باقی رکھا گیا، بعض میں معمولی اصلاح اور ترمیم کی گئی، اور جو بالکل ظلم وزیادتی پر مبنی تھے یا انسانی فطرت کے مغائر اور اس کے لئے ضرر رساں تھے، ان سے روکا گیا، اور شرعاً ان کو ممنوع قرار دیا گیا، جس کی واضح مثال نکاح شغار ہے۔

تدریج: اس کا مطلب یہ ہے کہ ٹھہر ٹھہر کے، آہستہ آہستہ کسی کام کا حکم دینا، یکبارگی بوجھ نہ ڈالنا، چوں کہ عرب کی بگڑی ہوئی صورتحال کو دیکھتے ہوئے حکمت کا تقاضا تھا کہ ان کو عمل پر آمادہ کرنے کے لئے حکمت کے ساتھ بتدریج احکام دیئے جائیں؛ چنانچہ قرآنی آیات اور احادیث رسول میں بہت سے احکام کی مشروعیت بتدریج ہوئی ہے، اس کی واضح مثال شراب کی حرمت ہے، تیسرے مرحلہ میں اس کی قطعی حرمت نازل ہوئی، پہلے مرحلہ میں ذہن سازی کی گئی کہ تمہارے لئے اس میں فوائد تھوڑے اور نقصان زیادہ (البقرہ: 291) دوسرے مرحلہ میں نشہ کی حالت میں نماز کے قریب جانے سے روکا گیا (النساء: 43) تیسرے مرحلے میں اس کی حرمت کا قطعی حکم نازل ہوا (المائدہ:9)۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ فقہی احکام کے مصادر قرآن وحدیث ہیں' اسی کے ساتھ علماء نے اجتہاد رسول اور اجتہاد صحابہ کو بھی شامل کیا ہے؛ لیکن حقیقت میں یہ دونوں حدیث کے ذیل میں آجاتے ہیں؛ کیوں کہ اجتہاد رسول قول رسول یا فعل رسول ہوا، اور اجتہاد صحابہ کی

تائید صراحۃً یا حکماً رسول اللہؐ کی جانب سے ہونے کے بعد معتبر ہے، اس لئے یہ حدیث کی ایک قسم تقریر (آپؐ کے سامنے کوئی کام کیا گیا یا آپؐ کے علم میں آیا؛ لیکن آپؐ نے اس پر خاموشی اختیار فرمائی) کے ذیل میں آجاتا ہے۔ آپؐ کے بعض افعال طبعی نوعیت کے ہیں، جیسے اٹھنے، بیٹھنے، اور گفتگو کرنے کا انداز وغیرہ، اس طرح کے امور میں سے جو بہ اختیار عمل میں لایا جاسکتا ہے ان کا کرنا مستحب ہوگا، اور جو آدمی کے اختیار وارادہ سے باہر ہو ان سے شرعی حکم متعلق نہیں ہوں گے۔

1.6 خلفائے راشدین کے عہد میں فقہ

علماء نے فقہ کے ارتقاء کی تاریخ میں صحابہ کے دور کو، وہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا: خلافت راشدہ کا عہد (11 تا 40ھ)، دوسرا: اصاغر صحابہ اور تابعین کا عہد (41 ہجری سے پہلی صدی کے اختتام اور دوسری صدی کے اوائل تک)۔

1.6.1 خلافت راشدہ کا عہد

خلفائے راشدین کا یہ دور فقہ کی بنیادیں مستحکم ہونے کا وقت تھا۔ نئے مسائل (جیسے جمع قرآن، زمینوں کے لگان، اور نظم ونسق) سامنے آنے پر صحابہ نے قرآن وسنت کی روشنی میں اجماع اور قیاس سے کام لیا۔ اس دور میں صحابہ کرام کے سامنے احکام شریعت کے اخذ واستنباط کے مصادر: قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس واجتہاد تھے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو انہوں نے قاضی شریح کے نام کوفہ روانہ کیا تھا، ایسا ہی خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کا بھی عمل تھا کہ وہ جن مسائل میں قرآن وسنت میں کوئی نص نہیں پاتے تو صحابہ کرام میں سے اہم شخصیتوں کو جمع فرماتے، ان سے مشورہ کرتے اور ان کے اتفاق سے فیصلہ فرماتے، یہی بقیہ خلفاء راشدین کا طریقہ رہا۔

اس طرح عہد صحابہ میں بعض مسائل پر اتفاق میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی کوشش کو بڑا دخل رہا، جیسے مانعین زکاۃ سے جہاد، نبی کریمؐ کے متروکات میں میراث کا جاری نہ ہونا، قرآن کی جمع وترتیب وغیرہ اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تراویح باجماعت پر صحابہؓ کا اتفاق ہوا۔

اس وقت تک شراب نوشی کی حد متعین نہیں تھی، حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں اکابر صحابہ سے مشورہ کیا، تو بالآخر حضرت علیؓ کی رائے ''اسّی کوڑے'' پر فیصلہ ہوا، اور یہی شراب کی حد مقرر ہوگئی۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اتفاق رائے کی کوشش کے باوجود اتفاق نہیں ہوسکا، اور صحابہ کے درمیان اختلاف باقی رہا، اور بعد کے ادوار میں بھی وہ اختلاف منتقل ہوتا رہا ہے؛ البتہ صحابہ کرامؓ فقہی اختلاف کو مذموم نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ ایک دوسرے کی رائے کا پورا احترام کرتے تھے، اور بڑی ہی فراخ دلی کے ساتھ دوسروں کو اختلاف کرنے کا حق بھی دیتے تھے، اس طرح دلیل کی روشنی میں جو جس کی رائے پر عمل کرنا چاہتا کرتا، کوئی صحابی دوسرے کو اپنی رائے پر عمل کرنے کی ترغیب نہیں دیتا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع سے فرمایا کہ اگر میرے پاس اللہ یا اس کے رسول کا حکم ہوتا تو میں اس کو نافذ کردیتا؛ لیکن میری بھی رائے ہے اور رائے میں سب شریک ہیں؛ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فیصلہ کو برقرار رکھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ اسلامی مملکت کی وسعت اور عرب وعجم کے تہذیبی میل جول سے بہت سے نئے مسائل پیدا ہوئے جن کا

حل قرآن وحدیث میں صراحۃً نہیں تھا؛ چنانچہ آپؐ کی وفات کے بعد فوری خلافت کا مسئلہ پیش آیا، اس کی صراحت قرآن وحدیث میں موجود نہیں تھی، اجتہاد کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا، مختلف رائیں سامنے آئیں اور آخر میں ایک رائے پر سب کا اتفاق ہوا، اس طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ صحابہ کے اجتہاد سے خلیفہ منتخب ہوئے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ نئے مسائل کے فقہی احکام مستنبط کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ پہلے قرآن میں حکم تلاش کیا جائے، اگر اس میں نہ ملے، تو سنت رسول میں دیکھا جائے، اگر اس میں بھی نہ ملے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے پچھلے اجماعی فیصلے دیکھے جائیں، یعنی اجماع صحابہ میں تلاش کیا جائے، اگر اتفاق سے اس میں بھی نہ مل سکے تو قیاس کیا جائے، یعنی شریعت کے مشابہ مسائل پر علت مشترکہ کی بنیاد پر قیاس کیا جائے؛ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ایک خط میں تحریر فرمایا" :مسائل میں اشباہ وامثال کو پہچانو اور پھر ان کی روشنی میں ان کے بارے میں ایسی رائے قائم کرو جو تمہیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے قریب تر نظر آئے"۔(سنن دار قطنی: 2/512، اعلام الموقعین: 1/72)

قیاس کا مطلب گذر چکا ہے، جہاں تک اجتہاد کی بات ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب وسنت سے حکم شرعی مستنبط کرنے میں چند قیود وشرائط کے ساتھ پوری پوری کوشش کی جائے، اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں: اول یہ کہ کتاب وسنت کی منصوص عبارت سے استخراج مسائل کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ کتاب وسنت کے منصوص مسائل سے بذریعہ قیاس استخراج مسائل کیا جائے، جیسے حضرت علیؓ نے شراب کی حد کو حد قذف پر قیاس فرمایا، اس طور پر کہ جب کوئی شراب پیتا ہے تو نشہ میں مبتلا ہوتا ہے، پھر نشہ کی حالت میں بکواس شروع کرتا ہے اور اس میں لوگوں پر بہتان تراشی بھی کر گذرتا ہے، اس لئے جو سزا تہمت اندازی (قذف) کی ہے، یعنی اسّی (80) کوڑے، وہی شراب نوشی پر بھی دی جانی چاہیے؛ چنانچہ اسی کوڑے پر فیصلہ ہوا۔

صحابۂ کرامؓ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ جب قرآن وحدیث میں کسی نئے مسئلہ کا حل نہیں ملتا، اور نہ ہی اجماع اور قیاس کے ذریعہ اس کے حکم کا استخراج ممکن ہوتا تو مصلحت مرسلہ کی بنیاد پر فیصلہ فرماتے، جیسا کہ عراق وشام کی فتوحات کے وقت مجاہدین کے درمیان زمینات کی تقسیم کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور بعض دوسرے صحابہ نے انہیں بیت المال کی ملکیت قرار دیا؛ تاکہ عام مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے اور اس سے مزید رفاہی کام انجام دیئے جاسکیں۔

اسی طرح صحابہ کرامؓ اور خاص کر کے حضرت عمرؓ نے بعض فیصلے شریعت کے عمومی مقاصد کی بنیاد پر کئے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے قحط کے زمانہ میں چوری کی حد کو موقوف کر دیا؛ کیوں کہ اس وقت لوگ اضطرار کی حالت میں تھے، اور شریعت کا مسلّمہ اصول ہے کہ اضطرار کی حالت میں چوری کرنے سے حد جاری نہیں ہوتی، اس لئے کہ انسان اپنے اختیاری افعال کے بارے میں اللہ کے یہاں جواب دہ ہے، نہ کہ اضطراری افعال کے بارے میں۔

بعض اوقات صحابہؓ نے دفع مفسدہ اور فتنہ کے دروازے کو بند کرنے کے لئے فقہی فیصلے کئے ہیں، جیسے: اگر کوئی مرض الموت میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے تو شریعت کے اصول کے مطابق مطلقہ کو اس مرد کے متروکہ میں سے کچھ بھی نہ ملے؛ لیکن چوں کہ بعض غیر

منصف مرد اسے بیوی کو میراث سے محروم کرنے کا ذریعہ بناسکتے تھے، اسی لئے صحابہ نے ظلم کے دروازے کو بند کرنے کے لئے ایسی مطلقہ عورت کو بھی میراث کی مستحق قرار دیا، اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک مجلس کی تین طلاق کو تین طلاق ہی واقع قرار دیا؛ تاکہ بددین لوگوں کی بری نیت کا سدباب ہوسکے اور اللہ کی محرمات کی حفاظت ہوسکے۔

فقہی مسائل کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن میں فقہاء صحابہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اختلاف بے بنیاد نہیں ہے؛ بلکہ اس کے کچھ اسباب ووجوہ ہیں جو اس اختلاف کے پیچھے کارفرما رہے ہیں اوراس اختلاف میں بھی حق کی جستجو مطلوب تھی نہ کہ تنگ نظری، تعصب اور دوسروں کی مخالفت، اختلاف صحابہ کے تجزیے سے اس کے مختلف اسباب سامنے آتے ہیں، جو حسب ذیل ہیں :

(1) **لفظ میں ایک سے زیادہ معنوں کا احتمال:** یعنی قرآن وحدیث کے کسی لفظ میں ایک سے زیادہ معنی کے احتمال ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوا، جیسے قرآن نے مطلقہ عورت کی عدت تین "قروء" قرار دی ہے، قروء قرء کی جمع ہے، اس کے دو متضاد معنی آتے ہیں، ایک حیض دوسرے طہر؛ چنانچہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس سے حیض کا معنی مراد لیا، جب کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اس سے طہر مراد لیتے ہیں۔

(2) **حدیث کا عدم سماع:** یعنی ایک صحابی نے رسول اللہؐ سے حدیث سنی اور دوسرے صحابی نے حدیث نہیں سنی اور نہ ہی دوسرے واسطہ سے ان تک پہنچ سکی، ظاہر ہے کہ جن تک کسی مسئلہ کے بارے میں حدیث نہیں پہنچی تو انہوں نے اجتہاد کے ذریعہ فیصلہ کیا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عام اصول کے مطابق غسل کرتے وقت خواتین کو سر کے بالوں کو کھولنے کا حکم دیا کرتے تھے؛ کیوں کہ غسل میں پانی کا پورے جسم تک پہنچنا ضروری ہے، اس کے برخلاف حضرت عائشہؓ سر پر تین چلو پانی ڈالنے کو کافی سمجھتی تھیں، بالوں کے کھولنے کو ضروری قرار نہیں دیتی تھیں؛ اس لئے وہ کہتی ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ ایک ہی برتن سے غسل کرتی تھی اور میں صرف اپنے سر پر تین چلو ڈال لیا کرتی تھیں۔ (دیکھئے: مسلم، حدیث نمبر: 331)

(3) **فعل کا حکم سمجھنے میں اختلاف:** بعض مرتبہ رسول اللہؐ کے کسی عمل کے منشا ومقصد کو متعین کرنے میں اختلاف رائے ہوا ہے، جیسے حج میں منی سے مکہ واپس ہوتے ہوئے وادی ابطح میں قیام کا حکم، حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور بعض دوسرے صحابہ حضورؐ کے اس عمل کو سنت قرار دیتے ہیں، جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ اسے طبعی فعل قرار دیتے ہیں۔

(4) **سہوونسیان:** مطلب یہ ہے کہ کوئی صحابی نبی کا کوئی عمل نقل کرے اور اس میں بھول کر غلط حکم لگادے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے کہ نبی کریمؐ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا؛ لیکن حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ابن عمر نے یہ بات بھول کر کہہ دی ہے، حقیقت میں آپؐ نے رجب میں کوئی عمرہ نہیں کیا۔ (بخاری، حدیث نمبر: 1776)

(5) **وہم:** حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے روایت کی کہ مطلقہ بائنہ عورت عدت میں نفقہ اور رہائش کی حقدار نہیں ہے، حضرت عمرؓ نے سنا تو اس کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ میں ایک عورت کی بات پر نہ معلوم کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی کتاب اللہ اور سنت رسول کو نہیں چھوڑ سکتا، حضرت عمرؓ کا خیال یہ تھا کہ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کا وہم ہوسکتا ہے؛ کیوں کہ قرآن کی سورہ طلاق

(آیت:1) میں مطلقہ کے رہائش فراہم کرنے کی ہدایت موجود ہے۔

(6) **مزاج ومذاق اور طریقہ استنباط کا فرق:** بعض صحابہ کرام جیسے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا مزاج ومذاق حدیث کے ظاہری الفاظ پر قناعت کا تھا، جب کہ بعض دوسرے صحابہ کرام جیسے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ حدیث کے مقصد ومنشاء پر نظر رکھتے تھے اور قرآن ودین کے عمومی مزاج وطبیعت کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کا مزاج تھا، جیسے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آگ میں پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے فرمایا کہ پھر تو گرم پانی سے غسل کیا جائے تو اس سے بھی وضو واجب ہو جائے گا۔

(7) **ضبط کا اختلاف:** حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کا قول ہے: "مردہ کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے، جب کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسے وہم شمار کیا کرتی تھیں؛ کیوں کہ یہ قرآن کے حکم وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (سورہ فاطر:18) (ایک شخص پر دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں ہوگا) کے خلاف ہے۔ (دیکھئے: ابوداؤد، حدیث نمبر:3129)

(8) **حکم کی علت کے استخراج میں اختلاف:** جیسے بعض صحابہ کا موقف تھا کہ جنازہ کے لئے کھڑے ہونے کی علت فرشتوں کی تعظیم ہے، اس لئے مومن اور کافر دونوں کے لئے کھڑا ہونا چاہیے، جب کہ بعض دوسرے صحابہ کا موقف تھا کہ یہ حکم موت کی ہولناکی کے باعث ہے۔

1.6.2 صغار صحابہ وتابعین کا عہد

اس دور میں صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ سے نکل کر عالم اسلام کے مختلف شہروں میں رہائش پذیر ہوگئے، اور علم دین کی نشرواشاعت میں مصروف ہوگئے 'لوگ بھی ان کے گرد کثرت سے جمع ہوگئے، اور ان سے خوب استفادہ کیا، یہاں تک کہ تابعین کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جو مرجع خلائق بن گئی۔ صحابہ کرامؓ کے دور دراز علاقوں میں پھیل جانے کی وجہ سے اجتماعی اجتہاد کی جگہ پر انفرادی اجتہاد کا غلبہ ہوگیا، اور دوسرے یہ کہ مختلف علاقوں کے رواج وعادات اور ہر شہر کے حالات اور کاروباری طریقے اور لوگوں کے فکری وعملی رجحانات مختلف تھے، جس کی وجہ سے اس اختلاف کا اثر فقہاء کے نقطۂ نظر پر پڑا، اور پہلے دور کے بمقابلہ اس دور میں اختلاف رائے کی کثرت ہوگئی۔

بنوامیہ کے اس دور میں فقہ میں دو بڑے مکاتبِ فکر کا ظہور ہوا، ایک طبقہ اہل حدیث اور دوسرا طبقہ اہل رائے سے مشہور ہوا، اہل حدیث کا طبقہ قیاس برائے نام کرتا تھا، ان کی نگاہ قرآن وحدیث کے ظاہری الفاظ پر مرکوز ہوتی تھی، دوسرا طبقہ بھی قرآن وحدیث سے استدلال کرتا تھا، ظاہری الفاظ کے ساتھ معانی کا غواص تھا، استنباط مسائل میں شرعی احکام کے علل، اسباب، مقاصد اور مصالح کی بھی رعایت کرتا تھا، اور اصول وقوانین کی روشنی میں نئے مسائل کا حل تلاش کرتا تھا، ایسے لوگ زیادہ تر اہل عراق تھے، اور اہل حدیث زیادہ تر اہل حجاز تھے۔

صحابہ میں اہل حجاز کے اساتذہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ وغیرہ صحابہ کرام تھے، اور اہل عراق کے اساتذہ حضرت

علیؓ اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ جیسے فقہاء صحابہ تھے، اس دور میں اجتہاد کے دونوں طریقے زیادہ نمایاں ہوئے اور دونوں طریقوں کو خوب فروغ ملا، نیز اس دور میں فقہ اور حدیث کا فن ایک دوسرے سے ممتاز ہوا، فقہ و فتاویٰ میں مشغول رہنے والے فقہاء کہلائے، اور متن حدیث کی روایت اور اس کی سند کی تحقیق میں مصروف رہنے والے محدثین کہلائے۔

اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد واستنباط کا وہی طریقہ رہا جو اکابر صحابہ نے اختیار کیا تھا، البتہ ثانوی مراجع کا استعمال بھی وسیع پیمانہ پر شروع ہو گیا۔ اس دور میں فقہ اسلامی کا تعلق واقعاتی مسائل سے رہا، یعنی جو مسائل پیش آئے ان ہی کا حکم بتایا گیا، امکانی تفریعات اور مفروضہ احکام کا استخراج نصوص سے نہیں کیا گیا۔

1.6.3 فقہائے صحابہ و تابعین

جن مجتہدین صحابہ کرامؓ کے فتاوی محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں، ان کی تعداد (149) ہے، ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، علماء نے صحابہ سے منقول فتاوی کی تعداد کے لحاظ سے صحابہ کی تین قسمیں کی ہیں، مکثرین، متوسطین، اور مقلین:

☆ مکثرین سے مراد وہ صحابہؓ جن میں سے ہر ایک سے فتاوی کا ایک عظیم مجموعہ منقول ہے، ان کی تعداد سات ہے، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ۔

☆ متوسطین سے صحابہ کی وہ جماعت مراد ہے جن میں سے ہر ایک صحابی سے فتاوی کا منقول مجموعہ چھوٹا سا ہو، یہ کل بیس صحابہ ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت انسؓ۔

☆ مقلین وہ صحابہ ہیں جن سے منقول فتاوی کی تعداد بہت تھوڑی ہو، بعض سے تو صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں، ان کی تعداد ایک سو بائیس ہے، جن میں سے چند یہ ہیں: حضرت ابو درداءؓ، حضرت ابو ذر غفاریؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ۔

جہاں تک فقہاء تابعین کی بات ہے تو ان کی تعداد بہت ہے، جن میں اہم اور مشہور یہ ہیں: سعید بن المسیب مخزومیؒ، عروہ بن زبیرؒ، امام زین العابدینؒ علی بن حسینؓ، عبید اللہ بن عبد اللہؒ، سالم بن عبد اللہ، سلیمان بن یسارؒ، قاسم بن محمد ابو بکرؒ، نافع مولی ابن عمرؒ، ابن شہاب زہریؒ، امام ابو جعفر محمد باقر بن علیؒ، ابو زناد عبد اللہ بن ذکوانؒ، یحی بن سعیدؒ، ربیعہ الرائی بن عبد الرحمنؒ، مجاہد بن جبرؒ، عکرمہ مولی ابن عباسؓ، عطاء بن رباحؒ، وہب بن منبہؒ اور یحی بن کثیرؒ، نعمان بن ثابت ابو حنیفہ وغیرہ۔

یہ وہ تابعین ہیں جو اس دور میں لوگوں کو فتوی دیا کرتے تھے اور احادیث رسولؐ بھی بیان کرتے تھے، یہ مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے، اور فقہ و فتاوی اور روایت حدیث میں مشہور تھے۔ ان میں سے چند اہم اور مشہور فقہاء کی سیرت مختصراً پیش کی جاتی ہے:

1.6.4 فقہ کے مراکز

خلافت راشدہ کے دور میں اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا، اور نئی آبادیوں کا سلسلہ پھیلتا گیا اور عرب و عجم کی تہذیبوں نے مل کر ایک نئی تہذیب اور جدید طرز زندگی سے لوگوں کو روشناس کرایا، اور فکری و عملی رجحانات میں ایک انقلاب

برپا کیا، جس کی وجہ سے ضروریات زندگی بڑھیں، اور حاجات انسانی میں تغیر واقع ہوا، نئے نئے مسائل جنم لینے لگے، صحابہ کرامؓ نے اس چیز کو محسوس کیا اور وہ مدینہ منورہ سے نکل کر مختلف دور دراز علاقوں اور شہروں میں پھیل گئے اور ہر ایک نے اپنی جگہ فقہ کا مرکز قائم کیا، اس طرح فقہ وافتاء کے بہت سے مراکز قائم ہوگئے؛ لیکن ان مراکز فقہ وافتاء میں اہم اور زیادہ مشہور سات تھے اور وہ ہیں: مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن۔ درج ذیل سطور میں ان سات مراکز کا تعارف اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

1. **مدینہ منورہ:** عہد رسالت سے حضرت عثمانؓ کی شہادت تک مدینہ منورہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، علم وفن، لوگوں کی آمد ورفت اور اسلامی حکومت کے مختلف امور اور پالیسیاں طے ہونے کے اعتبار سے مدینہ ایک عظیم الشان مرکز تھا، یہاں حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے علاوہ دیگر اکابر صحابہ موجود تھے، جن میں حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ قابل ذکر ہیں۔

ان کے علاوہ ان ہی صحابہ کرامؓ سے علم حاصل کرنے والے تابعین درج ذیل ہیں: سعید بن مسیب مخزومیؒ، (متوفی 94ھ)، ابو بکر بن عبد الرحمن مخزومیؒ (متوفی 94ھ) ،عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہؒ (متوفی 98ھ)، سلیمان بن یسارؒ مولی ام المومنین حضرت میمونہؓ (متوفی 107ھ)، نافع مولی عبد اللہ بن عمرؓ (متوفی 117ھ)، امام ابو جعفر محمد باقر بن علی بن حسینؒ (متوفی 114ھ)، یحی بن سعید انصاریؒ (متوفی 146ھ)، عروہ بن زبیرؒ (متوفی 94ھ)، زین العابدین علی بن حسینؒ (متوفی 94ھ)، سالم بن عبد اللہ بن عمرؒ (متوفی 106ھ)، قاسم بن محمد ابو بکر (متوفی 146ھ)، محمد بن مسلمؒ بن شہاب زہری (متوفی 124ھ)، ربیعہ الرائی بن ابو عبد الرحمن (متوفی 136ھ)، ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان (متوفی 131ھ)- یہ حضرات حدیث وفقہ میں مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں اپنی نظیر آپ تھے۔

2. **مکہ مکرمہ:** رسول اللہؐ نے فتح مکہ کے بعد حضرت معاذ بن جبلؓ کو کچھ دنوں کے لئے مکہ کا معلم ومفتی بنا کر بھیجا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ مدینہ سے مکہ تشریف لے آئے اور یہاں زندگی کا آخری دور گذارا، اہل مکہ ان کے علم وفضل سے خوب مستفیض ہوئے، یہاں اصحاب افتاء تابعین میں سے مجاہد بن جبیرؒ (متوفی 103ھ)، عطاء بن ابی رباح (متوفی 114ھ)، عکرمہ مولی ابن عباسؓ (متوفی 107ھ)، ابو الزبیر محمد بن مسلم (متوفی 128ھ) اور عبد العزیز بن محمد بن مسلم زنجی (رحمہم اللہ) زیادہ مشہور اور قابل ذکر ہیں۔

3. **کوفہ:** کوفہ اور بصرہ دونوں شہر حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں آباد کئے گئے تھے، دراصل ان دونوں شہروں کی حیثیت فوجی چھاؤنیوں کی تھی، صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی تعداد نے ان کی طرف رخ کیا اور ان میں سے اچھی خاصی تعداد نے ان دونوں شہروں کو اپنا وطن بنالیا، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا معلم، مفتی اور وزیر مقرر کر کے بھیجا، آپ کوفہ میں دس سال مقیم رہے، یہاں کے باشندوں نے آپ سے استفادہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ خلیفہ بنے، حضرت علیؓ نے دار الخلافہ مدینہ سے کوفہ منتقل کر لیا، کوفہ 35ھ سے 40ھ تک حضرت علیؓ کا دار الخلافہ رہا۔ آپ نے اس علمی مرکز کو مزید مستحکم کیا اور اہل کوفہ نے استفادہ کیا، پھر ان دونوں کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں سے کوفہ کا علمی ماحول سرگرم رہا، اور یہاں فقہی مسائل کی خوب اشاعت ہوئی، کوفہ کے مجتہدین فقہاء اور

مفتیان کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ان میں سے چند اہم ناموں کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے: فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی (م 62ھ)، مفتی مسروق بن اجدع (م 63ھ)، معلم عراق عبیدہ بن عمرو سلمانیؒ (متوفی 92ھ)، فقیہ کوفہ عامر شعبیؒ (متوفی 95ھ)، حماد بن ابو سلیمان (م 120ھ)، عبد الرحمن بن ابو لیلی (م 83ھ)، سعید بن جبیر (م 95ھ)، عمرو بن شرحبیل (م 104ھ)، ابراہیم بن یزید نخعیؒ (م 95ھ)، قاضیٔ کوفہ شریح بن حارث کندیؒ (م 78ھ) اور اسود بن یزید نخعیؒ (م 95ھ)۔

4. **بصرہ:** بصرہ بہت سے صحابہ کرام کا مسکن بنا۔ جن میں مجتہدین صحابہ میں سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت انس بن مالکؓ خاص طور پر مشہور اور قابل ذکر ہیں، ان کے بعد خود ان کے اور دیگر اجلہ صحابہ کے شاگرد بصرہ کے مسند فقہ و فتاوی پر فائز ہوئے، اور بڑی گرانقدر خدمت انجام دیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں: ابو العالیہ رفیع بن مہران ریاحیؒ (متوفی 90ھ) ابو شعثاء جابر بن یزیدؒ (متوفی 93ھ) حسن بن ابی الحسن یسار مولی زید بن ثابت بصریؒ (متوفی 110ھ) محمد بن سیرینؒ (متوفی 110ھ) اور قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ (متوفی 118ھ) وغیرہ۔

5. **شام:** امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں شام فتح ہوا تھا، امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کو شام کے معلم اور مفتی کی حیثیت سے روانہ فرمایا تھا، ان کے بعد خود ان حضرات صحابہ کے شاگرد، نیز حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کے بے شمار شاگرد شام کے منصب فقہ و افتاء پر فائز ہوئے، جن میں سے چند اہم نام یہ ہیں: عبد الرحمن بن غنم اشعریؒ (متوفی 78ھ)، ابو ادریس خولانیؒ (متوفی 80ھ)، عمر بن عبد العزیزؒ (متوفی 101ھ)۔

6. **مصر:** مصر بڑا قدیم ملک ہے، اس کی تہذیب پرانی ہے، اپنے علم و فن میں پہلے سے مشہور ہے، حضرت عمرو بن عاصؓ کی قیادت میں مصر فتح ہوا تھا، اس وقت حضرت عمر فاروقؓ کا دور خلافت تھا، مصر فتح ہونے کے بعد حضرت عمرو بن عاصؓ وہیں سکونت پذیر ہو گئے، آپ کے صاحبزادہ حضرت عبد اللہ (متوفی 65ھ) جو خود بھی صحابی رسول ہیں وہاں کے مفتی بنے، ان کے بعد وہاں کے تابعین میں سے مفتی مصر ابو الخیر مرثد بن عبد اللہ یزنیؒ (متوفی 90ھ) اور دوسرے مفتی مصر یزید بن حبیب مولی ازدؒ زیادہ مشہور ہوئے۔

7. **یمن:** یمن عہد رسالت میں ہی اسلامی ملک بن چکا تھا، رسول اللہؐ نے خود وہاں حضرت علیؓ کو کچھ عرصہ کے لئے بھیجا تھا، پھر حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو وہاں کا امیر و معلم اور قاضی و گورنر بنا کر روانہ کیا۔ رسول ﷺ نے یمن کا قاضی مقرر کرتے وقت حضرت معاذ بن جبلؓ کو اجتہاد کی اجازت دی تھی۔ اس طرح یمن کو فقہ و افتاء کے اہم اور مشہور مراکز میں ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ تابعین میں طاؤس بن کیسانؒ (متوفی 106ھ) جو کہ فقیہ یمن سے معروف ہوئے وہب بن منبہؒ صنعانی (متوفی 114ھ) جو کہ یمن کے عالم و قاضی سے مشہور ہوئے، اور یحی بن ابی کثیرؒ مولی طئی (متوفی 129ھ) قابل ذکر ہیں۔

1.7 تدوینِ فقہ اور ائمہ اربعہ کا دور (دوسری صدی سے چوتھی صدی ہجری)

یہ فقہ اسلامی کا سنہری دور کہلاتا ہے، اس دور میں فقہ کو باقاعدہ ایک علم کے طور پر مدون کیا گیا اور اصولِ فقہ وضع کیے گئے۔

- اسی دور میں کئی فقہی مذاہب (Schools of Thought) پروان چڑھے، جن میں سے چار اہل سنت کے ہاں سب سے زیادہ مشہور اور رائج ہوئے:
- فقہ حنفی: امام ابو حنیفہ (70-150ھ) نے اسے مرتب کیا، جس میں قیاس اور استحسان کو اہمیت حاصل ہے۔
- فقہ مالکی: امام مالک (93-179ھ) نے اہل مدینہ کے تعامل کو بنیاد بنایا۔
- فقہ شافعی: امام شافعی (150-204ھ) نے اصولِ فقہ کی پہلی کتاب "الرسالہ" لکھ کر قانون سازی کے قواعد طے کیے۔
- فقہ حنبلی: امام احمد بن حنبل (164-241ھ) نے احادیث اور آثارِ صحابہ پر زیادہ زور دیا۔

ان کے علاوہ فقہ جعفریہ، زیدیہ وغیرہ کی تشکیل و ترویج بھی ہوئی اسی پر اہل تشیع عمل پیرا ہی ہیں، اسی دور میں ہوئی۔ ان مسالک کی تشکیل اور اس کی خصوصیات اور ان سے وابستہ فقہا اور تصنیفات کا مطالعہ آپ آگے کی اکائیوں میں کریں گے۔

1.8 دورِ وسطی: تقلید یا جمود کا دور

دورِ وسطی کا آغاز چوتھی صدی ہجری کے اختتام کے بعد پانچویں صدی مطابق تیرہویں صدی عیسوی سے ہوتا ہے، اور ختم (1009ھ) مطابق (1869ء) پر ہوتا ہے۔ اس دور میں نئے سرے سے اجتہاد (اجتہادِ مطلق) کا دروازہ بند سمجھا جانے لگا۔ علماء نے اپنی تمام تر توجہ اپنے اپنے منتخب کردہ فقہی مذاہب کے اصولوں کی تشریح، فتاویٰ کی ترتیب، اور دلائل کو جمع کرنے پر مرکوز کی فقہی کتابوں میں حاشیے اور شرحیں لکھنے کا رواج عام ہوا۔ اس دور کو جمود کا دور بھی کہا جاتا ہے۔ تاہم دورِ وسطی میں بہت سے مجتہدین و فقہاء نے شہرت حاصل کی ان میں سے چند نمایاں فقہاء کا نام ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

قاضی عبدالوہاب بن نصر بغدادیؒ مالکی (متوفی 422ھ)، ابوالحسن احمد بن محمد قدوری بغدادی حنفیؒ (متوفی 427ھ)، شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد حلوانی بخاری حنفیؒ (متوفی 448ھ)، ابوالحسن علی بن محمد ماوردی شافعیؒ (متوفی 450ھ)، ابو عبداللہ محمد بن علی دامغانیؒ (متوفی 478ھ)، شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسیؒ (متوفی 483ھ)، علی بن محمد بزدویؒ (متوفی 482ھ)، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک بن عبداللہ جوینی شافعیؒ (متوفی 487ھ)، حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالیؒ شافعی (متوفی 505ھ)، ابوالولید محمد بن محمد بن رشد قرطبی مالکیؒ (متوفی 525ھ) وغیرہ۔

1.9 دورِ جدید میں فقہ اسلامی

فقہ اسلامی کا جدید دور خلافت عثمانیہ کے اواخر (خاص طور پر 'مجلۃ الاحکام العدلیہ' کی تدوین 1876ء) سے لے کر دورِ حاضر

تک محیط ہے۔ خلافت عثمانیہ کے دور میں "مجلة الاحکام العدلیه" کی ترتیب جب عمل میں آئی تو فقہ اسلامی کی خدمت کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا، اور ایک نئی بیداری آئی، سلطنت عثمانیہ ترکی نے وزیر انصاف کی صدارت میں اکابر فقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور انہیں حکم ہوا کہ فقہ حنفی کے مطابق دفعہ وار مجموعہ قوانین اسلام مرتب کریں، چنانچہ یہ کام 1285ھ مطابق 1869ء شروع ہوا اور 1293ھ مطابق 1876ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا اور یہ "مجلة الاحکام العدلیه" کے نام سے موسوم ہوا۔

جدید دور فقہ کے ارتقاء میں نہایت اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ وقت کے بدلتے تقاضوں نے جدید ریاستی نظام، بین الاقوامی تجارت، بینکنگ، اور میڈیکل سائنس کی ترقی کی وجہ سے ایسے ہزاروں نئے مسائل پیدا کیے جن کا حل پرانی کتابوں میں براہِ راست موجود نہیں تھا، لہذا علماء فقہ نے اس میدان میں نئے معرکہ سر کیے اور جدید فقہی مسائل کے لیے حل پیش کیے۔

اس دور کی ایک اور منفرد خصوصیت 'انفرادی اجتہاد' کی بجائے "اجتماعی اجتہاد" (Collective Ijtihad) کو فروغ ملا۔ دنیا بھر میں 'فقہ اکیڈمیز' (جیسے مجمع الفقه الاسلامی) قائم ہوئیں جہاں ماہرینِ شریعت اور جدید علوم کے ماہرین مل کر دورِ حاضر کے پیچیدہ مسائل (جیسے اعضاء کی پیوند کاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی، اسلامک بینکنگ) کا شرعی حل نکالتے ہیں۔ ریاستی سطح پر اسلامی قوانین کی دفعات (Codification) کی شکل میں تدوین بھی اسی دور کا اہم کارنامہ ہے۔

اس دور کے تمام فقہاء کا احاطہ مشکل ہے، ان میں سے بعض نمایاں شخصیات عالمی اور ملکی سطح پر یہ ہیں۔

مفتی محمد شفیع عثمانیؒ: آپ نے جدید معاشی مسائل پر گراں قدر کام کیا۔ تصنیف: فتاویٰ عثمانی اور آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ: آپ کی فقہی بصیرت نے لاکھوں لوگوں کی رہنمائی کی۔ تصنیف: امداد الفتاویٰ (کئی جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم علمی ذخیرہ)۔

مولانا احمد رضا خاں: آپ نے فقہ حنفی کی ترویج اور دفاع میں غیر معمولی کام کیا۔ اہم تصنیف: العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ (المعروف فتاویٰ رضویہ)۔ یہ 30 جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم علمی انسائیکلوپیڈیا ہے۔

مفتی تقی عثمانی: موجودہ دور میں اسلامی بینکاری (Islamic Banking) کے سب سے بڑے نام سمجھے جاتے ہیں۔ تصنیف: جدید فقہی مسائل اور اسلامی بینکاری کی بنیادیں۔

شیخ وہبہ الزحیلیؒ (شام): آپ عصرِ حاضر کے امامِ فقہ مانے جاتے ہیں۔ تصنیف: الفقہ الاسلامی وادلتہ (یہ 11 جلدوں پر مشتمل جدید دور کی سب سے جامع کتاب ہے جس میں تمام مذاہبِ اربعہ کے دلائل اور جدید مسائل کو جمع کیا گیا ہے)۔

ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ (قطر / مصر): آپ نے فقہ کو جدید زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔ تصنیف: الحلال والحرام فی الاسلام اور فقه الزکاة۔

شیخ ابن بازؒ اور شیخ ابن عثیمینؒ (سعودی عرب): آپ حضرات نے روایتی فقہ اور جدید فتاویٰ میں اہم خدمات سرانجام دیں۔

دور جدید کے بدلتے حالات میں پیدا ہونے والے مسائل فقہ اور قرآن وصرت کے نصوص کی روشنی میں فقہی مراکز کے بارے میں اہم تفصیلات آپ آگے کی اکائیوں میں پڑھیں گے۔

1.10 فرہنگ

اجماع: معنی "پختہ ارادہ کرنے" یا "اتفاق کرنے" کے ہیں، اصطلاحی طور پر "نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کسی بھی دور میں امتِ مسلمہ کے تمام مجتہدین کا کسی شرعی معاملے پر متفق ہو جانا اجماع کہلاتا ہے۔

قیاس: منطقی استدلال (Systematic Reasoning)، جب کسی نئے مسئلے کا واضح حکم قرآن، حدیث یا اجماع میں نہ ملے، تو اس نئے مسئلے کو کسی پرانے مسئلے (جس کا حکم معلوم ہو) پر پرکھ کر حکم لگانا قیاس کہلاتا ہے۔

مستنبط: لغت میں "نبط" اس پہلے پانی کو کہتے ہیں جو کنواں کھودتے وقت زمین کی گہرائی سے نکلتا ہے۔ فقہ میں "مستنبط احکامات" سے مراد وہ مسائل یا قوانین ہیں جو براہِ راست قرآن و سنت کے الفاظ میں تو موجود نہیں ہوتے، لیکن ایک فقیہ یا مجتہد اپنی ذہانت اور غور و فکر (استنباط) کے ذریعے انہیں نصوص (قرآن وحدیث) سے اخذ کرتا ہے۔

نصوص: ظاہر کرنا، واضح کرنا یا بلند کرنا، فقہ کی اصطلاح میں "نصوص" سے مراد شریعت کے وہ دو بنیادی مآخذ ہیں جو وحی پر مبنی ہیں یعنی قرآن و سنت۔

1.11 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- لغوی اعتبار سے "فقہ" کا معنی کسی چیز کا اچھی طرح جاننا اور سمجھنا ہے، اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ ابتدا میں فقہ کا اطلاق مکمل دین پر ہوتا تھا جس میں عقائد، عبادات، اخلاقی احکام اور معاملات سب شامل تھے، بعد میں یہ لفظ فقہی احکام کے ساتھ محدود ہو گیا، اس لحاظ سے فقہ کی تعریف اس طرح ہو گی: فقہ ایسا علم ہے جس میں ان شرعی احکام سے بحث ہوتی ہے جن کا تعلق عمل سے ہے۔
- فقہ اسلامی ہر مسلمان کے لئے اس کی زندگی کا ایک لازمی جزو ہے، اس کے بغیر وہ کامیاب زندگی نہیں گذار سکتا؛ کیوں کہ وہ بحیثیت مسلمان اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایات وتعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کا مکلف ہے، اور فقہ اسلامی انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ اور میدان میں رہنمائی کرتی ہے، زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جس سے متعلق فقہ سے رہنمائی نہ ملتی ہو۔
- فقہ اسلامی کا آغاز عہد رسالت میں ہوتا ہے، یہی دور آنے والے تمام ادوار کی اساس وبنیاد ہے، نقطۂ آغاز وحی الٰہی سے ہوتا ہے اور آپ کی وفات تک پوری شریعت مکمل ہو جاتی ہے۔

- آپ ؐ کی وفات کے بعد پیش آنے والے نئے مسائل کے بارے میں بعض صحابہ کرام فتوی دیا کرتے تھے، فتوی دینے والے صحابہ دوطرح کے تھے، ایک ظاہر لفظ پر اکتفا کرتے تھے، دوسرے ظاہر لفظ کے ساتھ ساتھ درایت سے بھی کام لیتے تھے، مقاصد شریعت اور مصالح کی بنیاد پر بھی فتوی دیتے تھے۔
- عہد خلفائے راشدین میں سات بڑے شہروں مکہ، مدینہ، یمن، کوفہ، بصرہ، مصر، شام میں فقہی مراکز قائم ہو چکے تھے۔ آگے چل کر انہیں مراکز کے فقہا کے ذریعہ فقہی مسالک کی تشکیل ہوئی جن میں فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، جعفری کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

1.12 نمونہ امتحانی سوالات

1.12.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ کے لغوی معنی بتائیں:

(a). جاننا/ سمجھنا (b). بات چیت (c). کھولنا (d). تمام غلط

2. فقہ اسلامی کی ابتدا.....کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

(a). میلاد نبی ﷺ (b). نزول وحی (c). ہجرت مدینہ (d). خلافت راشدہ

3. دور صحابہ کا دوسرا حصہ کس کے بعد شروع ہوتا ہے؟

(a). شہادت امام حسینؓ (b). شہادت حضرت عثمانؓ (c). شہادت امام علیؓ (d). وفات نبی ﷺ

4. عہدِ نبوی ﷺ میں اسلامی قانون کا سب سے پہلا اور بنیادی ماخذ کیا تھا؟

(a). قرآن مجید (b). سنت (c). قیاس (d). اجماع

5. کوفہ میں حضرت عمرؓ نے کس کو معلم بنا کر بھجا تھا؟

(a). حضرت علیؓ (b). امام عبداللہ بن مسعودؓ (c). امام ابو موسی اشعریؓ (d). حضرت معاذ بن جبلؓ

6. نبی کریم ﷺ نے کس صحابی کو یمن کا قاضی مقرر کرتے وقت اجتہاد کی اجازت دی تھی؟

(a). حضرت عمرؓ (b). حضرت معاذ بن جبلؓ (c). حضرت ابو عبیدہؓ (d). حضرت عمرو بن العاصؓ

7. علماء نے صحابہ سے منقول فتاوی کی تعداد کے لحاظ سے صحابہ کی کتنی قسمیں کی ہیں۔

(a). تین (b). پانچ (c). آٹھ (d). ایک

8. حضرت عمرؓ نے کس کو کوفہ کا معلم اور وزیر بنا کر بھیجا۔

(a). امام ابو حنیفہؒ (b). حضرت ابو بکرؓ (c). حضرت زید بن ثابتؓ (d). حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

9. کوفہ کس کے عہد میں دارالخلافہ بنا؟

(a). عہد عثمانی (b). عہد صدیقی (c). عہد فاروقی (d). عہد علوی

10. عہدِ نبوی ﷺ میں فقہ کی نمایاں خصوصیت کیا تھی؟

(a). احکامات کا بتدریج (Gradual) نافذ ہونا (b). پیچیدہ قانونی بحثیں (c). ضخیم کتابوں کی تدوین (d). تمام غلط

1.12.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ کی لغوی واصطلاحی تعریف پر نوٹ تحریر کیجیے۔
2. خلافت راشدہ کے عہد میں فقہ کا تذکرہ کیجیے۔
3. تشریع احکام کے بنیادی اصول کو بیان کیجیے۔
4. دور وسطی کو تقلید کا دور کیوں کہا جاتا ہے؟
5. دور جدید میں فقی کی خصوصیات پر ایک نوٹ تحریر کریں۔

1.12.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ کی ضرورت واہمیت پر مضمون لکھیے۔
2. فقہ کے آغاز وارتقا پر تفصیلی مضمون قلمبند کیجیے۔
3. عہد نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں فقہ کی حیثیت کے موضوع پر تبصرہ کیجیے۔

1.13 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تدوین وتعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
4. برصغیر میں علم فقہ : محمد اسحاق بھٹی
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند (مقدمہ) : مرتب: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. C	4.A	5. B
6. B	7. A	8. D	9. D	10. A

اکائی 2: فقہ کے بنیادی مصادر کا اجمالی تعارف

اکائی کے اجزا:

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر کا تعارف

2.3 کتاب اللہ

2.4 سنت

2.5 اجماع

2.6 قیاس

2.7 اکتسابی نتائج

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

2.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

2.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

2.0 تمہید

اس اکائی میں فقہ کے بنیادی مصادر: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس کا تعارف پیش کیا جائے گا، ان چاروں مصادر کی لغوی و اصطلاحی تعریفیں کی جائیں گی، اور مختلف دلائل سے ثابت کیا جائے گا کہ وہ فقہ کے بنیادی مصادر کیسے ہیں، ان کی مثالیں بھی ذکر کی جائیں گی، نیز پھر قرآن و حدیث سے مسائل کے استنباط کے مناہج اور طریقے بیان کیے جائیں گے۔

2.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- یہ جان سکیں کہ فقہ، قرآن وحدیث سے ماخوذ احکام ومسائل کا نام ہے۔
- اجماع اور قیاس کی تعریف نیز اجماع اور قیاس کے شرائط پر گفتگو کر سکیں۔
- ان مصادر سے مسائل کے استنباط کے طریقہ کار کو سمجھیں۔

2.2 فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر کا تعارف

فقہ اسلامی کے چار بنیادی مصادر ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ ان چاروں مصادر میں سے اولین مصدر کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہے۔ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے۔

2.3 کتاب اللہ

کتاب اللہ سے مراد وہ کتاب ہے، جو عربی زبان میں حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی ہے، اس کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ کی جانب سے نازل ہوئے ہیں، وہ تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے، جو سورہ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے اور سورہ ناس پر ختم ہوتی ہے۔

اس تعریف سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

1۔ پچھلے انبیاء کی کتابیں قرآن نہیں کہلائیں گی، کیونکہ وہ حضرت محمد ﷺ پر نازل نہیں ہوئی ہیں، نہ وہ عربی زبان میں ہیں اور نہ ہم تک تواتر کے ساتھ پہنچی ہیں۔

2۔ حدیث بھی کتاب اللہ میں داخل نہیں ہوگی، اس لئے کہ حدیث میں الفاظ رسول اللہ ﷺ کے ہوتے ہیں اور معانی اللہ کی جانب سے۔

3۔ قرآن کریم کے ترجمہ کو بھی قرآن نہیں کہیں گے، اس لئے کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں ہے۔

قرآن کریم کے مضامین:

قرآن کریم میں جو مضامین مذکور ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے ان مضامین کو پانچ عناوین کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

1۔ تذکیر باحکام اللہ: یعنی اللہ تعالی کے احکام کو یاد دلانا۔

اس کے تحت عبادات، معاملات، معاشرت اور سیاست سے متعلق قرآن کے احکام آتے ہیں۔

2۔ مخاصمہ: اس سے مراد بین المذاہب مکالمہ اور ڈائیلاگ ہے،یعنی دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ مکالمہ اورڈائیلاگ کا منہج اور طریقہ کار کیا ہو۔

3۔ تذکیر بآلاء اللہ:یعنی بندوں پر اللہ تعالی کے جو انعامات اور احسانات ہیں، ان کی یاددہانی۔

4۔ تذکیر بایام اللہ:یعنی ماضی میں جو حوادث وواقعات ہوئے ہیں اور مختلف قوموں کے ساتھ جو نشیب وفراز آئے ہیں ان کے قصص وحکایات کے ذریعہ تذکیر۔

5۔ تذکیر بالموت ومابعد الموت:یعنی موت اور موت کے بعد کے واقعات کے ذریعہ تذکیر اور یاددہانی۔

قرآن کریم کے مضامین کا خلاصہ کے ذکر کے بعد اب ہم قرآن کریم میں جو احکام سے متعلق آیتیں ہیں ان سے متعلق ضروری تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

آیات احکام کا تعارف :

احکام "حکم" کی جمع ہے، حکم کے معنی لغت میں علم وفہم اور فیصلہ کرنے کے آتے ہیں۔

شریعت کی اصطلاح میں حکم وہ ہے جس سے انسان کے اعمال کا وہ وصف متعین ہو، جس کو شریعت نے بیان کیا ہے۔ مثلاً کسی عمل کو واجب وفرض یا حرام ومکروہ قرار دینا۔

آیات احکام اوران کے اقسام:

قرآن میں جو احکام کی آیات ہیں بنیادی طور پر انہیں چار قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ عبادات:یعنی وہ آیات احکام جن میں صرف اللہ تعالی کے حقوق بیان کئے گئے ہیں، ان کو مختصر الفاظ میں عبادات کہا جاسکتا ہے، اس میں طہارت، نماز، زکاۃ، روزہ، قربانی حج اور نذر کے احکام داخل ہیں، ان چیزوں سے متعلق بنیادی ہدایات قرآن میں موجود ہیں۔

2۔ معاملات:یعنی قرآن کریم کی وہ آیات جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہیں، ان کو ہم معاملات سے تعبیر کرسکتے ہیں، مثلاً تجارت، وغیرہ سے متعلق احکام۔

3۔ وہ احکام، جن میں عبادت کا پہلو بھی ہے اور معاملات کا بھی مثلا نکاح وطلاق، حدود وتعزیرات، قصاص وغیرہ سے متعلق احکام کی آیات۔

4۔ تدبیر مدن:وہ احکام جو حکومتوں کے نظم ونسق سے متعلق ہیں۔

آیات احکام کی تعداد:

قرآن کریم میں آیات احکام کی تعداد کتنی ہے، اس سلسلہ میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے:

1۔ علامہ ابن القیم کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔

2۔ نواب صدیق حسن خاں کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔

3۔ امام غزالی اور امام رازی کی رائے یہ ہے کہ آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے۔

علامہ زرکشی لکھتے ہیں: آیات احکام کی تعداد پانچ سو ہے، امام غزالی اور امام رازی کی رائے بھی یہی ہے۔

4۔ علامہ ابن العربی، عزبن عبد السلام اور امام شوکانی وغیرہم کا خیال یہ ہے کہ اگر آیات کا صحیح سے تتبع کیا جائے تو احکام کی آیتیں پانچ سو سے بہت زیادہ ہوں گی۔

شیخ عبد الوہاب خلاف نے عبادات کے علاوہ دیگر شعبہائے زندگی سے متعلق آیات احکام کی تعداد اس طرح لکھی ہے:

احوال شخصیہ یعنی فیملی لاز سے متعلق ستر آیات ہیں۔

قانون شہریت سے متعلق ستر آیات ہیں۔

احکام جرم وسزا، جیسے فوجداری قانون سے متعلق تیس آیات ہیں۔

عدالتی نظام یعنی قانون مرافعات سے متعلق تیرہ آیات ہیں۔

دستوری قوانین یعنی حکومت اور رعایا سے متعلق دس آیات ہیں۔

اقتصادی قوانین یعنی مالی احکام سے متعلق دس آیات ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات سے متعلق پچیس آیات ہیں۔

2.4 سنت

فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی مصدر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

سنت کا لغوی مفہوم: لغت میں سنت کے معنی طریقہ، ضابطہ اور عادت وغیرہ کے ہیں۔

فقہ میں "سنت" کا اطلاق اس حکم پر ہوتا ہے، جو فرض یا واجب کے مقابلہ میں ہو۔

محدثین کے نزدیک سنت سے مراد حضور ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریر ہیں۔

نبی ﷺ کی سنت اسلامی احکام کے ثبوت کے لئے دوسرا مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس پر تمام علما کا اتفاق ہے۔

سنت کی حجیت

سنت کے بنیادی مصدر رہونے کے دلائل:

سنت کے بنیادی مصدر رہونے کا اثبات قرآن کریم کی ان آیات سے ہوتا ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کو لازم قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً:

1۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (نساء:80)(جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی)۔ اس آیت میں رسول کی اطاعت کو اللہ تعالی نے اپنی عین اطاعت قرار دیا ہے۔

2۔أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ (نساء:59)(اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے علما و حکام کی اطاعت کرو)۔ اس آیت میں اللہ تعالی نے مستقل طور پر رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔

دوسرے دلائل وہ آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ در حقیقت اللہ کی جانب سے القا ہوتا تھا، مثلا اللہ تعالی فرماتے ہیں: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَى (نجم:3.4)(نہ اپنی نفسانی خواہش سے کوئی بات کرتے ہیں، یہ تو وحی ہے، جو ان پر اتاری جاتی ہے)

3۔وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (حشر:7)(اور رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں اسے لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اس سے رک جایا کرو)

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو اپنے پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ''(مائدہ:67)(اے پیغمبر! آپ کے رب کی طرف سے جو کتاب آپ پر اتاری گئی ہے، اسے پہنچاتے رہئے، اگر آپ نے یہ نہیں کیا تو آپ نے پیغمبری کا حق ادا نہیں کیا)۔

مذکورہ بالا آیات سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ نے جو کچھ لوگوں تک پہنچایا خواہ وہ قرآن کی شکل میں ہو یا سنت کی شکل میں وہ سب اللہ کی جانب سے ہیں۔

اور ان تمام آیتوں کا خلاصہ اور لب لباب یہی ہے کہ سنت رسول اللہ کی اتباع اور اس کی اطاعت و فرماں برداری واجب ہے۔

سنت کے اقسام:

سند کے لحاظ سے سنت کی تین قسمیں ہیں: 1۔ متواتر 2۔ مشہور 3۔ خبر آحاد

متواتر: متواتر کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے لے کر کتاب میں لکھے جانے تک ہر زمانے میں روایت کرنے والوں کی تعداد

اتنی زیادہ ہو کہ ان لوگوں کا اس روایت کے سلسلہ میں جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃً ممکن نہ ہو۔

تواتر کی دو قسمیں ہیں: 1۔تواتر لفظی 2۔تواتر معنوی

تواتر لفظی یہ کہ متن حدیث کو ہر زمانے میں اتنے لوگ روایت کریں، جن کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃ ممکن نہ ہو، جیسے حضور ﷺ کا ارشاد ہے: من كذب على متعمدا فليتبوأمقعده من النار بعض اہل علم کی رائے ہے کہ یہ حدیث متواتر لفظی ہے، اس حدیث کو 98 صحابہ نے نقل کیا ہے۔

تواتر معنوی یہ ہے کہ الفاظ کے اختلاف کے ساتھ حدیث کے کسی مضمون کو ہر زمانے میں اتنے لوگ روایت کریں کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا عادۃً ممکن نہ ہو، جیسے، نماز کی رکعتوں کی تعداد، نصاب زکوۃ، حضرت محمد ﷺ پر نبوت کا ختم ہو جانا، وغیرہ۔

متواتر حدیثوں کا ثبوت قطعی اور یقینی ہوتا ہے، اس سے علم یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے اور متواتر حدیثوں کا انکار کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ الا یہ کہ کوئی مناسب تاویل کرنے والا ہو۔

مشہور: وہ حدیث ہے، جس کو حضور ﷺ سے ایک یا دو صحابی نے روایت کی ہو، یا کسی صحابی سے ایک یا دو شخص نے روایت کی ہو، لیکن اس کے بعد اس حدیث کو اتنے لوگ روایت کریں، کہ ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا ممکن نہ ہو۔ مثلاانما الاعمال بالنيات (اعمال کا دوار و مدار نیت پر ہے) اس حدیث کو حضور ﷺ سے صرف حضرت عمرؓ نے نقل کیا ہے اور حضرت عمرؓ سے صرف حضرت علقمہؒ نے نقل کیا ہے، لیکن حضرت علقمہؒ سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے۔

حدیث مشہور کا حکم: مشہور حدیث سے علم طمانینت کا حصول ہوتا ہے، یعنی اس حدیث کے صحیح ہونے پر دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور حدیث مشہور سے قران کریم کے عمومی حکم کو خاص کیا جا سکتا ہے، اسی طرح مطلق حکم میں کوئی قید لگائی جا سکتی ہے۔ مثال کے طور پر قرآن کریم نے وصیت کے مسئلہ میں ایک مطلق حکم ذکر کیا ہے، من بعد وصية يوصى بها او دين (اس نے جو وصیت کی ہو، اس کو پورا کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد) اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدمی جتنے مال میں چاہے وصیت کر سکتا ہے، لیکن حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "فالثلث والثلث كثير" (ایک تہائی اور ایک تہائی زیادہ ہے) اس حدیث میں حضور ﷺ نے وصیت کے زیادہ سے زیادہ مقدار کو ایک تہائی (ثلث) کے ساتھ مقید کر دیا ہے، لہذا قرآن کریم کے مذکورہ مطلق حکم کو اس حدیث سے مقید کر دیا گیا ہے، اور زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کی وصیت کی اجازت ہو گی۔

خبر واحد: خبر واحد ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کو ہر دور میں اتنے لوگوں نے روایت نہ کیا ہو جن کا عادتاً جھوٹ پر اتفاق کر لینا ناممکن ہو۔ (دوسرے الفاظ میں: اس حدیث میں حدیث مشہور کے شرائط نہ پائی جائیں)۔

اکثر حدیثیں خبر واحد ہی ہیں۔

خبر واحد کی مثال: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لو لا أن أشق على أمتى لأمرتهم بالسواك"۔ (اگر میری

امت پر دشوار نہ ہوتا تو میں ان کو مسواک کا حکم دیتا)۔

خبر واحد کا حکم: خبر واحد سے علم ظنی حاصل ہوتا ہے، علم قطعی حاصل نہیں ہوتا ہے۔

خبر واحد پر عمل کرنا واجب ہے، یعنی اگر وہ حدیث کسی مسئلہ کے وجوب سے متعلق ہو تو اس پر عمل کرنا واجب ہو گا اور اگر وہ خبر واحد کسی عمل کے استحباب سے متعلق ہو تو اس پر عمل کرنا مستحب ہو گا۔

البتہ خبر واحد سے عقیدے کے مسئلے ثابت نہیں ہوں گے، اس لئے کہ اعتقادی مسائل کے ثبوت کے لئے علم قطعی ویقینی کی ضرورت ہے۔

2.5 اجماع

فقہ اسلامی کا تیسرا بنیادی مصدر اجماع ہے۔

اجماع کا لغوی مفہوم: اجماع کا معنی لغت میں اتفاق کے ہیں۔

اجماع کا اصطلاحی مفہوم: شریعت کی اصطلاح میں اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی زمانے میں مسلم مجتہدین کا کسی حکم شرعی سے متعلق اتفاق کر لینا "اجماع" کہلاتا ہے۔

اس تعریف سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں :

1 -رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اجماع نہیں ہو سکتا۔

2 -عام مسلمانوں کا کسی مسئلہ پر اتفاق کر لینا اجماع نہیں کہلائے گا۔

3 -کسی مسئلہ پر مجتہدین کی اکثریت اتفاق کر لے تو اس کو بھی اجماع نہیں کہا جائے گا۔

اجماع کے حجت ہونے کے دلائل:

اللہ تعالیٰ ارشاد ہے :**وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا**-اور جو اپنے آپ پر ہدایت واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راستہ کے بجائے دوسرے راستہ کی پیروی کرے، تو ہم اس کو جو کر رہا ہے کرنے دیں گے اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سبیل مومنین (مومنین کے راستہ) کے علاوہ کسی اور راستہ کے اختیار کرنے پر وعید سنائی ہے، معلوم ہوا کہ سبیل مومنین کی اتباع واجب اور ضروری ہے اور یہی اجماع ہے۔

نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں بشارت دی ہے کہ امت محمدیہ ضلالت اور گمراہی پر متفق نہیں ہو سکتی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"امتی لاتجتمع علی ضلالۃ۔(میری امت ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتی ہے)

نیز آپ نے ارشاد فرمایا: يد الله على الجماعة۔(اللہ کی مدد اور نصرت جماعت کے ساتھ ہے)۔

معلوم ہوا کہ جس مسئلہ پر مجتہدین کا اتفاق ہو جائے اللہ کی نصرت اس کے ساتھ ہے۔

4 -حضرت عبداللہ بن مسعود کا ارشاد ہے:ما رآه المسلمون حسنا فهو عند الله حسن(جس کو مسلمان بہتر سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بہتر ہے)۔

اجماع کے اقسام:اجماع کی دو قسمیں ہیں: 1- اجماع قولی 2- اجماع سکوتی

اجماع قولی کا مفہوم: اجماع قولی کو اجماع صریح بھی کہتے ہیں۔ اجماع قولی یہ ہے کہ امت کے تمام مجتہدین کسی رائے کے قبول کرنے پر اتفاق کا اظہار کریں۔

تمام فقہاء اجماع قولی کے حجت ہونے پر متفق ہیں اور تمام فقہاء نے اجماع قولی کو حجت قطعیہ قرار دیا ہے۔ جیسے صحابہ کا اجماع ہے کہ دادی کو میراث میں چھٹا حصہ ملے گا۔

اجماع سکوتی کا مفہوم: اجماع سکوتی یہ ہے کہ کوئی مجتہد کسی رائے کا اظہار کرے اور یہ رائے معروف ہو، لیکن اس پر کوئی نکیر مجتہد نہ کرے اور سکوت اختیار کریں۔

اجماع سکوتی کے حجت ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تین اقوال ہیں:

1 -اجماع سکوتی امام شافعی کے نزدیک حجت نہیں ہے۔

2 -دوسری رائے یہ ہے کہ اجماع سکوتی بھی اجماع ہے، لیکن اس کا مرتبہ اجماع صریح سے کم ہے۔

3 -تیسری رائے یہ ہے کہ اجماع سکوتی حجت ہے، لیکن اس کو اجماع نہیں کہیں گے۔

اجماع سکوتی کی مثال: حضرت عمرؓ نے ایک حاملہ کو زنا کی حد میں جلد یعنی کوڑا کی سزا جاری کرنا چاہی، حضرت معاذؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ پر نکیر کی اور فرمایا:

ان یک لک السبیل علیها فلک السبیل علی ما فی بطنها۔

اس عورت کو سزا دینے کا حق ہے لیکن اس کے حمل کو سزا دینے کا کیا حق ہے؟

حضرت معاذؓ کے اس قول پر دوسرے صحابہ نے خاموشی اختیار کی، گویا حضرت معاذؓ کے قول کی تائید کی۔

اجماع سکوتی کے معتبر ہونے کے شرائط :

1 -اس مجتہد کی رائے اس زمانے کے دیگر مجتہدین تک پہنچ چکی ہو۔

2 -اس مجتہد کی رائے کے اظہار کے بعد اتنا زمانہ گزر چکا ہو جس میں دیگر مجتہدین اس رائے پر غور وخوض کر سکیں۔

3 -وہ مسئلہ اجتہادی ہو، یعنی اس مسئلہ میں کوئی نص قطعی موجود نہ ہو، اگر اس مسئلہ میں کوئی نص (قرآن وحدیث) موجود ہو اور اس کے خلاف کوئی مجتہد اپنی رائے کا اظہار کرے اور دوسرے مجتہدین خاموش رہیں تو ان کی خاموشی تائید نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ دیگر مجتہدین نے اس رائے کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔

کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟

ایسے مجتہدین کا اجماع معتبر ہے جو فقہی مسائل اور ان کے دلائل سے مکمل واقفیت رکھتے ہوں، احکام کو مستنبط کرنے کے مناہج سے واقف ہوں۔

اجماع کے مصادر:

اجماع کسی نہ کسی شرعی دلیل پر منعقد ہوتا ہے مثلاً:

1-اجماع کا پہلا مصدر قرآن کریم ہے۔ 2 -اجماع کا دوسرا مصدر سنت ہے۔

3 -قیاس 4 -مصلحت

قیاس اور مصلحت کے اجماع کی بنیاد ہونے کے سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

ایک رائے یہ ہے کہ قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس لئے کہ قیاس کی وجہیں اور علتیں مختلف ہوسکتی ہیں، اور فقہاء کی رائیں بھی مختلف ہوسکتی ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اس لئے کہ قیاس شرعی دلیل ہے، اور اس کی بنیاد نصوص پر ہی ہوتی ہے، لہٰذا قیاس پر اجماع کا مطلب نص پر ہی اجماع ہے۔

تیسری رائے یہ ہے کہ اگر قیاس کی علت منصوص ہو یا علت بالکل واضح ہو تو قیاس اور مصلحت اجماع کی بنیاد بن سکتی ہے اور اگر ان کی بنیاد نصوص پر نہ ہو یا علت واضح اور ظاہر نہ ہو، بلکہ علت خفی ہو تو پھر یہ اجماع کے لئے دلیل وحجت نہیں بنیں گی۔

قرآن کے اجماع کی بنیاد اور مصدر ہونے کی مثال یہ ہے کہ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے ان میں ایک ماں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (نساء:23)(تم پر تمہاری مائیں حرام کی گئی ہیں)۔

اس آیت کی بنیاد پر جدہ (دادی، نانی) سے نکاح کے حرام ہونے پر اجماع منعقد ہوا۔ کیونکہ امہات کی اصل "جدات" ہی ہیں۔

حدیث کے اجماع کا مصدر ہونے کی مثال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا: "لاتنكح المرأة على بنت اختها ولا تنكح المرأة على عمتها" (مصنف عبد الرزاق) (کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی زوجیت میں رہتے ہوئے نکاح نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی زوجیت میں رہتے ہوئے نکاح کیا جائے گا)۔

اس حدیث کی بنیاد پر اجماع ہے کہ کسی بھی دو محرم عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

جن فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیاس اجماع کا مصدر بن سکتا ہے وہ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حد قذف (زنا کی تہمت لگانے کی سزا) پر قیاس کرتے ہوئے حد خمر (شراب پینے کی سزا) مقرر کی۔ اور جن فقہاء نے مصلحت کو بھی اجماع کا مصدر تسلیم کیا ہے وہ اس کی مثال یہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم کے ضیاع کے اندیشہ سے صحابہ کرام نے قرآن کریم کی جمع و تدوین پر متفق ہوئے۔

2.6 قیاس

فقہ اسلامی کا چوتھا اور آخری بنیادی مصدر قیاس ہے۔

قیاس کا لغوی مفہوم: قیاس کے معنی لغت میں ناپنے اور اندازہ کرنے کے ہیں۔

قیاس کا اصطلاحی مفہوم: فقہ اسلامی کی اصطلاح میں غیر منصوص مسئلہ اور واقعہ پر علت کے مشترک ہونے کی بنا پر منصوص مسئلہ کا حکم لگانا۔

قیاس کے دلیل شرعی ہونے کے دلائل:

قیاس کے شرعی دلیل ہونے کا ثبوت قرآن کریم کی متعدد آیات و احادیث سے ہوتا ہے، مثلاً:

1 -اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: فاعتبروا یا أولی الأبصار (حشر:2) (اے آنکھیں رکھنے والو عبرت حاصل کرو)۔

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں اعتبار سے مراد قیاس ہے۔

2 -حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے فرمایا: اگر قرآن و حدیث میں کسی واقعہ سے متعلق کوئی حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟ حضرت معاذ نے فرمایا: "أجتہد رأیی" (میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا)۔

متعدد احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف مواقع پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس کیا ہے۔ مثلاً صحیح مسلم کی روایت ہے: جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، فقال یا رسول اللہ ان أمی ماتت و علیہا صوم شہر أفأقضیت عنہا، فقال: لو کان علی أمک دین أکنت قاضیہ عنہا ۔ قال: نعم قال :فدین اللہ أحق أن یقضی" (صحیح مسلم حدیث:1148)۔

(ایک شخص رسول اللہؐ کے پاس آیا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری والدہ انتقال کر گئی ہے اور ان کے ذمہ ایک مہینہ کا روزہ ہے، کیا میں ان کی جانب سے ادا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: اگر تمہاری والدہ کے ذمہ قرض ہوتا تو کیا تم ان کی جانب سے ادا کرنے والے ہوتے، اس نے عرض کیا، ہاں، تو آپؐ نے فرمایا: اللہ کا قرض ادا کئے جانے کے زیادہ مستحق ہے)۔

اس حدیث میں حضورؐ نے اللہ کے قرض کو بندے کے قرض پر قیاس کیا ہے۔

قیاس کے ارکان: قیاس کے چار ارکان ہیں: 1 -اصل 2 -فرع 3 -حکم 4 -علت

اصل: سے مراد وہ مصدر ہے جو حکم کو بیان کرتا ہے یعنی جو نصوص قرآن و حدیث میں مذکور ہو، یا اجماع سے ثابت ہو، جیسے جائز،

حرام، فرض وغیرہ۔ اصل کو مقیس علیہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

فرع: اس واقعہ کو کہتے ہیں جس کا حکم نص میں صراحۃ مذکور نہ ہو۔ فرع کو مقیس بھی کہتے ہیں۔

حکم: وہ صفت ہے جس کا ذکر نص میں ہوتا ہے اور اس کو غیر منصوص واقعہ میں منتقل کیا جاتا ہے۔

علت: وہ خاص سبب جو اصل اور فرع دونوں میں موجود ہوتا ہے، اور اس وجہ سے وہ خاص حکم اصل سے فرع میں منتقل کیا جاتا ہے۔

2.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- فقہ اسلامی کے بنیادی مصادر چار ہیں قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس۔
- آپ نے قرآن کریم کے مضامین اور آیات احکام کے بارے میں معلومات حاصل کیں، سنت کے مفہوم اور سنت کے شرعی دلائل سے واقفیت ہوئی، اجماع اور قیاس کا مفہوم، ان کے اقسام اور شرائط وغیرہ سے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔ نیز درج ذیل باتوں سے واقف ہوئے۔
- قرآن فقہ اسلامی کا بنیادی اور پہلا مصدر ہے۔ انسان کو درپیش مسائل کے حل یا احکام کی تخریج اور استنباط سب سے پہلے قرآن کی آیتوں سے کی جاتی ہے۔
- فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی مصدر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں ''سنت'' کا اطلاق اس حکم پر ہوتا ہے، جو فرض یا واجب کے مقابلہ میں ہو۔
- فقہ اسلامی کا تیسرا بنیادی مصدر اجماع ہے۔ شریعت کی اصطلاح میں اجماع کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کسی بھی زمانے میں مسلم مجتہدین کا کسی حکم شرعی سے متعلق اتفاق کر لینا ''اجماع'' کہلاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: اجماع قولی اور اجماع سکوتی۔
- فقہ اسلامی کا چوتھا اور آخری بنیادی مصدر قیاس ہے۔ قیاس کے چار ارکان ہیں: 1-اصل 2-فرع 3-حکم 4-علت

2.8 نمونہ امتحانی سوالات

2.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. اجماع کا وجود حضور ﷺ کے زمانے ہو چکا تھا؟

(a). ہاں (b). نہیں

2. اجماع اور قیاس میں سے اولیت کس کو حاصل ہے؟

(a). اجماع (b). قیاس (c). دونوں صحیح (d). دونوں غلط

3. قرآن کی آیتیں قطعی اللفظ ہیں؟

(a). درست جواب (b). ظنی اور قطعی دونوں ہیں (c). ظنی ہیں (d). تمام غلط

4. فقہ کا دوسرا بنیادی مصدر کیا ہے؟

(a). قرآن (b). اجماع (c). قیاس (d). سنت

5. فرع کس کا رکن ہے؟

(a). اجماع (b). سنت (c). قیاس (d). ان میں سے کوئی نہیں

6. کن لوگوں کا اجماع معتبر ہے؟

(a). عوام کا (b). محدثین کا (c). صوفیاء کا (d). فقہاء مجتہدین کا

7. اجماع کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). دو (b). تین (c). چار (d). چھ

8. سند کے لحاظ سے سنت کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). تین (b). چار (c). پانچ (d). چھ

9. کیا قیاس اجماع کی بنیاد بن سکتا ہے؟

(a). بن سکتا ہے (b). نہیں بن سکتا ہے (c). فقہاء کے مابین اختلاف ہے

10. حدیث متواتر سے کونسا علم حاصل ہوتا ہے؟

(a). علم ظنی (b). علم یقینی (c). ان میں سے کوئی نہیں

2.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. خبر واحد کا تعارف کرایئے اور مثال سے واضح کیجیے۔
2. دلالت قطعیہ اور دلالت ظنیہ کو واضح کیجیے۔
3. اجماع کے حجت ہونے کے دلائل ذکر کیجیے۔
4. قیاس کے ارکان کا تعارف کرایئے۔
5. سنت کے اقسام کو مثالوں کے ساتھ لکھیے۔

2.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. کتاب اللہ فقہ اسلامی کا بنیادی مصدر ہے، دلائل سے واضح کیجیے۔
2. سنت کے حجت ہونے پر روشنی ڈالیے۔
3. اجماع کے تعارف پر ایک مضمون لکھیے۔

2.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی تدوین وتعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. آسان اصول فقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فن اصول فقہ کی تاریخ : ڈاکٹر فاروق حسن

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. A	3. A	4.D	5. C
6. D	7. B	8. A	9. C	10 . B

اکائی 3: فقہ کے ثانوی مآخذ کا اجمالی تعارف

اکائی کے اجزا:

3.0 تمہید

3.1 مقاصد

3.2 ثانوی مصادر

3.2.1 استحسان

3.2.2 مصالح مرسلہ

3.2.3 عرف وعادت

3.2.4 استصحاب

3.2.5 سابقہ شریعت

3.2.6 قول صحابی

3.2.7 سدّ ذرائع

3.3 فرہنگ

3.4 اکتسابی نتائج

3.5 نمونے کے امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

3.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

3.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

3.0 تمہید

انسانی زندگی کا دائرہ وسیع ہے، اور آئے دن زندگی میں نئے نئے انقلابات آتے رہتے ہیں، اس لئے انسان کو دینی اور دنیاوی معاملات کے بارے میں حلال وحرام اور جائز وناجائز معلوم کرنے کے لئے فقہ کی بے حد ضرورت ہے، قرآن وحدیث میں متعین ومفصل اورواضح احکام کی تعداد محدود ہے، زیادہ تر اصولی اور کلی نوعیت کے احکام ہیں جن کی روشنی میں انسانی زندگی کے روز مرہ مسائل کے احکام معلوم کئے جاسکتے ہیں، اسی کا نام فقہ ہے۔ اور فقہ کی اہمیت ایک لفظ میں یہی ہے کہ انسانی زندگی فقہ کے بغیر حکم الٰہی پر قائم نہیں رہ سکتی۔

فقہی احکام کے استنباط کے لئے کچھ اصول وقواعد کی ضرورت پڑتی ہے، جن کے ذریعہ عملی زندگی کے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں، استنباط کرنے والوں کو "مجتہدین فقہاء" کہا جاتا ہے، اور استنباط کے عمل کو "اجتہاد" کہا جاتا ہے، یہ اصول وقواعد دوطرح کے ہیں: بنیادی مصادر اور ثانوی مصادر۔ اس اکائی میں فقہ کے ثانوی مصادر کیا ہیں اس پر روشنی ڈالی جائے گی اور اس کے معنی ومفہوم اور مراجع کا تعارف کیا جائے گا۔

3.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- ثانوی مصادر کی حیثیت اور ان کے مفہوم سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- ان مصادر و مآخذ سے عملی احکام سے مسائل کے استنباط کی تراکیب کے بارے میں جان سکیں۔
- نیز ثانوی مآخذ کون کون سے ہیں اس پر گفتگو کر سکیں۔

3.2 ثانوی مصادر

دوسرے درجہ کے مصادر ومآخذ، جن سے شرعی احکام کا استنباط کیا جاتا ہے، اس قسم کے مآخذ متعدد ہیں، لیکن ان میں زیادہ مشہور سات ہیں، اور ثانوی مصادر بھی سات ہیں:

1. استحسان 2. مصالح مرسلہ 3. عرف وعادت 4. استصحاب
5. سابقہ شریعت 6. قول صحابی 7. سد ذرائع

ان سے استدلال کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں بعض مآخذ ایسے ہیں جو بعض فقہاء کے نزدیک معتبر اور حجت ہیں اور دوسرے فقہاء کے یہاں وہ حجت نہیں ہیں' ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

3.2.1 استحسان

لغت میں استحسان کے معنی کسی چیز کو اچھا سمجھنے، اس کی طرف مائل ہونے اور اس کے چاہنے کے ہیں، اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دینا۔

استحسانی مسائل سب سے زیادہ حنفی کتب فقہ میں ہیں، اور وہ سب عام طور پر اسی نوعیت کے ہیں کہ ان کے ذریعہ کسی مشکل و دشواری کو دفع کیا گیا ہے، مثلاً کنویں میں اگر نجاست گر جائے تو شریعت نے پاکی کا جو عام اصول بتلایا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ محض پانی نکال دینا کنویں کی پاکی کے لئے کافی نہ ہو؛ بلکہ کنویں کی دیواریں اور نیچے کی سطح بھی پانی سے دھودی جائے؛ لیکن کنویں کی تطہیر کے مسئلہ میں اس عام اصول سے بڑی دشواری کا سامنا ہوتا؛ اسی لئے اس دشواری سے بچانے کے لئے استحساناً پانی نکال دینے کو کافی قرار دیا گیا۔

حجیت استحسان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک حجت ہے، امام شافعی اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت نہیں ہے، یہی ظاہریہ، معتزلہ اور علماء شیعہ کا مذہب ہے؛ لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ اختلاف لفظی ہے حقیقی نہیں؛ کیوں کہ امام شافعیؒ وغیرہ نے جس استحسان کی حجیت کا انکار کیا ہے اس سے مراد وہ استحسان ہے جس کی بنیاد محض عقل ورائے، ہوس پرستی اور خواہش نفس ہو، جس کے پیچھے کوئی شرعی دلیل نہ ہو، اور حنفیہ وغیرہ اس طرح کے استحسان کے قائل نہیں ہیں، استحسان کی حجیت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (زمر:55)

(تمہارے رب کی طرف سے جو احکام تمہاری طرف نازل کئے گئے ہیں ان میں سے سب سے بہترین احکام کی پیروی کرو)۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

''جس چیز کو مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے''۔(مسند احمد' حدیث نمبر:3600، تحقیق احمد محمد شاکر)۔

3.2.2 مصالح مرسلہ

لغوی اعتبار سے مصلحت ''نفع حاصل کرنے اور نقصان دور کرنے'' کو کہتے ہیں، یہ مصلحتیں تین قسم کی ہیں:

1. مصالح معتبرہ: یعنی وہ مصلحتیں جنہیں شریعت نے معتبر سمجھا ہے، مثلاً جان، مال، دین، عقل اور نسل کی حفاظت سے متعلق سارے احکام، جیسے دین کی حفاظت کے لئے جہاد، جان کی حفاظت کے لئے قصاص، عقل کی حفاظت کے لئے شراب نوشی کی حد، نسل کی حفاظت کے لئے حد زنا و قذف اور مال کی حفاظت کے لئے چوری کی حد۔

2. مصالح ملغاۃ: یعنی وہ مصلحتیں جنہیں شریعت نے لغو قرار دیا ہے، جیسے: حق وراثت میں مرد و عورت کے درمیان مساوات۔

3. مصالح مرسلہ: یعنی ایسی مصلحتیں جن کے متعلق شریعت نے نہ معتبر ہونے کی وضاحت کی ہو اور نہ ہی انہیں لغو کہا ہو، اس میں وہ تمام مصلحتیں آئیں گی جن کی شریعت نے نہ ترغیب دی ہو اور نہ ہی انہیں برا سمجھا ہو، اور یہ کسی بھی زمانہ میں پیش آسکتی ہیں، جیسے: جمع و تدوین قرآن کی مصلحت، جمعہ کے دن مزید ایک اذان کا اضافہ، جیلوں کی تعمیر اور خلافت فاروقی میں تقسیم وظائف وغیرہ کی مصلحت۔

عبادت میں مصالح مرسلہ کا اعتبار نہیں ہے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، کیوں کہ عبادت امور تعبدی وتوقیفی میں سے ایک ہے، جن میں رائے واجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی ہے، البتہ معاملات کے باب میں مصالح مرسلہ کی حجیت کے بارے میں اختلاف ہے؛ تاہم جمہور مالکیہ اور حنابلہ اسے حجیت تسلیم کرتے ہیں، حنفیہ مصالح مرسلہ کو استحسان کے راستے سے قبول کرتے ہیں، یہی جمہور فقہاء کا مذہب ہے۔

3.2.3 عرف وعادت

لغت میں عرف کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے، مانوس، مستحسن، معیاری چیز، اعتراف، صبر اور تسلسل، اصطلاحی تعریف اس کی یہ ہے: لوگوں کا قول یا فعل جو کہ ان کے درمیان مانوس، متعارف ہو اور ان میں اس کا رواج ہو، عرف کو عادت کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔

عرف اپنی وضع کے اعتبار سے کبھی قولی ہوتا ہے اور کبھی عملی، اور اپنی وسعت ودائرہ کے اعتبار سے کبھی عام ہوتا ہے اور کبھی خاص اور شرعی نقطۂ نظر کے اعتبار سے کبھی عرف صحیح ہوتا ہے اور کبھی فاسد۔

عرف قولی کی مثال لفظ "ولد" ہے جسے عرف میں مذکر اولاد پر بولا جاتا ہے مؤنث پر نہیں، گو لغت میں نر ومادہ دونوں طرح کی اولاد پر اطلاق ہوتا ہے، عرف عملی کی مثال عام لوگوں کے لئے بنائے گئے غسل خانوں میں داخل ہونا ہے، جس میں ٹھہرنے کی مدت متعین نہیں ہوتی اور نہ ہی پانی کے استعمال کی مقدار کی تعیین ہوتی ہے۔

عرف عام وہ قول یا فعل ہوتا ہے جو کہ دنیا کہ تمام شہروں میں یا اکثر شہروں میں لوگوں کے درمیان رواج پذیر ہو، جیسے استصناع (سامان بنانے کا آرڈر دینا)، عرف خاص لوگوں کا وہ قول یا فعل ہے جو کسی خاص ملک یا شہر یا طبقہ میں رائج ہو، جیسے تاجروں کے درمیان کسی عیب کا قابل فسخ یا مبیع کے واپس کرنے کا حق رائج ہو جائے۔

عرف خواہ قولی یا عملی 'عام ہو یا خاص، معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ نص کے خلاف نہ ہو، اکثر مقامات پر مروج ہو اور لوگوں کی اکثریت اس سے واقف ہو، جس مسئلہ میں عرف کو حجت بنایا جارہا ہو، ضروری ہے کہ عرف اس مسئلہ سے پہلے موجود ہو اور معاملہ کے فریقین نے عرف کے خلاف صراحت نہ کر دی ہو۔

عرف کی حجیت پر متعدد آیات واحادیث سے استدلال کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ (نساء:6)

(یتیم کے ولی کے لئے رخصت دی گئی ہے کہ اگر وہ فقیر ہو تو معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے)۔

یہاں معروف کا معنی عرف ورواج ہی ہے، اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بخل کی شکایت کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:

"تم اس کے مال سے بغیر اس کی اجازت کے اتنا لے لو جتنا معروف طریقہ سے تمہارے اور تمہارے بیٹوں کے لئے کافی

ہو جائے"۔(بخاری، حدیث نمبر:5359)

عرف کی تبدیلی کا اثر شرعی نصوص پر مرتب نہیں ہوتا ہے، ہاں جب کسی نص میں عرف کو حکم کی علت قرار دیا گیا ہو تو عرف کے بدلنے سے حکم مختلف ہو گا، اسی طرح ابتدا ہی سے جو احکام عرف پر مبنی ہوں تو عرف کے بدل جانے سے وہ احکام بھی بدل جائیں گے، جیسے: پہلے خرید و فروخت کے ساتھ شرط لگانا ممنوع تھا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؛ لیکن اب عرف میں سامانوں کی خرید و فروخت میں ایک سال یا اس سے کم یا بیش مدت تک مرمت کی ذمہ داری بیچنے والے پر ہو گی، یہ شرط ہوتی ہے، اور اس شرط کی وجہ سے فریقین کے درمیان کوئی نزاع بھی پیدا نہیں ہوتی ہے، تو چونکہ حدیث میں ممانعت کی علت نزاع تھی، اب وہ علت باقی نہیں رہی، اس لئے عرف کے مطابق اس شرط پر عمل درست ہو گا۔

3.2.4 استصحاب

لغت میں استصحاب "ساتھ طلب کرنے اور اس کے تسلسل" کو کہتے ہیں۔

اس کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ شرعی دلیل نہ ملنے کے وقت جو چیز جس حالت میں پہلے تھی اس کو اسی طرح اسی حالت میں زمانہ حال یا مستقبل میں باقی سمجھنا جب تک کہ اس کو بدلنے والی کوئی دلیل نہ پائی جائے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی کام جائز تھا تو اسے اس وقت تک جائز ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کی ممانعت کی کوئی دلیل نہ مل جائے، اور اگر کوئی کام ممنوع تھا تو اسے اس وقت تک ممنوع ہی سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کے جواز کی کوئی دلیل نہ مل جائے۔

استصحاب بھی ایک شرعی مصدر ہے، جب کسی مسئلہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی ہے تو آخر میں استصحاب کو بنیاد بناتے ہوئے اس مسئلہ کا حکم نکالا جاتا ہے، اور وہ اس طرح سے کہ عبادات اور جنسی تعلقات کے ابواب کے چھوڑ کر معاملات اور دیگر اشیاء میں اصل مباح ہونا ہے، جیسا کہ قرآن نے ایک سے زائد مقامات پر ذکر کیا ہے کہ تمام چیزوں کو اللہ نے انسانوں کے مفاد کے لئے پیدا کیا ہے، پس جو چیز اصل کے اعتبار سے حلال یا حرام ہو تو اس کے بارے میں اسی طرح حلال یا حرام ہونے کا فیصلہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل مُغیِّر (بدلنے والی) نہ مل جائے۔

جہاں تک استصحاب کی حجیت اور اس کے استعمال کی بات ہے تو اکثر اصولیین اس کو مطلق حجت تسلیم نہیں کرتے ہیں، جب کہ جمہور مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور ظاہریہ استصحاب کو مطلق حجت تسلیم کرتے ہیں، یعنی نفی اور اثبات دونوں کے حق میں اسے حجت مانتے ہیں، اور جمہور متاخرین حنفیہ صرف دفع استحقاق اور نفی میں اسے حجت تسلیم کرتے ہیں، اثبات اور استحقاق میں حجت قرار نہیں دیتے ہیں، مثلاً کوئی آدمی بقید حیات لاپتہ ہو گیا تو اس کا سارا مال محفوظ کر دیا جائے گا، وراثت میں تقسیم نہیں ہو گا؛ کیوں کہ وہ زندہ تھا تو زندہ ہی سمجھا جائے گا، یہاں تک کہ اس کی وفات کی خبر یقینی ذرائع سے معلوم ہو جائے، اس کے بعد اس کے مال میں وراثت بھی جاری ہو گی اور وہ خود بھی دوسرے مورث میت کے مال میں وارث نہیں ہو گا، چونکہ اب اس کے انتقال میں کوئی شبہ باقی نہیں رہا' اور میت کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، یہ احناف کا مذہب ہے، جمہور فقہاء مالکیہ وغیرہ کے نزدیک وارث ہو گا۔

3.2.5 سابقہ شریعت

آخری نبی حضرت محمدؐ سے پہلے بھی انبیاء ورسل دنیا میں آئے ہیں، سب کا کام ایک ہی رہا ہے اور وہ اللہ کے دین کو لوگوں تک پہنچانا، اس طرح تمام پیغمبروں کے ذریعہ جو دین اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے، وہ ایک ہی دین ہے، اخلاقی واعتقادی اعتبار سے ان کے درمیان کوئی فرق نہیں پایا جاتا ہے؛ اس لئے کہ سب کا سرچشمہ ایک ہی ذات باری تعالیٰ کی ہے؛ البتہ عملی احکام میں فرق رہا ہے، مختلف شریعتوں میں مختلف عملی احکام رہے ہیں، کیوں کہ انسانی تمدن کے مرحلہ بہ مرحلہ ارتقا کا تقاضا یہی تھا، پہلی قسم کے احکام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطہ وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کو (مع ان سب کے) اتباع کا حکم دیا تھا (اور ان کی قوموں کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا''۔ (الشوریٰ:12)

اور دوسری قسم کے احکام کے بارے میں ارشاد ہے: لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا (مائدۃ:48) تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک (خاص) شریعت اور راہ رکھی تھی)۔

اس پس منظر میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ شریعتوں کے احکام کی کیا حیثیت ہوگی، ہمارے اوپر اس کی پیروی لازم ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو کس حد تک ہوگی؟ اس حقیقت سے سابقہ شریعتوں کے احکام کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: وہ احکام جن کا قرآن وحدیث میں کوئی ذکر نہیں، اس قسم کے احکام اس امت میں بالاتفاق قابل عمل نہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کے لئے شریعت کے درجہ میں نہیں ہیں۔

دوسری قسم: وہ احکام جن کا ہماری شریعت یعنی قرآن وحدیث میں ذکر آیا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام سابقہ امت کے لئے تھے، اس امت میں باقی نہیں ہیں، بلکہ منسوخ ہوچکے ہیں، جیسے: سجدہ تعظیمی کرنا، مال غنیمت کو حرام سمجھنا، آنت کے اوپر کی چربی کی حرمت وغیرہ، بالاتفاق اس قسم کے احکام پر عمل کرنا ہمارے لئے جائز نہیں۔

تیسری قسم: وہ احکام جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں اور یہ بھی بتادیا گیا کہ یہ احکام اس امت کے لئے بھی لازم ہیں، بلا اختلاف فقہاء اس شریعت میں بھی اس قسم کے احکام پر عمل لازم ہوگا، مثلاً قرآن مجید میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ (بقرۃ:183)

(تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جیسے تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے)۔

چوتھی قسم: وہ احکام جن کا ذکر قرآن وحدیث میں آیا ہے، اور یہ بتایا گیا کہ پچھلی قوموں پر یہ احکام لازم تھے؛ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ اس امت کے لئے یہ احکام باقی ہیں یا نہیں؟ جیسے قرآن مجید میں ہے:

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ (مائدہ:45)

(تورات میں ہم نے یہودیوں پر یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت، اور تمام زخموں کے لیے برابر کا بدلہ، پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے، اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی ظالم ہیں)۔

اس چوتھی قسم کے احکام کے بارے میں فقہاء کے دو قول ہیں، ایک قول جمہور احناف، مالکیہ، بعض شوافع اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، یہی روایت حنابلہ کے یہاں راجح ہے، اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ اس امت کے لئے یہ احکام اسی طرح باقی اور مشروع ہیں جس طرح پہلے لوگوں کے لئے تھے، اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ احکام اس امت کے لئے باقی نہیں ہیں۔

لیکن یہ اختلاف عملی اعتبار سے کوئی زیادہ اہم نہیں، کیوں کہ عملاً شاید ہی کسی مسئلہ میں اس کی وجہ سے اختلاف رہا ہو، نیز اس قسم کے احکام کا ذکر دوسری جگہ مل جاتا ہے، مثلاً قصاص کا ہی مسئلہ ہے، اس کے متعلق جو احکام گذشتہ آیت میں بتلائے گئے ہیں یہ تمام احکام قرآن کی دوسری آیت اور متعدد احادیث سے ثابت ہیں اور اس امت کے لئے بھی مشروع ہیں، اللہ تعالیٰ نے متعدد انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا ہے: ''یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی' لہٰذا آپ انہیں کے طریقہ کی پیروی کیجئے'' (الانعام:90)، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس شریعت میں جس مسئلہ کے بارے میں کوئی نص موجود نہ ہو اور اس سلسلہ میں پچھلی شریعت کے اتباع سے بھی نہ روکا گیا ہو اس امت کے لئے بھی مشروع ہوں گے۔

3.2.6 قول صحابی

''صحابی'' اس شخص کو کہتے ہیں جس نے نبی کریمؐ اسے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا ہو، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہؐ سے براہ راست اس دین کو حاصل کیا، ایک زمانہ تک آپؐ کے زیر تعلیم و تربیت رہے ہیں، ان کے سامنے وحی الٰہی نازل ہوئی؛ اس لئے وہ دین کے مزاج و مذاق، شرعی احکام کے مصالح و مقاصد سے زیادہ واقف تھے، وہ تمام کے تمام عادل، مخلص، خدا ترس اور معتبر افراد تھے، ان کی صداقت و عدالت اور ثقاہت کی تصدیق خود قرآن و حدیث نے کی ہے، اس لئے ان کے اقوال اور آراء کی خاص اہمیت ہے، ان کے اقوال، فتاوی، فیصلے اور آثار ہم تک پہنچے ہیں، سوال یہ ہے کہ شرعی نقطۂ نظر سے ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہ ہمارے لئے حجت ہیں یا نہیں؟ اگر حجت ہیں تو کیا مطلق حجت ہیں یا اس میں تفصیل ہے؟ آپ یہ ذہن نشیں کر لیں کہ جن مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال و آراء اور آثار و فتاوی منقول ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں:

1. صحابی کی وہ بات جو عقل و اجتہاد سے اخذ نہیں کی جاسکتی لازماً اس کی بنیاد قرآن و حدیث ہی پر ہوگی، اس لئے علماء کے نزدیک بالاتفاق حجت ہے، کیوں کہ یقیناً انہوں نے یہ بات رسول اللہؐ سے سن کر ہی بیان کی ہوگی۔

2. صحابی کے جس قول پر اجماع ہو چکا ہو علماء اسے شرعی حجت قرار دیتے ہیں، اسی طرح صحابی کا وہ قول جس کے خلاف کسی اور صحابی کا قول معلوم نہ ہو، جب کہ وہ قول صحابہ کے درمیان عام اور مشہور ہوا؛ لیکن کسی صحابی نے اس کے خلاف کوئی نکیر نہیں فرمائی، گویا یہ اجماع سکوتی ہے، اس لئے یہ بھی حجت ہے۔

3. وہ مسائل جن میں اجتہاد اور رائے کی گنجائش ہے، جن کے بارے میں خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ملتے ہیں، اور ان میں بہت سے اقوال میں باہم تعارض بھی نظر آتا ہے اس قسم کے حجت ہونے میں علماء کے کئی نقاط نظر ہیں، شوافع اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کا کہنا ہے کہ ہم صرف کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل پر عمل کے پابند ہیں، جہاں تک قیاس واجتہاد کی بات ہے تو اس میں صحابہ اور دوسرے مجتہدین سب برابر ہیں، جیسا کہ خود صحابہ نے بعض مسائل میں تابعین کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے، اور صحابہ کے اقوال کے خلاف تابعین کی آراء موجود ہیں، اگر صحابی کا قول غیر صحابی پر حجت ہوتا تو کسی تابعی کے لئے اس کی مخالفت کی گنجائش نہ ہوتی۔

حنفیہ، مالکیہ اور بعض دوسرے علماء کے نزدیک حجت ہے، وہ کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے کوئی حکم نہ ملنے کی صورت میں قیاس کرنے کے بجائے ان متعارض اقوال صحابہ کے درمیان تطبیق کا عمل انجام دیتے ہیں یا ایک کو دوسرے اقوال پر ترجیح دیتے ہیں، اگر کسی وجہ سے تطبیق یا ترجیح ممکن نہ ہو تب ان اقوال صحابہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور قیاس کرتے ہیں، بہر حال حجت ماننے کی صورت میں ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کو سب سے بہتر نفوس قرار دیا ہے، اور ان کی خاص صفت اچھی باتوں کا حکم دینا بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ امر بالمعروف کا قبول کرنا واجب ہے، نیز بہر حال صحابہ کی رائے ہماری رائے سے بہتر ہے، اور وہ اس لئے کہ وہ نزول وحی کے زمانہ میں موجود تھے، تشریع احکام کی حکمت اور اسباب نزول سے اچھی طرح واقف تھے، اور ایک طویل عرصہ تک رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے، ان تمام وجوہات کی بنا پر ان کی آراء کو دوسروں کی آراء پر بڑی فضیلت حاصل ہے، اس لئے اپنی رائے پر ان کی رائے کو ترجیح دینا یقیناً افضل ہوگا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ صحابہ کے اقوال وآثار کے نقل کرنے کا زیادہ اہتمام حدیث کی دو کتابوں میں کیا گیا ہے، ایک مصنف ابن ابی شیبہ میں اور دوسری مصنف عبد الرزاق میں، موجودہ دور میں ابو عبد اللہ سید بن کسروی حسن نے اپنے علم ودانست اور اپنی تحقیق کے مطابق تمام آثار صحابہ کو "موسوعۃ آثار الصحابۃ" کے نام سے تین جلدوں میں جمع کر دیا ہے، جس میں 9195 آثار ہیں۔

3.2.7 سدّ ذرائع

لغوی اعتبار سے "سد" کا معنی روکنا اور بند کر دینا ہے، اور "ذرائع" وسائل کو کہتے ہیں جن کے ذریعہ کسی بھی چیز تک پہنچا جا سکے خواہ وہ نفع بخش ہو یا ضرر رساں، اور شرعی نقطۂ نظر سے حلال ہو یا حرام، سد ذرائع سے مراد ان وسائل کا انسداد ہے جو معصیت، نقصان، اور مفاسد تک پہنچاتے ہوں، جیسے: عورتوں کی طرف دیکھنا حرام ہے؛ کیوں کہ یہ زنا کا پیش خیمہ ہے، لوگوں کے راستے میں کنواں کھودنا یا ان کے کھانوں میں زہر ڈالنا ناجائز ہے؛ اس لئے کہ یہ افعال نقصان کا ذریعہ ہیں۔

علماء نے "ذریعہ" کی چار قسمیں کی ہیں:

1. جس کی وضع ہی کسی مفسدہ کے لئے ہو جس کی وجہ سے وہ مفسدہ کا ذریعہ یقیناً بنے گا، جیسے تاریکی میں گھر کے دروازہ کے پیچھے کنواں کھودنا، جس کی طرف جانے والا یقیناً کنواں میں گرے گا، یہ ذریعہ بالاتفاق حرام ہے۔

2. وہ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، اس سے کسی مفسدہ کا ارادہ نہ کیا جاتا ہو؛ لیکن اکثر وہ مفسدہ کا سبب بن جاتا ہو، اور اس کا مفسدہ اس کی منفعت و مصلحت سے بڑھ کر ہو، تو وہ سد ذریعہ کے طور پر ممنوع ہو گا، جیسے حربیوں سے ہتھیار فروخت کرنا، فتنہ کے زمانہ میں اسلحہ بیچنا اور شراب بنانے والے کو انگور بیچنا، اصل کے اعتبار سے ہتھیار اور انگور کی خرید و فروخت جائز ہے؛ لیکن مذکورہ صورت میں ناجائز و حرام ہے۔

3. جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، کبھی کبھی اس سے مفسدہ بھی پیدا ہو جاتا ہو، مگر اس کی مصلحت اس کے مفسدہ سے بڑھ کر ہو، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے، جیسے خوردنی اشیاء کا فروخت کرنا جو عموماً لوگوں کے لئے ضرر رساں نہیں ہوتی ہیں۔

4. وہ جو کسی مباح مقصد کے لئے وضع کیا گیا ہو لیکن اس کو بہ کثرت مفسدہ کا وسیلہ بنالیا جاتا ہو، جیسے ادھار خرید و فروخت جو بہ کثرت سود کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

چوتھی صورت میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، حنابلہ اور مالکیہ اس صورت میں بھی ذریعہ کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اور احناف اور شوافع ایسے ذریعہ کو مباح کہتے ہیں، اس لئے کہ بیع میں اصل جائز اور مباح ہونا ہے، مفسدہ کے وقوع کا احتمال ہے، یقین یا غالب گمان نہیں اور حکم کا مدار احتمال پر نہیں ہوتا ہے بلکہ یقین اور غالب گمان پر ہوتا ہے۔

3.3 فرہنگ

مصادر، مصدر کی جمع	:	سرچشمہ، دلیل شرعی
مآخذ	:	اخذ کرنے کی جگہ، دلیل شرعی
استنباط	:	استخراج کرنا نتیجہ نکالنا
ضمناً	:	کسی کے ضمن و تابع
مصالح	:	مفادات، فائدے
تعبدی	:	عبادت سمجھنا
توفیقی	:	اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونا
مغیر	:	بدلنے والا

متعارض : باہم ایک دوسرے سے ٹکرانے والا

استصناع : سامان بنانے کا آرڈر دینا

3.4 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- ثانوی مصادر: یہ متعدد ہیں، ان کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، ان میں سات مصادر مشہور ہیں۔
- استحسان: جس میں قرآن، حدیث یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو ترک کر کے شریعت کی آسانی کو اختیار کیا جاتا ہے۔
- مصالح مرسلہ: یعنی ایسی انسانی مصلحتیں جن کے متعلق شریعت نے معتبر یا نامعتبر ہونے کی وضاحت نہ کی ہو۔
- عرف وعادت: یعنی جو عرف وعادت شریعت سے متصادم نہ ہو اس کا اعتبار کرنا اور شریعت کے جو احکام عرف پر مبنی ہوں، ان میں عرف کے بدل جانے سے تبدیلی لانا۔
- استصحاب: یعنی کسی چیز کی سابقہ حیثیت جواز وعدم جواز کو زمانہ حال و مستقبل میں برقرار رکھنا۔
- سابقہ شریعت: یعنی پچھلی قوموں کے جو احکام قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں اور ان کے بارے میں یہ صراحت نہیں ہے کہ وہ انہیں کے ساتھ خاص تھے' ان کا اس امت کے لئے بھی واجب العمل ہونا۔
- قول صحابی: یعنی قیاسی مسائل میں صحابہ کے اقوال وآثار اور ان کے فتاوی کو حجت تسلیم کرنا۔
- سد ذرائع: یعنی معصیت، نقصان اور مفاسد تک پہونچانے والے راستوں کو بند کرنا یعنی شرعاً ان کو بھی ممنوع قرار دینا۔

3.5 نمونے کے امتحانی سوالات

3.5.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. استحسان کے معنی بتائیں؟

(a). کسی چیز کو اچھا سمجھنا (b). برا سمجھنا (c). دونوں غلط (d). دونوں صحیح

2. مصالح مرسلہ کی کتنی قسمیں ہیں؟

3.(a) 5.(b) 10.(c) (d). تمام غلط

3. مصلحت کے لغوی معنی بتائیں؟

(a). خراب کرنا (b). نقصان کرنا (c). نفع حاصل کرنا (d). تمام صحیح

4. سابق شریعتوں کے احکام کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). چار (b). دس (c). ایک (d). نو

5. جن مسائل میں صحابہ کرام کے اقوال و آراء اور آثار و فتاوی منقول ہیں، اس کی کتنی قسمیں ہیں؟

(a). تین (b). دس (c). آٹھ (d). تمام غلط

6. علماء نے سد ذرائع میں "ذریعہ" کی کتنی قسمیں بتائیں ہیں؟

(a). تین (b). چار (c). دس (d). بارہ

7. مشہور ثانوی مصادر کتنے ہیں؟

(a). سات (b). چار (c). دو (d). ایک

8. کسی چیز کی سابقہ حیثیت جواز و عدم جواز کو زمانہ حال و مستقبل میں بر قرار رکھنا؟ اسے کیا کہتے ہیں۔

(a). استصحاب (b). استحسان (c). قول صحابی (d). تمام غلط

9. قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دینا؟ اسے کیا کہتے ہیں۔

(a). استحسان (b). قول صحابی (c). سابقہ شریعت (d). تمام صحیح

10. جس نے نبی کریمؐ سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو، اور پھر ایمان کی حالت میں ہی فوت ہوا ہو، اسے کیا کہتے ہیں؟

(a). تابعین (b). تبع تابعین (c). صحابی (d). مفسر قرآن

3.5.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. استحسان کا مختصر تعارف کرائیے۔
2. سابقہ شریعتوں کے احکام کی چاروں قسمیں بیان کیجیے۔
3. مصالح مرسلہ پر نوٹ لکھیے۔
4. استحصاب پر بحث کیجیے۔
5. سد ذرائع کا معنی و مفہوم اور احکام کا جائزہ لیجیے۔

3.5.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. سابقہ شریعت پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

2. صحابی کی تعریف کرتے ہوئے صحابی کے قول کی شرعی حیثیت واضح کیجیے۔

3. عرف وعادت کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کرنے کے بعد اس کی شرعی حیثیت پر روشنی ڈالیے۔

3.6 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تدوین وتعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
4. برصغیر میں علم فقہ : محمد اسحاق بھٹی
5. فتاوی دارالعلوم دیوبند (مقدمہ) : مرتب: مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. A	3. C	4.A	5. A
6. B	7. A	8. A	9. A	10 . C

اکائی 4: فقہ بدلتے حالات میں

اکائی کے اجزا:

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 بدلتے مسائل

4.3 اجتہاد کی روایت

4.4 اجتماعی اجتہاد کے مراکز

4.5 چند معاصر مسائل اور فقہاء کے رجحانات

4.6 فرہنگ

4.7 اکتسابی نتائج

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

4.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

4.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

4.0 تمہید

اس اکائی میں بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں چند مسائل پیش کئے جائیں گے، اور یہ بتایا جائے گا کہ اجتہاد کا دروازہ اپنی چند شرائط کے ساتھ ہر زمانہ میں کھلا ہے، ہر زمانہ میں زمانہ کے مسائل کو حل کرنے کی اہلیت رکھنے والے علماء پیدا ہوتے رہیں گے، نیز اجتماعی اجتہاد کے مراکز کا تعارف بھی پیش ہوگا، اور ان مراکز میں حل ہونے والے مسائل میں سے چند نمونے بھی پیش ہوں گے، ساتھ ہی ان میں فقہاء کے جدید رجحانات کی وضاحت بھی کی جائے گی۔

4.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اس بات سے آگاہ ہوں کہ زمانہ وحالات کی تبدیلی سے کس طرح فقہی مسائل میں تبدیلی ہوتی ہے۔
- یہ جانیں کہ ہندوستان میں اجتماعی اجتہاد کے مراکز کہاں کہاں ہیں۔
- ان مراکز کی فقہی خدمات پر گفتگو کر سکیں۔

4.2 بدلتے مسائل

بعض فقہی مسائل میں بعض وجوہات کی بنیاد پر تبدیلی آتی رہتی ہے، عام طور پر اخلاقی انحطاط، فساد زمانہ، سیاسی حالات کی تبدیلی، مقامات کی تبدیلی، عرف اور تعامل کی تبدیلی، معاشی نظام میں تبدیلی اور نئے وسائل کی پیدائش سے بعض احکام ومسائل میں از سر نو غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور ان میں تغیر آتا ہے۔

اصولی طور پر کفار کی طرف سے مسلمانوں کے لئے امیر کی تولیت اور ان کا انتخاب درست نہیں؛ بلکہ مسلمانوں میں ارباب حل و عقد کی طرف سے ہوگی؛ لیکن جب سیاسی حالات بدل جائیں تو فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعیت کو برقرار رکھنے کے لئے اور ان کو انتشار اور بکھراؤ سے بچانے کے لئے ان حالات میں کافر کی طرف سے بھی کوئی امیر متعین کر دیا جائے تو وہ قابل قبول ہوگا۔

ووٹ کی ایک حیثیت تو وکیل کی ہے، اس اعتبار سے ووٹ سے منتخب شخص کا عمل ووٹ دینے والے کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے، ہندوستان یا اس جیسے جمہوری ممالک میں علماء نے مسلمانوں کے لئے ووٹ دینے کو ضروری قرار دیا ہے؛ کیوں کہ ایک جمہوری ملک میں ووٹ ایک بہت بڑی طاقت ہے؛ اس لئے بحیثیت شہری اپنے حقوق کی وصولیابی کے لئے اور سرگرم سیاسی نمائندوں میں سے زیادہ قابل اعتبار نمائندہ کا انتخاب خود اپنے مفاد میں ہے، اور اس کے لئے وقت دینا ایک قومی ذمے داری ہے۔

ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت اصل میں جائز نہیں ہے؛ لیکن بعد میں تعامل ہو گیا کہ بعض ناپاک چیزوں کی بھی خرید وفروخت کی جانے لگی، تو فقہاء نے اس کی اجازت دے دی؛ کیوں کہ قدیم زمانہ میں ناپاک چیزوں سے انتفاع کی صورت دریافت نہیں ہوئی تھی، اس لئے ناپاک چیزوں کی خرید وفروخت کو ناجائز قرار دیا، اب جب کہ بعض ناپاک چیزوں سے انتفاع ممکن ہو گیا تو اسکی خرید وفروخت کو جائز قرار دیا، جیسے جانوروں اور انسانوں کے فضلات زمین کی کھاد کے لئے اور اس کی قوت پیداوار کو بڑھانے کے لئے کارآمد ہیں اور لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے۔ اسی بنیاد پر شہد کی مکھی اور ریشم کے کیڑوں کی خرید وفروخت جائز ہے؛ اس لئے کہ یہ لوگوں کے انتفاع کا باضابطہ ذریعہ ہیں، حالاں کہ قدیم فقہاء کے یہاں ان کی خرید وفروخت درست نہیں تھی؛ کیوں کہ ان کے یہاں یہ چیزیں قابل انتفاع نہیں سمجھی جاتی تھیں اور متاخرین کے یہاں وہ تعامل کی وجہ سے قابل انتفاع ہو گئیں، اس لئے انہوں نے اس کی بیع کی اجازت دیدی۔ اسی طرح آج کل مشینوں کی خرید پر وارنٹی دی جاتی ہے کہ ایک سال اسکی مرمت کی وارنٹی ہوگی، اصولی اعتبار سے یہ ایسی بیع ہے جس میں مرمت کی گارنٹی کی شرط لگی

ہوئی ہے، اور ایسی بیع فاسد ہوتی ہے؛ لیکن تعامل کی وجہ سے اس معاملہ کو فقہاء نے درست قرار دیا ہے۔

نئے وسائل کی پیدائش کی وجہ سے شکلیں بدل جاتی ہیں، ان کی وجہ سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، جیسے: سانپ کے چمڑے کی دباغت کا مسئلہ ہے، پہلے زمان میں ایسی مشینیں نہیں تھیں کہ باریک چمڑے کی دباغت ہو سکے، آج ایسے چمڑے کی دباغت ہوتی ہے، ایسی مشینیں آگئی ہیں کہ بھینس وغیرہ کے موٹے چمڑے کی کئی کئی تہیں کر دی جاتی ہیں اور باریک چمڑے کی دباغت بڑی آسانی سے ہو جاتی ہے، لہٰذا سانپ کے چمڑوں کی خرید و فروخت درست ہو گی؛ کیوں کہ اس کی دباغت ممکن ہو چکی ہے، قدیم زمانہ میں ممکن نہیں تھی اس لئے اس کی خرید و فروخت بھی درست نہیں تھی۔ پوسٹ مارٹم اصل کے اعتبار سے درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ انسانی احترام و شرافت کے مغائر ہے؛ لیکن جرائم کی تحقیق کے لئے فقہاء نے پوسٹ مارٹم کی اجازت دی ہے، پہلے زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جرائم کی تحقیق ممکن نہیں تھی۔

4.3 اجتہاد کی روایت

اجتہاد کی روایت شروع اسلام سے ہی چلی آرہی ہے اور اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا رہے گا، گو اب اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم نئے مسائل کا سلسلہ کبھی ختم نہیں ہو گا، قرآن و حدیث کی نصوص محدود ہیں، زندگی کے مسائل لا محدود ہیں، لا محدود کو محدود کے ذریعہ منضبط اور مقید نہیں کیا جاسکتا، سوائے اس کے کہ اجتہاد کیا جائے، اسی وجہ سے فقہاء نے جزوی اجتہاد کو روا رکھا ہے تاکہ ہر زمانہ میں نت نئے مسائل کا حل پیش کیا جاسکے۔ اسلام اپنے اندر قیامت تک آنے والے مسائل کا حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور صنعتی انقلاب کے دور میں بھی اسلام لوگوں کی رہنمائی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے، یہ دعوی اسی وقت کیا جاسکتا ہے اور درست ہو گا جبکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے، مطلب یہ ہے کہ اسلام کے اندر ایسے اصول و قواعد اور کلی احکام ہیں کہ جن کی روشنی میں ہر طرح کے نئے مسائل کا حل ممکن ہے، اسی اساس پر آج نئے مسائل حل ہوتے آرہے ہیں اور قیامت تک حل ہوتے رہیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے کئی موقعوں پر اجتہاد کیا ہے، یہ اور بات ہے کہ آپ کے اجتہاد کی تائید وحی سے ہو جاتی تھی؛ چنانچہ آپ ﷺ نے روزے سے متعلق ایک خاتون کے سوال کا جواب اجتہاد سے اس طرح دیا کہ اللہ کا دَین زیادہ قابل ادائیگی ہے (بخاری، حدیث نمبر: 1953)، دیکھئے آپ ﷺ نے دَین پر روزہ کو قیاس کیا۔

بعض صحابہ کرام نے آپ ﷺ کی موجودگی میں بھی اجتہاد کیا ہے، آپ ﷺ کی غیر موجودگی میں تو اجتہاد کیا ہی ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو خود اجتہاد کرنے کی اجازت دی تھی بلکہ مزید دعا بھی فرمائی، اسی طرح غزوہ بنو قریظہ کے موقع سے بنو قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد بن معاذؓ کا فیصلہ کرنا واضح مثال ہے۔ اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ نے خوب اجتہاد کیا، حضرت عمرؓ کے یہاں اجتماعی اجتہاد کا مرکز تھا، آپ کے بعد صحابہ کرام مختلف دور دراز شہروں میں پھیل گئے اور وہاں اپنی اپنی فقہ و فتاوی کے مراکز قائم کئے اور نئے مسائل میں اجتہاد کیا، ان کے بعد ان کے شاگردوں نے اس سلسلے کو قائم رکھا، اس طرح بہت سے فقہی مسالک وجود میں

آئے۔

4.4 اجتماعی اجتہاد کے مراکز

یقیناً سائنسی ترقی سے جہاں بہت سی سہولتیں انسان کو فراہم ہوئیں وہیں مشکلات بھی پیدا ہوئیں، خاص طور پر بیسویں صدی میں دنیا ایک چھوٹی سی بستی بن گئی، صنعتی انقلاب نے زندگی کا رخ بدل دیا، اور آئے دن نت نئے مسائل اسلام کے لئے چیلنج بن کر سامنے آنے لگے: معاشی اور اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نئے مسائل پیدا کر دئے، دوسری طرف ایسے جامع علماء کا فقدان ہو گیا جو علم و تحقیق کی بنیاد پر ان مسائل کو حل کر سکیں اور جن کا تنہا فتوی بھی مسلم معاشرہ میں قابل قبول ہو۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اجتماعی غور و فکر کی بنیاد ڈالی جائے اور اصحاب فقہ و فتاوی اور باہمی تبادلہ خیال کے ذریعہ ان مسائل کا ایسا حل نکالیں جو اصول شرع سے ہم آہنگ اور فکری شذوذ سے پاک ہو۔ تاکہ امت کی صحیح سمت رہنمائی ہو سکے، اس پس منظر میں اجتماعی غور و فکر کا رجحان پیدا ہوا اور اس عہد میں خوب پروان چڑھا، جس میں مختلف فقہی مذاہب سے استفادہ کرتے ہوئے درپیش مشکلات کا شرعی حل پیش کرنے کی کوششیں کی گئیں، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی کانفرنس منعقدہ 1384ھ میں مجمع الفقہ الاسلامی کے قیام کی تجویز ڈاکٹر مصطفی زرقاء نے پیش کی جو مقبول ہوئی اور مجمع کی تشکیل عمل میں آئی، اس مجمع کے تحت دسیوں فقہی سیمینار ہو چکے ہیں اور بہت سے نئے مسائل زیر بحث آچکے ہیں، ان خطوط پر 1983ء میں (O.I.C) جدہ کے تحت فقہ اکیڈمی کی تشکیل ہوئی، اس اکیڈمی کے 14 سے زائد سیمینار ہوئے ہیں اور کئی درجن مسائل زیر بحث آئے ہیں، اسی مقصد کے تحت پاکستان میں مفتی محمد شفیع اور مولانا محمد یوسف بنوری وغیرہ نے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" کی بنیاد رکھی تھی، اسی طرح یورپ میں "یوروپی افتاء کونسل" قائم ہے، جس کا مرکز آئرلینڈ ہے اور جس کا مقصد نئے مسائل کو حل کرنا ہے، اسی مقصد کو بروئے کار لانے کے لئے ہندوستان میں بھی دار العلوم ندوۃ العلماء نے مجلس تحقیقات شرعیہ قائم کیا، جمعیۃ علماء ہند نے ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد رکھی، اور قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا قائم فرمائی۔ ان اداروں کے علاوہ اور بھی متعدد ادارے قائم ہوئے ہیں۔

☆ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ:

اس کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ہیں، جس کی تاسیس 1381ھ مطابق 1963ء میں عمل میں آئی، اس کے ناظم یکے بعد دیگرے مولانا محمد تقی امینی اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی رہ چکے ہیں، ان دونوں حضرات کے بعد مولانا برہان الدین سنبھلی صاحب مقرر ہوئے۔

اجتماعی غور و فکر کی شکل میں زمانہ شناس، بالغ نظر اور فقہی بصیرت کے حامل علماء کو جمع کرنا اور لوگوں کے سامنے نئے مسائل کا شرعی حل پیش کرنا اور فقہی مشکلات میں ان کی رہنمائی کرنا مجلس کے قیام کا بنیادی مقصد تھا، چنانچہ اس عظیم مقصد کے لئے پورے ملک سے مختلف مکاتب فکر کے چیدہ باکمال فقہاء، ماہرین فقہ علماء اور دانشوران سے مجلس تشکیل دی گئی، جن میں بنیادی ارکان مجلس اس طرح تھے: مولانا عبد الماجد دریابادیؒ، مولانا منت اللہ رحمانی، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ، مولانا فخر الدینؒ، مولانا شاہ معین الدین

ندویؒ، مولانا عمران خان ندویؒ، مولانا ابو للیث اصلاحی ندویؒ، مولانا عتیق الرحمن سنبھلی، مولانا اویس نگرامی ندویؒ، مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ، مولانا رضا احمد انصاریؒ، مولانا تقی امینیؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمنؒ، مولانا اسحاق سندیلوی ندوی، مولانا قاری محمد طیبؒ، مولانا عبد الصمد رحمانیؒ، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا شاہ عون احمد قادریؒ، مولانا مجیب اللہ ندویؒ، مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

مجلس کی بحث و تحقیق کا طریقہ کار یہ تھا کہ مجلس کے ذمہ داران سب سے پہلے ان نئے مسائل کی فہرست تیار کرتے جن کا شرعی حل دریافت کرنا مطلوب تھا، پھر ان میں سے کسی ایک مسئلہ کا انتخاب عمل میں آتا اور اس کی جزوی و ذیلی تفصیلات سوالات کی شکل میں تمام اراکین کے پاس بھیج دی جاتیں، اس کے بعد جب تمام اراکین کی طرف سے اس کے جوابات جمع ہو جاتے، تو تمام اراکین مجلس جمع ہوتے اور اس مسئلہ سے متعلق دئے گئے جوابات کی روشنی میں اجتماعی غور و فکر کرتے، دلائل کی تنقیح ہوتی اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد کسی ایک نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش کی جاتی، پھر اس کے بعد ایک اجتماعی فیصلہ کے طور پر اس کو عوام کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ یہی اجتماعی فیصلہ فقہ کی اصطلاح میں اجتماعی اجتہاد کہلاتا ہے۔

مجلس کے چند فیصلے: مجلس نے جدید مسائل کے لئے جو اجتماعی اجتہاد کا طریقہ اختیار کیا تھا، اس کے مطابق چار مسائل پر غور و خوض ہو سکا اور اجتماعی فیصلے منظر عام پر آسکے، گرچہ یہ سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا، البتہ جن مسائل کی بابت فیصلے ہوئے وہ اپنے زمانے کے بڑے اہم تھے، اور فیصلے بھی بڑے معتدل و متوازن ہوئے، اس طرح اس مجلس نے آنے والے علماء کے لئے اجتماعی اجتہاد کی راہ دکھائی اور ہندوستان میں اجتماعی غور و فکر کی ایک نئی روایت قائم ہوئی، جن مسائل کے متعلق فیصلے ہوئے ہیں وہ یہ تھے: انشورنس کا مسئلہ، رؤیت ہلال کا مسئلہ، نس بندی کا مسئلہ اور سرکاری قرضوں کا مسئلہ۔

☆ادراۃ المباحث الفقہیۃ :

جمعیۃ علماء ہند انگریزوں سے مقابلہ کے لئے 1919ء میں قائم ہوئی، اس جمعیۃ نے مفتی محمد میاں صاحبؒ کی تحریک پر ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد 1970ء میں رکھی، اور مفتی محمد میاں صاحبؒ ہی اس کے نگراں و ذمہ دار تاحیات رہے، اور اپنے زمانہ میں رؤیت ہلال اور حق تصنیف کی بیع وغیرہ موضوعات پر غور و فکر کرنے کے لئے علماء کو جمع فرمایا، آپ کے وصال کے بعد یہ سلسلہ تھم سا گیا، پھر مولانا اسعد مدنیؒ کی مسلسل تحریک پر مجلس عاملہ نے اپنی ایک تجویز کے ذریعہ 1990 میں ادارۃ المباحث الفقہیۃ کو دوبارہ بحال کیا، اور اجتماعی غور و فکر کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور چار فقہی سیمینار ہوئے، اور وہ اس طرح ہیں:

پہلا سیمینار: سہ روزہ مورخہ 24-22/ رجب 1411ھ م 10-8/ فروری 1991ء بعنوان: غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں، دیوبند میں منعقد ہوا۔

دوسرا سیمینار: دوروزہ مورخہ 21-22/ جمادی الاولیٰ مطابق 29-28/ نومبر 1991ء، بعنوان: اسلامی نظام قضاء اور ہندوستان، دیوبند ہی میں منعقد ہوا۔

تیسرا سیمینار: سہ روزہ مورخہ 9-7/1993ء کو مدراس میں منعقد ہوا، مرکزی موضوع "شیئرز وایکسپورٹ" تھا۔

چوتھا سیمینار: دوروزہ دیوبند میں مورخہ 25-24/اکتوبر 1994ء کو بعنوان "دوسرے مسلک پر فتوی اور عمل کے حدود وشرائط" منعقد ہوا۔

☆**اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا:**

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ نے ہندوستان کے ممتاز اہل علم کو ساتھ لے کر 1989ء میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، کی بنیاد رکھی، اور وسیع سطح پر نئے پیدا ہونے والے فقہی مسائل پر غور وفکر کے لئے ایک عظیم الشان پلیٹ فارم مہیا کیا، جس نے نہ صرف پورے ہندوستان بلکہ بیرون ملک کے اہم فقہاء اور ارباب افتاء کو یکجا کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔

اس کے بائیس سے زائد فقہی سیمینار ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں میں مختلف فقہی ابواب کے تحت متعدد موضوعات زیر بحث آئے ہیں، وہ فقہی ابواب اور ان کی تعداد اس طرح ہے:

(الف) اصولی مسائل:4، (ب) عبادات:28، (ج) معاشرتی مسائل:17 (د) معاشی مسائل:28، (5) میڈیکل مسائل:13، (و) جدید آلات وذرائع:3، (ز) متفرقات:6، اصولی مسائل کے تحت اہم موضوعات یہ ہیں "شریعت میں ضرورت وحاجت کی رعایت اور اس کے حدود"، شریعت میں عرف وعادت کا اعتبار اور اس کے اصول وقواعد وغیرہ، عباداتی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: انقلاب ماہیت اور طہارت ونجاست اور حلت وحرمت پر اس کا اثر"، "پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ"، "روزہ میں جدید طریقہ علاج کا استعمال"، سماجی مسائل کے تحت اہم موضوعات کس طرح ہیں: "فون، ریڈیو کانفرنسنگ اور انٹرنیٹ کے ذریعہ نکاح"، "مسلم وغیر مسلم تعلقات" اور "نشہ آور اشیاء اور ان کے شرعی احکام" وغیرہ، معاشی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: "جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ عقود معاملات"، کرنسی نوٹ کی شرعی حیثیت"، "کمپنیوں کے مشیرزے بینک سے جاری ہونے والے مختلف کارڈ وغیرہ طبی مسائل کے تحت اہم موضوعات اس طرح ہیں: "اعضاء کی پیوندکاری" کلوننگ، ایڈز، جینیٹک ٹسٹ، ڈی این اے ٹسٹ، یوتھینزیا اور پلاسٹک سرجری وغیرہ ان کے علاوہ متعدد اہم موضوعات ہیں ان موضوعات سے اندازہ لگانا آسان ہے کہ اکیڈمی نے کتنے اہم اور تازہ ترین موضوعات کو اپنے بحث وتحقیق کا موضوع بنایا ہے اور اس سلسلہ میں کامیابی کے ساتھ تجاویز پاس کی ہیں۔

ان سیمیناروں میں جن جزئیات پر بحث ہوئی ہے، ان میں بحیثیت مجموعی 35 مسائل پر فیصلے کئے گئے ہیں، یہ فیصلے سیمیناروں کی ترتیب پر بھی اور فقہی ترتیب پر بھی شائع ہو چکے ہیں، ان سیمیناروں میں جو مقالات پیش کئے گئے ہیں ان کی تعداد 3055 ہے، اور ہندوستان کے مختلف علاقوں سے جن اہل علم اور افتاء نے شرکت کی ہے، مجموعی طور پر ان کی تعداد 1186 ہے، بیرون ملک سے سیمینار میں شرکت کرنے والے فضلاء کی تعداد 52 ہے، جن کا تعلق دنیا کے بیس ملکوں سے ہے، اب تک ان سیمیناروں کے مقالات پر مشتمل 77 مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جو بحیثیت مجموعی 46388 صفحات پر مشتمل ہیں، ان کے علاوہ متعدد مجلات کے عربی وانگریزی ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں، نیز تجاویز عربی، انگریزی اور فارسی کے علاوہ ہندوستان کی اکثر اہم مقامی زبانوں میں بھی طبع ہو چکی ہیں۔

فقہی سیمینار اور اس کا طریقہ کار: اس سلسلہ میں سب سے پہلا مرحلہ سیمینار کے لئے زیر بحث آنے والے موضوعات کے انتخاب کا ہوتا ہے، اس کے لئے سیمینار میں شریک ہونے والے شرکاء سے آئندہ سیمینار کے موضوعات کے لئے تحریری رائے لی جاتی ہے، اب تک مختلف سیمیناروں میں جو عنوانات آئے ہیں ان کی مکمل فہرست مرتب کر دی گئی ہے، اکیڈمی کی مجلس علمی بھی عنوانات کے سلسلہ میں اپنا مشورہ پیش کرتی ہے، جس میں پورے ملک سے ممتاز اہل قلم اور اہل علم شامل ہوتے ہیں، پھر مجلس منتظمہ ان تمام آراء کو سامنے رکھ کر عالمی اور ملکی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آئندہ سیمینار کے لئے موضوعات کا انتخاب کرتی ہے، کوشش کی جاتی ہے کہ یہ موضوعات مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق اور موجودہ حالات وضروریات سے زیادہ مطابقت رکھنے والے ہوں۔

اس کے بعد اس موضوع سے متعلق قابل بحث نکات پر مشتمل سوال نامہ اکیڈمی مرتب کرتی ہے اور اسے ملک وبیرون ملک کے فقہاء، ارباب افتاء اور اسکالرس کے پاس بھیجا جاتا ہے، اگر سوال کا تعلق کسی سائنسی ایجاد، یا سماجی ومعاشی مسئلہ سے ہو تو اس کے عملی اور سائنسی پہلو پر ان شعبوں کے ماہرین سے مقالات لکھائے جاتے ہیں اور یہ مقالات اگر انگریزی میں ہوں تو ان کا اردو ترجمہ کرایا جاتا ہے اور یہ بھی علماء و ارباب افتاء کے پاس بھیجا جاتا ہے؛ تاکہ صورت مسئلہ پوری طرح واضح ہوجائے اور وہ اس کی تفصیلات سے واقف ہوجائیں، ہندوستان میں اہل سنت کے تمام مکاتب فکر سے متعلق اہم درسگاہوں کے ارباب افتاء، نیز ان تمام شخصیتوں کے نام یہ دعوت نامہ جاتا ہے، جو تصنیف وتالیف، تدریس، قضاء یا اور کسی جہت سے فقہ اسلامی سے مربوط ہوں۔

اہل علم کی طرف سے جو مقالات آتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ہوتی ہے؛ اس لئے اکیڈمی کا شعبۂ علمی ان مقالات کی اس طرح تلخیص کرتا ہے کہ ہر مسئلہ میں تمام مقالہ نگاروں کی رائے آجائے، اگر اتفاق ہو تو متفقہ رائے اور اختلاف ہو تو اختلاف رائے کا اظہار کیا جائے اور مقالہ نگاروں نے کتاب وسنت سے جو استدلال اور فقہاء کی عبارتوں سے جو استشہاد کیا ہو، اختصار کے ساتھ اس کا بھی ذکر ہو، یہ تلخیص سیمینار کے موقع سے شرکاء کو فراہم کی جاتی ہے؛ تاکہ انہیں بحث کرنے میں سہولت ہو۔

پھر موضوع کے مختلف پہلوؤں کے لئے مقالات کی معنوی کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے "عارض" مقرر کیا جاتا ہے، اس پہلو سے متعلق تمام مقالات کی فوٹو کاپی انہیں فراہم کی جاتی ہے، وہ ان مقالات میں پیش کئے ہوئے نقاط نظر کو مرتب کرتے ہیں اور ان کے دلائل اور اسباب ووجوہ کا بھی ذکر کرتے ہیں، شرکاء سیمینار خود اپنی تحقیق ومطالعہ، مقالات کی تلخیص اور عارض کی بحث کو سامنے رکھتے ہوئے اظہار خیال کرتے ہیں اور تمام ہی شرکاء کو بحث میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے اور اس کے لئے خاصا وقت دیا جاتا ہے۔

اس موقع سے صورت مسئلہ کو واضح کرنے کی ذمہ داری ماہرین کو دی جاتی ہے اور اسی لئے زیر بحث موضوع کی مناسبت سے چند ماہرین بھی سیمینار میں شریک ہوتے ہیں، جو تصویر مسئلہ میں اپنی ماہرانہ رائے سے علماء کو معلومات فراہم کرتے ہیں، بحث مکمل ہونے کے بعد اس مسئلہ پر تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی جاتی ہے، اس کمیٹی کے انتخاب میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ یا تو انہوں نے اس موضوع پر بہتر مقالہ لکھا ہو یا نمایاں طور پر بحث میں حصہ لیا ہو، یا ان کو فتوی نویسی کا قدیم تجربہ ہو، اگر بحث کے دوران اتفاق رائے نہیں ہوسکا تو اس میں دونوں آراء کے حامل نمائندہ افراد کو شامل کیا جاتا ہے، اب یہ کمیٹی مقالات اور بحث کے دوران آنے والے نکات کو سامنے

رکھتے ہوئے مزید تبادلۂ خیال کے بعد تجویز مرتب کرتی ہے، جس کو سیمینار کے مندوبین کی عمومی اختتامی مجلس میں پیش کیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس مرحلہ میں بھی جزوی ترمیمات کی جاتی ہیں، سب کمیٹی کی مرتب کی ہوئی تجویز لوگوں پر مسلط نہیں کی جاتی، جس تجویز پر اتفاق ہوا ہے، اسے متفقہ حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے، جس میں شرکاء کی غالب ترین اکثریت کی ایک رائے ہو اور ایک دو اشخاص کو اختلاف ہو، ان میں پہلی رائے کو بحیثیت تجویز ذکر کرتے ہوئے اختلاف رکھنے والے حضرات کے نام ذکر کئے جاتے ہیں، صرف اکثریت اور اقلیت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کیا جاتا، اگر دونوں نقطۂ نظر کے حاملین کی مناسب تعداد ہو تو تجویز میں اختلاف رائے کا ذکر کرتے ہوئے دونوں نقاط نظر کو مساوی درجہ دیا جاتا ہے اور ہر رائے کے قائلین میں معروف، نمایاں اور اہم شخصیتوں کا بھی ذکر کر دیا جاتا ہے، پھر جن الفاظ میں تجاویز سیمینار میں پاس ہوتی ہیں، بعینہ اسی طرح ان کو طبع کیا جاتا ہے۔

4.5 چند معاصر مسائل اور فقہاء کے رجحانات

1. معاصر مسائل بے شمار ہیں، اور دن بہ دن ان میں اضافہ ہوتا جارہا ہے، لیکن ان میں چند اہم موضوعات اور ان کے سلسلہ میں فقہاء کے رجحانات آپ کے سامنے ہیں:

کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی اور افراط زر کی صورت میں اس کی قوت خرید تیزی سے گر جاتی ہے، اس پس منظر میں سوال یہ ہے کہ کیا اس صورت حال کی وجہ سے شرعاً گنجائش ہوگی کہ دیون یعنی مؤخر مطالبات مثلاً: قرض، مہر، ادھار خریداری کی رقم اور وقت پر ادا نہ ہونے والی تنخواہوں کی ادائیگی کو قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کر دیا جائے اور کیا ایسے کسی اشاریہ کی ترتیب اور اس کے ذریعے ادائیگیوں میں انضباط ممکن بھی ہے، اور کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ عامۃ الناس کے درمیان ادائیگیوں کے لئے ایسے معیار مقرر کرنا جن کی بنیاد دقیق فنی اصولوں پر ہو، باہمی مستقل تنازعہ کا موجب ہوگا، نیز یہ کہ اس طرح سو روپئے کے بدلے پانچ سو روپئے کی ادائیگی سود کے دروازے کو کھولنے کا ذریعہ بنے گی یا نہیں۔

اس سلسلہ میں دور حاضر کے فقہاء کے رجحانات مختلف ہیں، بعض عرب وہند کے علماء کا رجحان جواز کا ہے جب کہ جمہور علماء عرب و ہند کا رجحان عدم جواز کا ہے، جواز کے قائلین کا کہنا ہے کہ مؤخر بقایاجات کی وصولی کے لئے کرنسی کو قیمتوں کے اشاریہ سے مربوط کرنے میں مماثلت معنوی اور مالیت کے اعتبار سے برابری ہوگی، صرف صوری و ظاہری اعتبار سے مساوات کی صورت میں یہ بات نہیں پائی جائے گی۔

عدم جواز کے قائلین (جمہور علماء) کا استدلال قرآن و حدیث اور قدیم فقہاء کی تصریحات ہیں، استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مؤخر مطالبوں کی ادائیگی کو کرنسی کی قیمتوں کے اشاریہ سے وابستہ کرنے میں عین سود یا سود کی مشابہت ضرور پائی جاتی ہے، اور یہ دونوں ہی حرام و ناجائز ہیں، اللہ تعالی نے سود کو صاف لفظوں میں حرام قرار دیا ہے (البقرہ:279،257) اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اموال ربویہ میں کمی بیشی کو حرام و ناجائز قرار دیا ہے۔ (مسلم، حدیث نمبر:4057، حدیث نمبر:4069، بخاری، حدیث نمبر:2201) اور چاروں مذاہب کے قدیم فقہاء کی تصریحات سے مذکورہ بالا صورت ناجائز ٹھہرتی ہے؛ کیونکہ تمام ہی فقہاء نے لکھا ہے کہ دیون کی ادائیگی میں جو چیز جس نوع کی

جتنی مقدار میں ادھار لی گئی ہو، اتنی ہی مقدار میں اسی کے مثل ادا کرنا ضروری ہے۔

1407 ھ میں ایک سیمینار اسلامی ترقیاتی بینک جدہ اور عالمی ادارہ برائے اسلامی اقتصادیات اسلام آباد نے مشترکہ طور پر منعقد کیا تھا، جس کی تجویز یہ ہے:

سیمینار میں حاضر تمام علماء نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ سود اور قرض کی احادیث میں جو برابری ضروری قرار دی گئی ہے وہ شرعی جنس اور قدر یعنی وزن، ناپ اور عدد میں برابری مراد ہے، قیمت میں برابری مراد نہیں، اور یہ بات احادیث کے ذریعہ پوری طرح واضح ہو جاتی ہے جو احادیث اموال ربویہ کے تبادلہ کے وقت عمدہ اور گھٹیا کے وصف کو غیر معتبر قرار دیتی ہیں، اور اس پر امت کا اجماع ہے اور اسی پر عمل جاری ہے۔

ذمہ میں ثابت شدہ دیون چاہے وہ کسی بھی قسم کے ہوں ان کو قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ منسلک کر دینا جائز نہیں بایں طور کہ عاقدین عقد بیع یا عقد قرض کے وقت اس کرنسی کو جس کے ذریعہ عقد بیع یا عقد قرض کر رہے ہیں کسی سامان کے ساتھ منسلک کر کے یہ شرط ٹھہرائیں کہ مدیون ادائیگی کے وقت اس سامان کی قیمت موجودہ کرنسی میں ادا کرے گا (یہ جائز نہیں ہے)"۔

2. ہندوستان میں سود کی حلت اور حرمت کے بارے میں علماء کا اختلاف پایا جاتا ہے، بعض علماء ہند نے سود لینے کو جائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ ہندوستان دار الحرب ہے، اور دارالحرب میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے سود لینا درست ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ اور محمدؒ کی رائے ہے، جبکہ جمہور علماء دارالحرب میں بھی سود کو حرام قرار دیتے ہیں، یہی رائے احناف میں سے امام ابو یوسفؒ کی ہے، اس کے قائل امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ بھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ دارالحرب میں سود کی حلت اور حرمت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، اور ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے؛ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان پر دارالحرب کی تعریف صادق نہیں آتی ہے، اس لئے کہ دارالحرب وہ ملک ہے جہاں کافروں کو امن حاصل ہو اور مسلمان امن سے محرومی کے ساتھ اپنے مذہبی حقوق وعبادات اور جمعہ وعیدین کی علانیہ انجام دہی سے قاصر ہوں، البتہ ہندوستان پر دارالامن کی تعریف صادق آرہی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ دارالامن وہ ملک ہے جہاں کلیدی اقتدار غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہو؛ لیکن مسلمان مامون ہوں، مسلمان دعوت دین کا فریضہ انجام دے سکتے ہوں، اور ان اسلامی احکام پر جن کے نفاذ کے لئے اقتدار ضروری نہ ہو، عمل کر سکتے ہوں۔ اس رو سے دیکھا جائے تو ہندوستان دارالامن کے حکم میں آتا ہے۔ اس لئے یہاں امام ابو حنیفہؒ کی رائے کے مطابق بھی سود حلال نہیں ہو گا۔

3. کمرشیل انشورنس: جس کی بنیادی طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں: لائف انشورنس، ذمہ داریوں کا انشورنس اور املاک کا انشورنس، انشورنس کے شرعی حکم کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، علماء کی ایک قلیل تعداد اس کو جائز قرار دیتی ہے ان علماء میں شیخ مصطفی زرقاء، شیخ علی خفیف، اور ہندوستان کے اہل علم میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں؛ لیکن اکثر علماء عرب اور ہندوپاک نے اس کو کئی وجوہ سے ناجائز قرار دیا ہے۔

جن بعض علماء نے جائز قرار دیا ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ انشورنس ایک نیا مسئلہ ہے، جس کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ہے،

اور ایسے معاملات جن کے بارے میں کتاب و سنت میں نہ حلت کی صراحت ہو اور نہ ہی ممانعت کی، تو ان کے بارے میں دو اصول ہیں، ایک یہ کہ اس میں مصلحت کا پہلو ہو تو وہ جائز ہو گا ورنہ ناجائز، اور انشورنس میں لوگوں کی مصلحت و مفاد ہے، دوسرے جن امور کے بارے میں اجازت یا ممانعت منقول نہ ہو ان کے بارے میں اصل مباح ہونا ہے، فقہی قاعدہ ہے: ''الأصل فی الاشیاء الإباحة'' لہذا اس قاعدہ کے تحت انشورنس کی صورتیں جائز ہوں گی۔

یقیناً یہ بات درست ہے کہ جن اشیاء کے بارے میں قرآن و حدیث میں صراحت نہ ہو تو ان میں مصلحت کی بنیاد پر فیصلہ کیا جائے گا، اور اشیاء میں اصل مباح اور جائز ہونے کے قاعدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو جائز تصور کیا جائے گا؛ لیکن جو لوگ کمرشیل انشورنس کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں ان کے یہاں انشورنس میں قمار، اس کی بعض صورتوں میں سود اور غرر پائے جاتے ہیں؛ اس لئے یہ ان امور میں سے نہیں ہے جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں صراحت نہ ہو کہ اس پر ''مصلحت'' اور ''اشیاء میں اصل اباحت ہے'' کا اطلاق ہو سکے۔

جمہور علماء انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ لائف انشورنس میں ایک مقررہ مدت تک پالیسی ہولڈر زندہ رہا تو جمع شدہ رقم پر ایک بڑی رقم اضافہ کے ساتھ اس کو ملتی ہے، یہ اضافی رقم سود ہے، اس طرح وہ تمام صورتیں جن میں کمپنی اضافہ کے ساتھ رقم واپس کرتی ہے، سود کے زمرہ میں آجاتی ہے۔

''غرر'' کے دو معنی آتے ہیں، ایک دھوکہ کے، ظاہر ہے کہ انشورنس کی تمام صورتیں پہلے سے واضح ہوتی ہیں، کوئی بھی صورت پالیسی ہولڈر پر پوشیدہ نہیں رہتی ہے؛ اس لئے اس میں دھوکہ تو نہیں ہے، البتہ دوسرا معنی ''خطر'' کا ہے وہ یہاں پایا جاتا ہے، خطر سے مراد یہ ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لئے نفع ایسی شرط پر موقوف کر دیا جائے جن کا ہونا اور نہ ہونا غیر یقینی ہو، اور معاملہ کی ایسی صورت قمار شمار ہوتی ہے جس کو قرآن کی تعبیر میں ''میسر'' کہا گیا ہے (مائدہ:90)، مشہور مفسر اور فقیہ ابو بکر جصاص کا بیان ہے کہ ''اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قمار حرام ہے''، مخاطرہ،، بھی قمار ہی کی ایک صورت ہے، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے فرمایا: مخاطرہ قمار ہے، ظاہر ہے کہ انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے۔

4. انسانی اعضاء کی پیوند کاری: خود انسان اپنے کٹے ہوئے حصہ کی اپنے جسم میں پیوند کاری کر سکتا ہے یا نہیں، گو اس میں ہمارے متقدمین فقہاء کا اختلاف پایا جاتا ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ نے ناجائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک کٹے ہوئے حصہ کو دفن کرنا ضروری ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک درست ہے؛ اس لئے کہ انسان کا خود اپنے عضو سے فائدہ اٹھانے میں اس کی اہانت نہیں ہے، اسی پر فتویٰ ہے۔

اس سے متعلق دوسرا مسئلہ ایک انسان کے اعضاء کی دوسرے انسان کے جسم میں پیوند کاری کا ہے، اس کے بارے میں دور حاضر کے فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے، علماء کی ایک جماعت نے مطلق ناجائز قرار دیا ہے، اور بعض دوسرے علماء نے عام حالات میں ناجائز اور اضطرار و ضرورت کی صورت میں جائز کہا ہے، ان کے سامنے فقہ کے مشہور قواعد ہیں: الضرورات تبیح المحظورات (ضرورت کی وجہ سے ناجائز چیزیں جائز قرار پاتی ہیں)، المشقة تجلب التیسیر (مشقت پیدا ہو جائے تو یسر و آسانی کی راہ اختیار کی جاتی ہے)، ان

قواعد کے پیچھے وہ آیات ہیں جن میں اضطرار کی حالت میں جان بچانے کے لئے حرام چیزوں کے استعمال کا ذکر ہے، اسی طرح حالت اکراہ میں کلمۂ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

جن لوگوں نے دوسرے کے اعضاء سے پیوندکاری سے منع کیا ہے، انہوں نے فرمایا: چونکہ انسان کے علیحدہ شدہ اعضاء ناپاک ہوجاتے ہیں اور انسان خود اپنے جسم کا مالک نہیں ہے؛ بلکہ وہ امین ہے؛ لیکن دیکھا جائے تو فقہاء نے ضرورت کے وقت انسانی ضرورت کی رعایت رکھتے ہوئے ان امور کو مباح قرار دیا ہے؛ چنانچہ امام ابویوسفؒ نے ناپاک چیزوں سے علاج کو درست قرار دیا ہے اور اسی پر فتوی ہے، علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ صاحبین کے نزدیک علاج کے لئے گھوڑے کے گوشت اور اونٹ کے پیشاب کے استعمال میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اسی طرح فقہاء نے اپنے جسم میں ایسے تصرف کی اجازت دی ہے جو کسی نص صریح سے متعارض نہ ہو۔

منع کرنے والوں کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ انسان مکرم و معزز ہے اس کی اہانت درست نہیں، اس کے اعضاء سے انتفاع اور اس کی خرید و فروخت اس کی شان تکریم کے خلاف اور اہانت ہے۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں انسانی اعضاء کی پیوندکاری اہانت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ اہانت کا معیار اور حدود کیا ہیں؟ تو قرآن وحدیث میں اس کی واضح تحدید نہیں ملتی، اس لئے یہ عرف وعادت پر محمول ہوگا، جیسا کہ ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اس کی صراحت کی ہے۔ اور عرف وعادت کی صورتیں زمانہ وحالات اور علاقہ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہیں اور بدلتی رہتی ہیں، عین ممکن ہے کہ جن فقہاء نے انسانی اعضاء سے انتفاع کو منع کیا ہے ان کے زمانہ میں یہ عمل توہین تصور کیا جاتا تھا، اور اس دور میں انسانی اعضاء سے انتفاع کے ایسے طریقے رائج نہیں ہوئے تھے کہ شائستہ طور پر انسانی اجزاء سے انتفاع کیا جاسکے جیسا کہ موجودہ دور میں رائج ہوچکے ہیں، اس لئے اس دور میں اس عمل کو توہین تصور نہیں کیا جاتا ہے؛ بلکہ عطیہ کے طور پر اعضاء دینے والا اپنے آپ کو باعزت محسوس کرتا ہے اور لوگ بھی اسے عزت دیتے ہیں اور اس کی قدر و منزلت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا ہے؛ اسی وجہ سے بعض لوگ اپنی نیک نامی کے لئے اس قسم کی وصیت بھی کر جاتے ہیں، موجودہ زمانہ میں اعضاء انسانی سے انتفاع کے ایسے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں جن میں انسانی اہانت نہیں ہے اور نہ ہی عرف میں اس کو اہانت سمجھا جاتا ہے؛ اس لئے اصولی طور پر ان کو درست اور جائز ہونا چاہئے۔ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے بہ ضرورت جب کہ اس میں اہانت انسانی نہ ہو تو جائز قرار دیا ہے۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے لکھا ہے کہ دوسرے فقہی نظائر کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جان کے تحفظ اور بقا کے لئے قابل احترام چیزوں کی اہانت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

نیز موجودہ زمانہ میں اعضاء کی پیوندکاری طبی اعتبار سے اتنی زیادہ ترقی یافتہ ہے کہ اس میں اب جان کی ہلاکت یا ضرر شدید کا اندیشہ باقی نہیں رہا بلکہ بہت ہی محفوظ طریقہ پر اس عمل کو انجام دیا جاتا ہے۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کے دوسرے فقہی سیمینار منعقدہ دہلی بتاریخ 11-8/ دسمبر 1989ء نے اس موضوع پر فیصلہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے :

1. ایک انسان کے جسم کا ایک حصہ اسی انسان کے جسم میں بوقت حاجت استعمال کیا جانا جائز ہے۔

2. اعضاءانسانی کا فروخت کرنا حرام ہے۔

3. اگر کوئی مریض ایسی حالت میں پہونچ جائے کہ اس کا کوئی عضو اس طرح بیکار ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر اس عضو کی جگہ کسی دوسرے انسان کا عضو اس کے جسم میں پیوند نہ کیا جائے تو قوی خطرہ ہے کہ اس کی جان چلی جائے گی، اور سوائے انسانی عضو کے کوئی دوسرا متبادل اس کمی کو پورا نہیں کر سکتا، اور ماہر قابل اعتماد اطباء کو یقین ہے کہ سوائے عضو انسانی کی پیوندکاری کے کوئی راستہ اس کی جان بچانے کا نہیں ہے، اور عضو انسانی کی پیوندکاری کی صورت میں ماہر اطباء کو ظن غالب ہے کہ اس کی جان بچ جائے گی اور متبادل عضو انسانی اس مریض کے لئے فراہم ہے، تو ایسی ضرورت، مجبوری اور بے کسی کے عالم میں عضو انسانی کی پیوندکاری کے ذریعہ اپنی جان بچانے کی تدبیر کرنا مریض کے لئے مباح ہو گا۔

4. اگر کوئی تندرست شخص ماہر اطباء کی رائے کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ اگر اس کے دو گردوں میں سے ایک گردہ نکال لیا جائے تو بظاہر اس کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور وہ اپنے رشتہ دار مریض کو اس حال میں دیکھتا ہے کہ اس کا خراب گردہ اگر نہیں بدلا گیا تو بظاہر حال اس کی موت یقینی ہے اور اس کا کوئی متبادل موجود نہیں ہے تو ایسی حالت میں اس کے لئے جائز ہو گا کہ وہ بلا قیمت اپنا ایک گردہ اس مریض کو دیکر اس کی جان بچائے۔

4.6 فرہنگ

منصوص : جس مسئلہ کے بارے میں قرآن یا حدیث میں صراحت موجود ہو

غیر منصوص : وہ مسئلہ جس کے بارے میں قرآن یا حدیث میں صراحت موجود نہ ہو

تاویل : ایک لفظ میں کئی معنوں کا احتمال ہو، ان میں سے ایک کو غلبہ گمان کی بنیاد پر ترجیح دینا نہ کہ یقین کی بنیاد پر

امیر کی تولیت : امیر مقرر کرنا

فقدان : نایاب

ارباب افتاء : مفتیان، فتوی دینے والا

عارض : پیش کرنے والا

اموال ربویہ : وہ مال جن میں کمی بیشی سے سود کی شکل پیدا ہو جائے

دیون : مؤخر مطالبات یعنی جن کی آدائیگی کا مطالبہ دیر سے ہو فوری نہ ہو

یسر : آسانی

عضو : جمع اعضاء، جسم کا ایک حصہ

انتفاع : نفع حاصل کرنا، فائدہ اٹھانا

4.7 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- بعض فقہی مسائل میں زمانہ و حالات، عرف و عادت، نئے وسائل کی پیدائش اور بدلتے معاشی نظام کی وجہ سے تبدیلی آتی ہے، سیاسی حالات کی تبدیلی کے نتیجہ میں کافر حکمراں کی طرف سے مسلمانوں کے امیر کے انتخاب کو درست قرار دیا گیا، ہندوستان اور اس جیسے جمہوری ممالک میں ووٹ دینا ضروری ہے، ناپاک چیزوں کی خرید و فروخت کو لوگوں کے عرف و تعامل کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا جب کہ ان سے انتفاع ممکن ہو جائے۔
- نئے وسائل کی پیدائش سے مسائل کی شکلیں بدل جاتی ہیں، دیکھئے پہلے زمانہ میں باریک چمڑے کی دباغت مشکل تھی؛ لیکن موجودہ دور میں بالکل آسان ہو گئی، اسکی وجہ سے سانپ کے چمڑے کی خرید و فروخت درست قرار پائی؛ کیوں کہ اسے دباغت دے کر اس سے انتفاع ممکن ہو گیا، اسی طرح جرائم کی تحقیق کے لئے پوسٹ مارٹم کو فقہاء نے جائز قرار دیا۔
- نئے مسائل کے حل کے لئے ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت پڑی ہے اور آئندہ بھی اس کی ضرورت رہے گی؛ کیوں کہ زمانہ کی تیز رفتاری کے ساتھ جدید مسائل بھی اسی رفتار سے پیدا ہو رہے ہیں اور اسلام کی ابدیت اور اس کی پائیداری کے لئے نئے مسائل کا حل پیش کرنا بے حد ضروری ہے، اور یہ اجتہاد اور قیاس کے بغیر ممکن نہیں، پیش آمدہ مسائل کے حل کے لئے اجتہاد سے کام لینے کی روایت عہد رسالت سے آج تک رہی ہے، اور آئندہ بھی رہے گی، دور جدید میں اجتماعی غور و فکر کا رواج فروغ پا رہا ہے جو ایک خوش آئند بات ہے؛ کیوں کہ اس میں انحراف کی گنجائش کم رہتی ہے اور صحیح رائے قائم کرنے میں آسانی ہوتی ہے، ہندوستان میں اجتماعی اجتہاد کے تین اہم مراکز قائم ہوئے: مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ، جمعیۃ علماء ہند کے تحت ادارہ مباحث فقہیہ۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا جو اس وقت سرگرم عمل ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی ادارے کام کر رہے ہیں۔
- معاصر مسائل میں ایک مسئلہ دیون کی ادائیگی قیمتوں کے اشاریہ سے مربوط کرنے کا ہے، بعض معاصر علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے جب کہ اکثر علماء نے ناجائز قرار دیا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے کہ: جو چیز جس مقدار میں ادھار لی گئی ہو، اتنی ہی مقدار میں اس کا مثل ادا کرنا ضروری ہے۔
- ہندوستان میں سود کی حلت کے بارے میں علماء ہند کا اختلاف ہے، بعض علماء نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیتے ہوئے سود مسلم اور غیر مسلم سب سے لینے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اکثر علماء ہند ہندوستان کو دار الحرب قرار نہیں دیتے ہیں بلکہ دار الامن کہتے ہیں اور یہاں سود کے لین دین کو حرام قرار دیتے ہیں۔

4.8 نمونہ امتحانی سوالات

4.8.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. مجلس الفقہ الاسلامی کے قیام کی تجویز کس نے پیش کی؟

(a).ڈاکٹر مصطفی زرقاء (b).ابوالحسن علی ندوی (c).حسین احمد مدنی (d).علامہ یوسف قرضاوی

2. مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی؟

(a).ہندوستان (b).پاکستان (c).بنگلہ دیش (d).نیپال

3. یوروپی افتاء کونسل کا مرکز کہاں ہے؟

(a)آئرلینڈ (b).بنگلہ دیش (c).ہندوستان (d).قطر

4. مجلس تحقیقات شرعیہ کس ادارے نے قائم کیا؟

(a).ندوۃ العلماء (b).دارالعلوم دیوبند (c).جامعۃ الفلاح (d).مدرسۃ الاصلاح

5. مجلس تحقیقات شرعیہ کے بانی کون ہیں؟

(a).محمد علی مونگیری (b).ابوالحسن علی ندوی (c)سید سلیمان ندوی (d).علامہ شبلی نعمانی

6. اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا کی بنیاد کس نے رکھی؟

(a).ابوالحسن علی ندوی (b).مولانا عبدالحئ (c).مجاہد الاسلام قاسمی (d).اشرف علی تھانوی

7. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کی بنیاد کب رکھی گئی؟

1989. (a) 1980.(b) 1970.(c) (d).ان میں سے کسی کی نہیں

8. اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا کی بنیاد کب رکھی گئی؟

1985.(a) 2000.(b) 1956.(c) 1989.(d)

9. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے پہلے نگراں کون تھے؟

(a).مفتی محمد میاں (b).سید سلیمان ندوی (c).ابوالحسن علی ندوی (d).تمام غلط

10. مجلس عاملہ نے ادارۃ المباحث الفقہیہ کو کس سن میں بحال کیا؟

2000.(a) 1990.(b) 1947.(c) 1910.(d)

4.8.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. معاصر دور میں اجتہاد کی روایت پر روشنی ڈالیے۔
2. کاغذی نوٹ کے ذریعہ ادائیگی کے مسئلہ پر بحث کیجیے۔
3. مجلس تحقیقات شرعیہ لکھنو پر بحث کیجیے۔
4. ادارۃ المباحث الفقہیۃ کا تعارف کرایے۔
5. ہندوستان میں سود کی حلت وحرمت پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔

4.8.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. بدلتے حالات میں پیدا ہونے والے چند نئے مسائل پر روشنی ڈالیے۔
2. نئے مسائل کے حل میں اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے طریقہ کار کا تعارف کرائیے۔
3. اعضاء کی پیوندکاری کے بارے میں معاصر اہل علم کی آراء کا جائزہ لیجیے۔

4.9 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. جدید فقہی مسائل : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
2. فکر اسلامی۔ معاصر فقہ اسلامی نمبر : مرتب: محمد اسعد قاسمی
3. فضلاء دیوبند کی فقہی خدمات : مولانا آفتاب غازی قاسمی، مولانا عبد الحسیب قاسمی
4. ندوۃ العلماء کا فقہی مزاج اور ابناء ندوہ کی فقہی خدمات : مولانا منور سلطان ندوی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. A	4.A	5. B
6. C	7. C	8. D	9. A	10 . B

اکائی 5: فقہی مسالک کی تشکیل

اکائی کے اجزا:

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 فقہی مسالک کا مفہوم اور اس کی حقیقت

5.3 فقہی مسالک کی تشکیل کا تاریخی پس منظر

5.3.1 عہد نبوی اجتہاد

5.3.2 عہد صحابہ میں فقہ واجتہاد کی سرگرمیاں

5.3.3 عہد تابعین میں فقہ واجتہاد کی سرگرمیاں

5.3.4 ائمہ مجتہدین کا عہد: فقہی مسالک کی باضابطہ تشکیل

5.4 فقہی مسالک کی تشکیل کے بنیادی محرکات

5.4.1 دینی وعلمی محرکات

5.4.2 سیاسی وجغرافیائی اور تمدنی محرکات

5.5 فقہی مسالک کی تشکیل کی فکری ومنہجی بنیادیں اور خصوصیات

5.6 بعض مسالک جو تشکیل کے بعد باقی نہیں رہے

5.6.1 فقہِ اوزاعی

5.6.2 فقہِ ثوری

5.6.3 فقہِ لیثی

5.6.4 فقہِ داؤد ظاہری

5.7 فرہنگ

5.8 اکتسابی نتائج
5.9 نمونہ امتحانی سوالات
5.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
5.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
5.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

5.0 تمہید

اسلامی علوم میں فقہ کو اس حیثیت سے بنیادی اہمیت حاصل ہے کہ وہ احکام شریعت کے تفصیلی فہم کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ فقہ ہی ہے جو تمدن کی ہمہ جہت ترقی کے ساتھ ہر عہد میں اہل ایمان کو خدا کی منشا کے مطابق زندگی گزارنے میں رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اسلام کی فقہی اور قانونی روایت بہت وسیع اور متمول ہے۔ جس پر گفتگو کے متعدد پہلو ہیں۔ ایک پہلو فقہی مسالک کی تشکیل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس وقت اہل اسلام فقہی بنیادوں پر مختلف مسالک میں تقسیم ہیں۔ چار سنی مسالک وہ ہیں جو چار مشاہیر ائمہ کرام: امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل سے منسوب ہیں جن کے پیروکار پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ سنی مکاتب فقہ میں سے ایک ظاہری (یا اہل حدیث) جماعت ہے۔ ان سنی مسالک کے علاوہ متعدد شیعہ مکاتب فقہ ہیں جیسے جعفری، زیدی ان کے علاوہ اباضی مکتب فقہ۔ سوال یہ ہے کہ ان مسالک کی تشکیل کس طرح عمل میں آئی؟

ظاہر ہے یہ مسالک عہد رسول وصحابہ میں موجود نہیں تھے۔ بلکہ ان کی باضابطہ تشکیل عہد عباسی میں ہوئی۔ تاہم اس کے رجحانات صحابہ کرام کے عہد میں موجود تھے۔ صحابہ کرام کے اندر پائے جانے والے رجحانات تابعین اور ان کے بعد تبع تابعین تک منتقل ہوئے اور آگے چل کر اس نے مختلف مسالک کی شکل اختیار کرلی۔ اس طرح مسالک کی تشکیل ضروری تھی یا نہیں؟ اس سوال سے قطع نظر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہو گا کہ تشکیل کا یہ عمل بہت فطری انداز میں آگے بڑھا۔ یہ عمل کسی سیاسی ایجنڈے کا حصہ نہیں تھا، نہ اسلامی فکر کے زوال کی علامت، جیسا کہ بعض اہل علم کے طبقات میں اس نوع کا تاثر دینے کی کوشش کی جاتی ہے، بلکہ دین کی اپنی ساخت اور انسانی عقل کی اپنی ماہیت جو اپنے طور پر خدا کے پیغام، احکام اور منشا کو جاننے کی کوشش کرتی ہے، اس کا یہی تقاضا تھا۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ دین کی تفہیم میں اختلاف کی روایت سے دنیا کی کوئی بھی مذہبی روایت خالی نہیں ہے۔

5.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اسلامی تاریخ میں فقہی مکاتب یا مسالک کی تشکیل اور اس کے بنیادی اسباب و محرکات سے آگاہ ہو سکیں۔
- عہد نبوی و عہد صحابہ و تابعین میں اس کے اساسی رجحانات کیا تھے اور ان ادوار کے بعد ائمہ مجتہدین اور اس کے بعد کے عہد میں مسالک کی تشکیل کا عمل کس طرح اپنے انجام کو پہنچا، اس کا احاطہ کر سکیں۔
- ان مسالک کے بنیادی اصول و نظریات، ان کے رجحانات اور ان کی اہم خصوصیات پر تبصرہ کر سکیں۔

5.2 فقہی مسالک کا مفہوم اور اس کی حقیقت

اسلام ایک کامل و جامع دین ہے جس میں عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق اور سیاست سمیت زندگی کے تمام پہلوؤں کے لیے رہنمائی موجود ہے۔ شریعت اسلامی کا ایک اہم شعبہ فقہ ہے، جو شریعت کے عملی احکام کی تفصیل اور تعبیر سے متعلق ہے۔ فقہ کی یہ تعبیر ہر دور کے مجتہدین نے اپنے اجتہادی اصولوں اور فہمِ نصوص کی روشنی میں کی، جس کے نتیجے میں مختلف "فقہی مسالک" یا "مکاتبِ فقہ" وجود میں آئے۔ لغوی طور پر "مسلک" کا مطلب ہے راستہ۔ عربی میں مسلک کے بجائے مذہب کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ "المذاہب الفقہیہ" کا مطلب ہے: فقہی مسالک جو بکثرت اردو میں رائج ہے۔ تاہم مسالک کی جگہ مکاتب کا لفظ بھی اردو میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اصطلاحی طور پر فقہی مسلک سے مراد وہ منہج اور منظم علمی نظام ہے جس کے تحت ایک امام یا مجتہد اور اس کے تلامذہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں شرعی احکام کا استنباط کیا، اور ایک مربوط فقہی ذخیرہ تیار کیا۔ یہ فقہی ذخیرہ اصولِ استنباط، مصادرِ شریعت: قرآن و سنت، اجماع، قیاس، استحسان، مصالح مرسلہ، عرف اور دیگر اصولوں پر مبنی ہے۔ اس وقت پوری اسلامی امت فقہی مسلک یا مذہب میں منقسم ہے۔ جس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ وہ احکام شریعت کی تفہیم اور ان پر عمل کے حوالے سے مستند علمائے اسلاف کی تشریح دین پر عمل کرتی ہے۔ انہی کے اصولوں کی بنیاد پر وہ دین کو سمجھنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ براہ راست قرآن و حدیث کو سمجھنے کی کوشش فضول اور ناقابل عمل ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کس و ناکس کے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ دین کے تمام تر احکام کی صحیح معرفت حاصل کر سکے۔ کیوں کہ اس معیار کی صلاحیت کے لیے مختلف طرح کے علوم پر وسیع دسترس ضروری ہے۔ اس لیے جس طرح مثلا ہر شخص انجینیرنگ اور میڈیکل کے امور کی تفصیلات اور گہرائیوں کو سمجھ اور سمجھا نہیں سکتا۔ ہر شخص اپنے مخصوص میدان کے علاوہ دوسرے میدان میں اس میدان کے ماہرین کا محتاج ہوتا ہے، اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ دین کے معاملے میں ائمہ مجتہدین اور علمائے امت کو وہی مقام حاصل ہے۔

اس کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس طرح فلسفہ، سیاسیات، عمرانیات میں مختلف طرح کے اسکول اور ان کے اپنے نظریات اور اصول ہوتے ہیں ایسا ہی معاملہ فقہ کا بھی ہے۔ یہ مسالک جن ائمہ مجتہدین سے منسوب ہیں، ان کی حیثیت دین کے شارع

(شریعت ساز) کی نہیں بلکہ شارح یعنی احکام دین کی شرح کرنے والے کی ہے۔ یہ مسالک خدا کی طرف سے نازل کردہ نہیں ہیں۔ نہ ہی رسول اللہ نے اس کا حکم دیا۔ اس لیے ان مسالک کو نہ ماننے والوں کو دین سے خارج تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ فقہی مسالک، وحی الٰہی کا نعم البدل نہیں بلکہ اس کی اجتہادی تعبیرات ہیں۔ ان کی بنیاد قرآن و سنت ہے، تاہم ان تعبیرات میں فہم کا اختلاف ہونا ایک فطری اور علمی امر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مسلک کو شریعت کا ہم معنی نہیں سمجھا جاسکتا، بلکہ وہ شریعت کا ایک ممکنہ فہم ہے جو ایک خاص علمی منہج کے مطابق مرتب کیا گیا ہے۔ فقہی اختلافات شریعت کے دائرے میں ہوتے ہیں اور ان کا مقصد امت کی سہولت، وسعت اور مختلف احوال کی رعایت ہوتا ہے۔ اس لیے ان اختلافات کو تفرقہ نہیں بلکہ "رحمت" تصور کیا گیا ہے۔ فقہی مسالک کا وجود اسلامی تاریخ میں علمی، سیاسی، ثقافتی اور جغرافیائی اسباب کے تحت ممکن ہوا۔ ان کے ارتقا کی پشت پر ایک مکمل علمی جدوجہد کارفرما ہے۔ ان فقہی مسالک نے اسلامی تہذیب کو عدالتی، تعلیمی، تمدنی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار کیا اور شریعت کو زندہ و متحرک رکھا۔

5.3 فقہی مسالک کی تشکیل کا تاریخی پس منظر

ہم اس عنوان کے تحت فقہی مسالک کی تشکیل کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لیں گے۔ یعنی ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ تیسری صدی میں جو فقہی مسالک باضابطہ شکل میں وجود میں آئے، ان کی ابتدا اور ان کا عہد بہ عہد ارتقا کس طرح ہوا؟

5.3.1 عہد نبوی میں اجتہاد

فقہ کی اصل بنیاد قرآن و سنت ہے۔ عہدِ نبوی میں شریعت کا نزول ہوا۔ اس عہد میں تمام دینی و عملی رہنمائی براہِ راست رسول اللہ سے حاصل ہوتی تھی۔ رسول اللہ ہی معلم، قاضی، مفتی، اور قانون ساز کی حیثیت رکھتے تھے۔ اس دور میں احکام کا نزول وحی کی روشنی میں، واقعاتی و تدریجی انداز میں ہوتا تھا۔ بعض مواقع پر صحابہ کو اجتہاد کی اجازت دی گئی لیکن اصل ماخذ خود رسول اللہ کی ذات اور آپ کی ہدایت و عمل تھا، جس پر فقہ یعنی شریعت کے فہم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ عہد دو مرحلوں پر مشتمل ہے: مکی اور مدنی۔ مکی عہد میں جو تیرہ سالوں پر مشتمل ہے، تفصیلی عملی اور معاشرتی احکام و قوانین نہیں دئے گئے بلکہ اصول ایمان واخلاقیات کی تعلیم دی گئی۔ البتہ دس سالہ مدنی دور میں جب کہ ایک ریاست کا وجود عمل میں آچکا تھا، تفصیلی معاشرتی، معاشی اور سیاسی احکام خدا کی طرف سے نازل کئے گئے۔

اس عہد میں فقہ و تشریع کا ماخذ بنیادی طور پر دو چیزیں تھیں: ایک وحی الٰہی یعنی قرآن اور دوسری سنت۔ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جس میں خدائی رہنمائی کی ضرورت پیش آتی تو خدا کی طرف سے آپ پر جلد یا بدیر وحی نازل ہوتی اور آپ اس کے مطابق اہل ایمان کو عمل کا حکم دیتے۔ اسی طرح جو کام بھی رسول اللہ نے کیا یا اس کا حکم دیا یا اس کی تائید کی، وہ سنت کہلائی جو وحی الٰہی اور رسول اللہ کے اجتہاد دونوں پر مشتمل تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض معاملات میں وحی کا نزول نہیں ہوتا ایسے میں آپ خود اجتہاد کرتے اور اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کرتے اور لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیتے تھے۔ کیوں کہ قرآن میں کہا گیا ہے کہ: "آپ محض اپنی خواہش سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ جو کچھ بھی کہتے ہیں وہ وحی کی بنیاد پر کہتے ہیں۔ (النجم: 3-4) مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں

آپ نے اجتہاد سے کام لیا اور فدیے کی بنیاد پر ان کی رہائی کا فیصلہ کیا جس پر یہ وحی نازل ہوئی کہ آپ کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا۔(الانفال: 67۔68) یا اسی طرح آپ نے فرمایا کہ:"اگر میری امت کے لیے یہ امر مشکل نہیں ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت انہیں مسواک کا حکم دیتا"۔(موطا) اس دور میں علم فقہ کی نوعیت غیر منظم مگر براہ راست نبوی رہنمائی پر مشتمل تھی۔

عہد نبوی میں اکابر صحابہ کو بھی اجتہاد کی اجازت نبوی حاصل تھی۔ معاذ بن جبلؓ کو نبیؐ نے یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کو روانہ کرنے سے پہلے آپؐ نے ان سے فرمایا: جب کوئی معاملہ تمھارے سامنے آئے گا تو کیسے فیصلہ کروگے ؟ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا: میں اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہؐ نے فرمایا: اگر اللہ کی کتاب میں تمھیں اس کا جواب نہیں ملا تو؟ حضرت معاذؓ نے کہا کہ پھر اس کے رسول کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آپؐ نے پوچھا کہ اگر تمھیں رسول اللہؐ کی سنت میں بھی جواب نہ ملا تو کیا کروگے ؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ میں اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کسر باقی نہ رکھوں گا۔ اس جواب پر رسول اللہؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا۔(ابوداؤد) اس عہد میں شرعی احکام و قوانین سازی کی بنیادی خصوصیات مزید یہ تھیں: ایک تو یہ کہ احکام بتدریج نازل ہوتے تھے۔ چنانچہ مثال کے طور پر مرحلہ وار تین مختلف ادوار میں شراب کی مکمل حرمت بیان کی گئی۔ دوسرے، بقدر ضرورت ہی احکام کی تنزیل و تشکیل ہوتی تھی۔ اسی طرح احکام میں آسانی اور سہولت پیش پیش تھی۔

5.3.2 عہد صحابہ میں فقہ واجتہاد کی سرگرمیاں

صحابہ کا عہد رسول اللہؐ کے انتقال کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ عہد 11 ہجری سے شروع ہو کر اواخر اول ہجری تک پہنچتا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کی نیابت میں اور آپ کی ہدایت اور منہج کے مطابق دین و شریعت کی تفہیم و تعبیر کی خدمات انجام دیں۔ اس عہد کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں: خلفائے راشدین کو جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آتا جس میں کوئی نص موجود نہیں ہوتی تو وہ اکابر صحابہ کو جمع کرتے، ان سے معلوم کرتے کہ اس حوالے سے ان کے پاس کوئی نص پہنچی ہے یا نہیں ؟ اگر کسی صحابی کے پاس کوئی حدیث اس تعلق سے مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے، ورنہ وہ اکابر صحابہ کرام کے مشوروں سے اجتہاد فرماتے تھے۔ عام صحابہ کرام کے ساتھ کوئی واقعہ پیش آتا تو سب سے پہلے وہ قرآن و سنت میں غور کرتے۔ اگر ان میں کوئی دلیل مل جاتی تو بہتر ورنہ وہ نصوص شریعت کے مجموعی اسپرٹ کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد فرماتے تھے۔ اسی طرح، اصاغر صحابہ کرام اکابر صحابہ سے رجوع کرتے اور ان سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ صحابہ کے درمیان مسائل شریعت کے استنباط و تفہیم میں اختلافات بھی ہوتے تھے۔

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:"رسول اللہؐ کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام مختلف اطراف و ممالک میں پھیل گئے اور ان میں سے ہر صحابی الگ الگ علاقے میں عوام کا رہنما و پیشوا بن گیا۔ اب ان کے سامنے زندگی کے بے شمار واقعات اور مسائل پیش آئے، جن میں ان سے فتوے پوچھے جاتے اور وہ حدیث کے مطابق جواب دیتے۔ اگر ان کے علم میں حدیث نہ ہوتی تو وہ اجتہاد و استنباط کرتے۔ رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے احکام میں پیش نظر رہنے والی علت معلوم کرتے اور جن مسائل میں وہ علت نظر آتی، وہ وہاں سابق حکم جاری کر دیتے۔۔۔۔ اس طریقہ کار میں صحابہ کے درمیان بعض مسائل میں اختلافات پیش آئے اور ان کے مسالک مختلف ہو گئے"۔ (الانصاف فی بیان سبب

الاختلاف ص،17)

صحابہ کے درمیان اختلاف نظر کی مختلف بنیادیں تھیں۔ شاہ ولی اللہ کی نگاہ میں اس کی پہلی بنیاد یہ تھی کہ ایک صحابی تک ایک حدیث پہنچی اور وہ اس کے نظر و فکر کا مرجع بن گئی لیکن دوسرے صحابی تک وہ حدیث نہیں پہنچ سکی۔ اس لیے طبعی طور پر ان دونوں صحابۂ کرام کے درمیان اس مسئلے میں نقطۂ نظر کا اختلاف پیدا ہو گیا۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرؓ عورتوں کو حکم دیتے تھے کہ جب وہ ناپاکی سے غسل کریں تو اپنے سر کی چوٹی کے بال کھولیں تاکہ پانی بال کی جڑوں تک پہنچ سکے۔ انہیں اس بارے میں رخصت والی حدیث کا علم نہیں تھا۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں اس سے آگاہ کیا۔ اسی طرح، مثال کے طور پر، حضرت عمرؓ کو یہ روایت معلوم نہیں تھی کہ کسی کے گھر میں داخلے سے قبل صاحب خانہ سے تین مرتبہ اجازت لی جائے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے ان کو اس سے آگاہ کیا۔

صحابہ کے درمیان اختلافات کی بنیاد پر استنباط احکام کے حوالے سے مختلف رجحانات پائے جاتے تھے۔ چناں چہ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ (کوفہ) کا رجحان عقل و قیاس کی طرف زیادہ تھا۔ عبداللہ بن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ (مدینہ) کا رجحان اثر و روایت کی طرف زیادہ تھا۔ یہ رجحانات صحابہ کے بعد تابعین کے دور میں پختہ ہو کر سامنے آئے۔ اس دور میں احکام شریعت کی تفہیم و استنباط کے حوالے سے جن صحابہ کرام کو نمایاں مقام حاصل تھا، ان میں عبداللہ ابن عباسؓ (مکہ) عبداللہ ابن مسعودؓ (کوفہ) عبداللہ ابن عمر بن عاصؓ (مصر) خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس عہد میں علامہ ابن قیم کے مطابق، فتوی دینے والے صحابہ کرام کی تعداد 130 سے کچھ اوپر تھی جن میں زیادہ فتاوی میں اشتغال رکھنے والے صحابہ کرام میں عمر بن الخطابؓ، علی بن ابی طالبؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ شامل ہیں۔

5.3.3 عہد تابعین میں فقہ واجتہاد کی سرگرمیاں

تیسرا عہد تابعین کا ہے یہ عہد دوسری صدی ہجری کے آغاز سے اس کے وسط تک پہنچتا ہے۔ اس عہد میں اسلامی مملکت کا دائرہ وسیع ہوا اور اس بنا پر نئی قسم کے مسائل و قضایا سامنے آئے جن کے فہم اور حل کے لیے شرعی احکام کے استنباط کی ضرورت پڑی۔ اس دور میں فقہ کے رجحانات نے پختہ ہو کر مکاتب کے ظہور و تشکیل کی راہ ہموار کی۔ چنانچہ مثال کے بطور پر مدینہ کے علماء: سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر، عبداللہ بن عبداللہ اور قاسم بن محمد وغیرہ کے رجحان پر حدیث کا غلبہ تھا جو آگے چل کر اہل الحدیث کے رجحان کی شکل میں سامنے آیا۔ اس کے مقابلے میں کوفہ کے علماء و فقہاء: علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، حماد بن ابی سلیمان، ابراہیم نخعی وغیرہ پر قیاس و اجتہاد کا غلبہ تھا، جو آئندہ اہل الرائے مکتب فکر کی شکل میں تشکیل پایا جو احناف کی شناخت بنی۔ اس کی مزید وضاحت حضرت شاہ ولی اللہ کے مندرجہ ذیل اقتباس سے ہوتی ہے۔ وہ الانصاف میں لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام کے درمیان بعض مسائل کے جوابات میں اختلافات ہوئے اور ان کے مسالک مختلف ہو گئے۔ ان سے تابعین نے اخذ و استفادہ کیا اور اپنی حسب وسعت احادیث اور صحابہ کے مسالک کو سیکھا اور یاد کیا اور مختلف روایات و اقوال میں تطبیق، ترجیح اور تنقید سے کام لیا۔ اس طرح علمائے تابعین میں ہر تابعی کا علاحدہ مسلک قرار پایا۔ تابعین کی طرف رجوع کرنے والوں نے ان سے احادیث، صحابہ

کے فتاوی اور ان کے اقوال معلوم کیے نیز خود ان تابعین کے مسائل اور ان کی تحقیقات کو حاصل کیا اوراسی نسل کے افراد جب خود مسند آرائے درس ہوئے تو انہوں نے اپنے شیوخ واساتذہ کے نقوش کی پیروی کی اور اس طرح خود ان کے مسالک مختلف ہوئے اور (اور اس کی بنیاد پر آگے) فقہی مذاہب تشکیل پائے"۔(الانصاف فی بیان سبب الاختلاف ص،23)

5.3.4 ائمہ مجتہدین کا عہد: فقہی مسالک کی باضابطہ تشکیل

چوتھا عہد ائمہ مجتہدین کا ہے جو 150 ہجری سے 300 ہجری تک پر مشتمل ہے۔ یہ وہ عہد ہے جس میں فقہا اور ان کے دبستانوں کے درمیان اختلاف کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور اس میں فقہی رجحانات نے باضابطہ متعین مکاتب فقہ کی شکل اختیار کر لی یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی جیسے سنی اور جعفری وزیدی جیسے شیعہ مکاتب فقہ وجود میں آئے۔ اسی طرح حدیث کی تدوین کا عمل صحابہ کرام و تابعین کے عہد سے جاری تھا۔ اب اس عہد میں وہ عروج پر پہنچا اور حدیث کی اہم کتابیں: کتب ستہ وغیرہ وجود میں آئیں اور حدیث کی صحت اور اس کے قبول و عدم قبول کے اصول وضع کیے گئے جس نے آگے باضابطہ اصول حدیث کے فن کی شکل اختیار کی۔ اسی طرح اس چوتھے عہد میں باضابطہ مسالک کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس کے بعد کا عہد تقلید اور جمود کا عہد ہے۔ (عمر الاشقر: تاریخ الفقہ الاسلامی ص، 115) اس عہد کے بعد اس بات پر بالعموم اتفاق کر لیا گیا کہ اب اجتہاد مطلق کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب اجتہاد انہی مسالک کے اندر رہ کر کیا جا سکتا ہے۔

اس عہد میں استنباط احکام کے اصول و مناہج پر بنیادی کتابیں تحریر کی گئیں جیسے امام شافعی کی الرسالہ، امام محمد کی السیر الصغیر، السیر الکبیر وغیرہ۔ اس عہد میں زیادہ تر چاروں مصادر شریعت: قرآن و سنت اور اجماع و قیاس کو بنیاد بنا کر احکام شریعت کے استنباط کی سرگرمیاں جاری رہیں۔

5.4 فقہی مسالک کی تشکیل کے بنیادی محرکات

5.4.1 دینی و علمی محرکات

فقہی مسالک: حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری کی تشکیل اور ارتقا محض علمی اجتہاد کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے مختلف سیاسی، دینی، علمی، اور تمدنی عوامل بھی کار فرما تھے۔ چناں چہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل جیسے ائمہ نے نہ صرف فروعی مسائل میں اجتہاد کیا بلکہ وہ اہل السنہ والجماعہ کے عقائد کے بھی بڑے نمائندے اور شارح تھے۔ ان کی فقہ نے شریعت کو ایک جامع عملی نظام کی صورت دی۔ احادیث کی تدوین، رجال کی تحقیق اور صحیح روایتوں کی چھان پھٹک نے فقہ کو ایک محفوظ علمی شکل دی۔ امام مالک کی موطا اور امام احمد کی مسند اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ ائمہ مذاہب نے نصوص کی تعبیر میں اجتہاد کے اصول مقرر کیے، جن سے بعد میں اصولِ فقہ کے باقاعدہ مناہج وجود میں آئے۔

5.4.2 سیاسی و جغرافیائی اور تمدنی محرکات

دینی و علمی کی طرح اس کے سیاسی اور جغرافیائی عوامل بھی تھے۔ اسلامی خلافت کے تحت نئے علاقے جیسے عراق، شام، مصر، فارس، خراسان، شمالی افریقہ اور اندلس فتح ہوئے تو وہاں کے مقامی رسوم و روایات اور قانونی نظام کا سامنا ہوا۔ ان علاقوں میں پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد اور قیاس پر مبنی فقہ کی ضرورت پڑی۔ ان مسالک نے متعدد فقہی اصولوں کی بنیاد پر مقامی و تمدنی حالات کو مد نظر رکھا اور جدید پیش آمدہ مسائل میں امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ چناں چہ مثلاً اس حوالے سے فقہ مالکی میں مصالح جب کہ فقہ حنفی میں میں استحسان و عرف کو خصوصی اہمیت حاصل رہی۔ متعدد فقہی مذاہب کو سیاسی سرپرستی بھی حاصل ہوئی۔ چناں چہ مثلاً عباسی خلفاء نے حنفی فقہ کی سرپرستی کی جب کہ اندلس میں مالکی فقہ کو حکومتی سرپرستی حاصل ہوئی۔

علما کے مختلف حلقوں کی طرف سے ، جن میں ناپختہ اور غیر منضبط حلقے بھی شامل تھے، اجتہادی سرگرمیوں میں پائے جانے والی افراط و تفریط کو ختم کرنے اور اجتہادی سرگرمیوں کو اصولی سطح پر منظم کرنے کے مقصد سے بھی مسالک کی تشکیل عمل میں آئی۔ ایک بڑا عامل راسخ العقیدہ اسلامی فکر کو مختلف فرقوں کی طرف سے پیش آنے والے چیلنجز تھے۔ جن کے بڑھتے اثرات کے جواب میں سنی مذاہب کی تاسیس اور علمی بنیادیں مضبوط کی گئیں تا کہ اہل سنت کا واضح فکری اور قانونی رخ سامنے آ سکے۔ اسی طرح مختلف شہروں میں علم کے بڑے مراکز وجود میں آئے جیسے مدینہ میں مالکی، کوفہ و بغداد میں حنفی، مکہ میں شافعی اور اندلس اور مغرب عربی میں مالکی فقہ۔

فقہی مسالک کی تشکیل محض چند افراد کی آراء کے مجموعے کی ترتیب کا نام نہیں ہے۔ نہ یہ مسالک کسی باضابطہ ادارے کی سرپرستی میں وجود میں آئے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ ایک جامع تمدنی، سیاسی اور علمی عمل کا فطری نتیجہ ہے۔ اس نے امتِ مسلمہ کو اجتہادی بصیرت کے ساتھ ایک لچکدار مگر شرعی دائرے میں جینے کا فکری سانچہ فراہم کیا۔

5.5 فقہی مسالک کی تشکیل کی فکری و منہجی بنیادیں اور خصوصیات

ہم اب ان سطور میں ائمہ اربعہ اور ظاہری و جعفری اجتہادی و فکری مناہج پر روشنی ڈالیں گے اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ ان مسالک کی وہ کیا خصوصیات اور اصول اختلافات ہیں جن کی بنیاد پر ان مسالک کی الگ الگ تشکیل عمل میں آئی اور انہیں منفرد شناخت حاصل ہوئی۔

ان تمام مسالک کے درمیان پائے جانے والے اختلافات کی نوعیت جزوی ہے۔ تاہم جزوی ہونے کے باوجود وہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کی اہمیت کا ایک پہلو وہ ہے جس کی طرف امام شاطبی نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حوالے سے اشارہ کیا ہے۔ چناں چہ ایک سوال کے جواب میں عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا: مَا أُحِبُّ أَنَّ أَصْحَابَ رَسُولِ اللَّهِ لَمْ يَخْتَلِفُوا؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ قَوْلًا وَاحِدًا كَانَ النَّاسُ فِي ضِيقٍ، وإنما أَئِمَّةٌ يُقْتَدَى بِهِمْ؛ فَلَوْ أَخَذَ أَحَدٌ بِقَوْلِ رَجُلٍ مِنْهُمْ كَانَ فِي سَعَةٍ۔

”مجھے یہ بات پسند نہیں کہ صحابہ کرام کے درمیان اختلاف نہ ہوتا کیوں کہ اگر وہ سب ایک ہی رائے کے حامل ہوتے تو لوگ تنگی

میں پڑ جاتے۔ صحابہ ائمہ ہدایت ہیں۔ کسی بھی صحابی کے قول پر اگر کسی نے عمل کر لیا تو اس کے لیے اس کی گنجائش ہے "۔(ابو اسحاق الشاطبی، الموافقات فی اصول الشریعۃ، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2009ص،796)اس طرح ان مسالک کے درمیان پائے جانے والے اختلافات اور ان کی بنیاد پر تشکیل پانے والے مسالک کی وجہ سے ایک طرف خواہش پرستی اور اباحیت کے رجحان کو لگام دینے میں مدد ملی تو دوسری طرف ان کے ذریعے شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے احکام دین پر عمل کرنے میں لچک کی راہ ہموار ہوئی۔

فقہی مسالک اصولی طور پر ایک کل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس معنی میں یہ سوال اہم ہو جاتا ہے کہ پھر الگ الگ فقہی اسکولوں کی ضرورت کیا ہے؟ تاہم اسی کے ساتھ یہ پہلو پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ اصولی مباحث میں اختلاف کے باوجود ان کی تفصیلات میں ان کے درمیان اختلافات پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ مثلاً کتاب و سنت متفق علیہ مصادر ہیں۔ معتزلہ و خوارج کے علاوہ اس میں کسی کا باضابطہ اصولی اختلاف نہیں رہا ہے۔ لیکن ان کی تفصیلات میں بہت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ ایک فریق کا خیال ہے کہ سنت قرآن کی ناسخ ہے۔ (السنۃ قاضیۃ علی القرآن) یحی بن ابی کثیر اور امام اوزاعی وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ جب کہ امام احمد کا قول ہے کہ میں ایسا کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ سنت کتاب کی ناسخ ہے۔ (بدر الدین الزرکشی: البحر المحیط، ج،4، ص،167) خود سنت کے تصور میں اہل علم کے درمیان اختلاف پائے جاتے ہیں اور اس میں تدریجاً ترقی ہوتی رہی ہے۔ تاہم جہاں تک ثانوی مصادر شریعت کی بات ہے تو اس کے اخذ و رد سے متعلق شدید اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً احناف کے نزدیک استحسان کو خصوصی اہمیت حاصل ہے جبکہ امام شافعی اسے شریعت سازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ (الغزالی: المستصفی، ج،1، ص،409) امام ابو حنیفہ صحابہ یا علمائے کوفہ کے اجماع کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں جبکہ امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو قوی ترین حجت تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ کے یہاں قیاس کو دوسرے ائمہ کے مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل ہے جبکہ امام احمد قیاس کے دائرے کو آخری حد تک محدود کر دیتے ہیں۔

امام احمد کا مشہور قول ہے کہ: من ادعی الاجماع فقد کذب "جو اجماع کا مدعی ہے وہ جھوٹا ہے۔ (البحر المحیط، ج، 4ص،438) کیونکہ اجماع کا اصولی تصور یہ ہے کہ متعلقہ مسئلے پر تمام مجتہدین امت اور اصحاب الرائے متفق ہوں جب کہ اس کے یقین کا حصول محال ہے۔ ابن حزم کے نزدیک صرف اجماع صحابہ حجت ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام، ج،3، بیروت: دار ابن حزم، ص،533)

ان مثالوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہ و اصول فقہ اپنی اساسی اور مجموعی صورت میں کسی ڈھلے ڈھلائے فریم ورک کا نام نہیں ہے۔ اس میں مجتہدین کے اپنے اصول، مناہج، استدلال کے طریقے اور رجحانات کار فرما رہے ہیں۔ انہی فکری اساسات و رجحانات اور مناہج کی بنیاد پر ان کی مذاہب فقہ کو شناخت اور امتیاز قائم ہوا۔ ان تمام اختلافات کو ختم کرنا اور تمام مسالک کو کسی ایک مسلک کے تابع کر دینا نہ کل ممکن تھا اور نہ آج ممکن ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسا کوئی بھی عمل نہ کل امت کے حق میں بہتر تھا اور نہ آج۔

5.6 بعض مسالک جو تشکیل کے بعد باقی نہیں رہے

فقہی مسالک کی تشکیل کے حوالے سے ایک بحث وہ ہے جس کا تعلق اس سوال سے ہے کہ صرف یہ چند فقہی مسائل ہی کیوں باقی

رہے اور ان کی اتباع ہی کیوں لازم قرار پائی۔ دوسرے فقہی مسالک کون تھے اور کیوں باقی نہیں رہے؟ اس کی متعدد وجوہات ہیں جن میں سے اہم یہ ہیں:

ان ائمہ کے اجتہادی افکار تو موجود تھے، مگر ان کے شاگردوں نے ان کی فقہ کو نہ منظم انداز میں مدون کیا، نہ علمی اداروں میں اسے بطور مستقل فقہ رائج کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً امام لیث بن سعد کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا: "لیث امام مالک سے بڑے فقیہ ہیں، مگر ان کے شاگردوں نے ان کی فقہ کو ضائع کر دیا۔" ۔ائمہ اربعہ کے مذاہب کو باقاعدہ مدون کیا گیا اور المبسوط (فقہ حنفی)، المدونہ (فقہ مالکی) اور کتاب الام (فقہ شافعی) جیسی اہم اور اپنے مسالک کی جامع کتابیں وجود میں آئیں۔ مگر طبری، اوزاعی اور لیث بن سعد کی اس قبیل کی کتابیں یا ان کے اصولی متون باضابطہ طور پر محفوظ نہ رہ سکے۔ اسی طرح امام مالک کو مدینہ کے حلقہ علم میں، امام ابو حنیفہ کے شاگردوں کو عباسی حکومت کے ذریعہ اور امام شافعی کو مصر میں علمی تائید حاصل ہوئی۔ ان معدوم مذاہب کو یہ سہولت نہیں مل سکی۔ مزید براں بعض ائمہ (جیسے داود ظاہری) کے اصول نہایت محدود یا سخت گیر تھے، جیسے قیاس کی مکمل نفی، جس نے ان کی فقہ کو وسعت سے محروم رکھا۔ یہ فقہی مذاہب اگرچہ اب عملی طور پر باقی نہیں، لیکن ان کے اقوال و نظریات کتبِ فقہ و فتاویٰ میں محفوظ ہیں، اور آج بھی ان کے اجتہادات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

درج ذیل سطور میں ان میں سے چند کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

5.6.1 فقہِ اوزاعی

اس فقہ کے بانی امام عبد الرحمن الاوزاعی (م 157ھ) ہیں۔ ان کا تعلق شام سے تھا۔ امام اوزاعی دوسری صدی ہجری کے مشہور محدث اور فقیہ تھے۔ امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام سفیان ثوری کے معاصر تھے۔ ان کا فقہی مکتب خاص طور پر شام، اندلس، اور جزیرہ کے علاقوں میں کئی صدیوں تک رائج رہا۔ فقہ اوزاعی کی بنیاد احادیثِ نبویہ اور آثارِ صحابہ پر ہے۔ وہ عقل یا قیاس پر زیادہ اعتماد کرنے کے بجائے نقل اور تعامل پر زور دیتے تھے۔ جیسے امام مالک نے عمل اہلِ مدینہ کو دلیل بنایا، امام اوزاعی بھی اہل شام کے اجماعی تعامل کو معتبر سمجھتے تھے، کیونکہ شام ابتدائی دورِ اسلام میں علمی مرکز بن چکا تھا۔ ان کا مشہور قول ہے: "ہم علم کو قولِ تابعین سے نہیں، بلکہ آثارِ صحابہ اور سنت سے لیتے ہیں"۔ وہ غیر مسلم رعایا کے حقوق کے سخت حامی تھے، اور ان کے ساتھ عدل پر زور دیتے تھے۔

5.6.2 فقہِ ثوری

اس کے بانی امام سفیان ثوری (م 161ھ) ہیں۔ امام ثوری کا فقہی نظام حدیثِ نبوی اور آثارِ صحابہ پر مبنی تھا۔ ان کا فقہی مکتب، جسے "فقہِ ثوری" کہا جاتا ہے، کچھ عرصے تک کوفہ، خراسان اور بعض دوسرے علاقوں میں رائج رہا، لیکن بعد میں یہ مکتب دیگر فقہی مذاہب (خصوصاً فقہ حنفی و شافعی) کے غلبے کے باعث نابود ہو گیا۔ ان کا مشہور قول ہے": الحديث هو المعيار، فمن خالفه رد، وإن كان من أئمة الناس۔ "حدیث ہی معیار ہے۔ تو جو اس کی مخالفت کرے خواہ وہ ائمہ مسلمین میں سے ہی کیوں نہ ہو، اس کے موقف کو رد کر دیا جائے گا"۔ کوفہ کی علمی روایت کے تحت وہ قیاس کو جائز سمجھتے تھے، مگر اس کا اعتدال سے استعمال کرتے، اور بلا دلیل رائے کے سخت ناقد تھے۔ ان کے فتاویٰ

میں زہد، تقویٰ، اور احتیاط کا نمایاں پہلو نظر آتا ہے۔ مشکوک امور میں توقف، دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی جواب دہی کا احساس ان کی فقہ کا امتیاز ہے۔

5.6.3 فقہِ لیثی

فقہ لیثی لیث بن سعد (م 175ھ) سے منسوب ہے۔ وہ مصر میں پیدا ہوئے اور وہیں علمی شہرت حاصل کی۔ امام لیث بن سعد کو امام شافعی، امام مالک، اور دوسرے ائمہ نے انتہائی بلند مقام کا حامل قرار دیا۔ امام شافعی کا قول اوپر نقل کیا جاچکا ہے کہ: اللیث أفقه من مالک، ولکن ضیعه أصحابه۔ ''لیث بن سعد امام مالک سے زیادہ بڑے فقیہ ہیں لیکن ان کے اصحاب نے ان کے علم کو ضائع کر دیا''۔ امام لیث حدیث پر گہرا عبور رکھتے تھے۔ ان کی فقہ کا دار و مدار حدیث و سنتِ نبوی پر تھا۔ جیسے امام مالک اہلِ مدینہ کے عمل کو حجت سمجھتے تھے، امام لیث بھی اہلِ مصر کے اجماعی تعامل کو فقہی استدلال میں شامل کرتے تھے۔ اسی طرح وہ مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتے تھے تاہم وہ اصول شریعت سے متصادم استحسان کے قائل نہ تھے۔ ان کے ہاں اجتہاد میں مصلحت کا اعتدال پسند استعمال نمایاں تھا۔

5.6.4 فقہِ داؤد ظاہری

فقہِ ظاہری، جس کی نسبت امام داؤد بن علی الظاہری (م:270ھ) کی طرف ہے، اسلامی فقہ کا ایک اہم مگر اب نابود ہو چکا مکتب فکر ہے۔ اس کا شمار تاریخی طور پر معروف فقہی مکاتب میں ہوتا ہے، اور اس کے پیروکاروں کو ظاہریہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ بعد میں ابن حزم اندلسی (م:456ھ) نے اس مکتب کو علمی طور پر دوبارہ زندہ کیا، لیکن اجتماعی سطح پر یہ مسلک قائم نہ رہ سکا۔ ظاہریہ قرآن و سنت کے الفاظ کو ان کے ظاہر پر محمول کرتے ہیں، جب تک کہ صریح دلیل مجاز یا تاویل پر نہ ہو۔ وہ تاویلات، قیاس اور استحسان کو باطل فقہی طریقے سمجھتے ہیں۔ امام داؤد کا قول ہے: لیس لنا إلا ما فی کتاب الله أو سنة نبیه۔ ''ہمیں صرف اس سے غرض ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول میں ہے''۔ وہ اجماع میں صرف اجماع صحابہ کو تسلیم کرتے ہیں۔ بعد کے زمانوں کا اجماع ان کے نزدیک قابل حجت نہیں۔ اگر کوئی حدیث صحیح سند سے ہو، تو وہ اسے قبول کر لیتے ہیں، چاہے اس پر عمل متواتر نہ ہو۔

5.7 فرہنگ

معدوم	:	غیر موجود، غائب، ناپید
نعم البدل	:	اچھا بدل، کسی چیز کا مناسب بدل
عدم قبول	:	قبول نہ ہونا، مسترد ہونا
راسخ العقیدہ	:	پُختہ عقیدے والا، اپنے عقیدے پر قائم رہنے والا
نابود	:	غائب، غیر موجود، مفقود، ناپید

5.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- لغوی طور پر "مسلک" کا مطلب ہے راستہ، جب کہ اصطلاحی طور پر فقہی مسلک سے مراد وہ منہج اور منظم علمی نظام ہے جس کے تحت ایک امام یا مجتہد اور اس کے تلامذہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں شرعی احکام کا استنباط کیا، اور ایک مربوط فقہی ذخیرہ تیار کیا۔ شریعت اسلامی کا ایک اہم شعبہ فقہ ہے، جو شریعت کے عملی احکام کی تفصیل اور تعبیر سے متعلق ہے۔ فقہ کی یہ تعبیر ہر دور کے مجتہدین نے اپنے اجتہادی اصولوں اور فہمِ نصوص کی روشنی میں کی، جس کے نتیجے میں مختلف "فقہی مسالک" یا "مکاتبِ فقہ" وجود میں آئے۔ فقہی مسالک کا وجود اسلامی تاریخ میں علمی، دینی، سیاسی، ثقافتی اور جغرافیائی اسباب کے تحت ممکن ہوا۔ ان کے ارتقاء کی پشت پر ایک مکمل علمی جدوجہد کارفرما ہے۔ فقہی مسالک نے اسلامی تہذیب کو عدالتی، تعلیمی، تمدنی اور اخلاقی بنیادوں پر استوار کیا اور شریعت کو زندہ و متحرک رکھا۔
- فقہی مسالک کی تشکیل کا اپنا تاریخی پس منظر ہے۔ جو عہد نبوی سے شروع ہو کر تیسری صدی میں ائمہ مجتہدین تک پہنچتا ہے۔ عہد نبوی میں فقہ و تشریع کا ماخذ بنیادی طور پر دو چیزیں تھیں: ایک وحی الٰہی یعنی قرآن اور دوسری سنت۔ جب بھی کوئی واقعہ رسول اللہؐ کو پیش آتا تو خدا کی طرف سے آپ پر جلد یا بدیر وحی نازل ہوتی اور آپ اس کے مطابق اہل ایمان کو عمل کا حکم دیتے۔ تیسرا ماخذ رسول اللہؐ کا اجتہاد ہے۔ بعض صحابہ کرام نے رسول اللہؐ کی نیابت میں اور آپ کی ہدایت اور منہج کے مطابق دین و شریعت کی تفہیم و تعبیر کی خدمات انجام دیں۔ احکام تعبیر و استنباط میں صحابہ کرام کے درمیان مختلف مسائل میں اختلاف ہوتے تھے۔ ان اختلافات کی بنیاد پر استنباط احکام کے حوالے سے ان کے درمیان مختلف رجحانات ظہور میں آئے۔ چناں چہ مثلاً عبد اللہ بن مسعودؓ (کوفہ) کا رجحان عقل و قیاس کی طرف زیادہ تھا۔ عبد اللہ بن عمرؓ اور زید بن ثابتؓ (مدینہ) کا رجحان اثر و روایت کی طرف تھا۔ تابعین کے دور میں فقہ کے رجحانات نے پختہ ہو کر مکاتب کے ظہور و تشکیل کی راہ ہموار کی۔ اور اگلے مرحلے میں جو تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے عہد سے عبارت ہے، باضابطہ متعین مکاتب فقہ کی شکل اختیار کر لی یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی جیسے سنی اور جعفری اور زیدی جیسے شیعہ مکاتب فقہ وجود میں آئے۔
- فقہی مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفری کی تشکیل اور ارتقاء محض علمی اجتہاد کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے مختلف سیاسی، دینی، علمی، اور تمدنی عوامل بھی کارفرما تھے۔ ایک بڑا عامل راسخ العقیدہ اسلامی فکر کو مختلف فرقوں کی طرف سے پیش آنے والے چیلنجز تھے۔ جن کے بڑھتے اثرات کے جواب میں سنی مذاہب کی تاسیس اور علمی بنیادیں مضبوط کی گئیں تاکہ اہل سنت کا واضح فکری اور قانونی رخ سامنے آسکے۔

- اسلامی خلافت کے تحت نئے علاقے جیسے عراق، شام، مصر، فارس، خراسان، شمالی افریقہ اور اندلس فتح ہوئے تو وہاں کے مقامی رسوم و روایات اور قانونی نظام کا سامنا ہوا۔ ان علاقوں میں پیش آنے والے نئے مسائل کے حل کے لیے اجتہاد اور قیاس پر مبنی فقہ کی ضرورت پڑی۔ علما کے مختلف حلقوں کی طرف سے، جن میں ناپختہ اور غیر منضبط حلقے بھی شامل تھے، اجتہادی سرگرمیوں میں پائے جانے والی افراط و تفریط کو ختم کرنے اور اجتہادی سرگرمیوں کو اصولی سطح پر منظم کرنے کے مقصد سے بھی مسالک کی تشکیل عمل میں آئی۔ فقہی مذاہب کی تشکیل محض چند افراد کی آراء کا مجموعہ نہیں تھا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ ایک جامع تمدنی، سیاسی اور علمی عمل کا فطری نتیجہ ہے۔ تمام مسالک ایک کل کی طرح ہونے کے باجود ایک سطح پر اپنی منفرد خصوصیات کے حامل ہیں۔
- کچھ مسالک یا مذاہب وہ تھے جو تشکیل کے بعد باقی نہیں رہے۔ ان مذاہب میں امام سفیان ثوری، اوزاعی، طبری اور لیث بن سعد وغیرہ کے مسالک شامل ہیں۔
- فقہِ ظاہری، جس کی نسبت امام داؤد بن علی الظاہری (م:270ھ) کی طرف ہے، اسلامی فقہ کا ایک اہم مگر اب نابود ہو چکا مکتب فکر ہے۔ اس کا شمار تاریخی طور پر معروف فقہی مکاتب میں ہوتا ہے، اور اس کے پیروکاروں کو ظاہریہ کہا جاتا ہے۔

5.9 نمونہ امتحانی سوالات

5.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. لغوی طور پر مسلک کے معنی کیا ہیں؟

(a). راستہ (b). طریقہ (c). مذہب (d). اصول

2. کوئی نیا مسئلہ پیش آنے پر خلفائے راشدین؟

(a). خود فیصلہ کر دیتے تھے (b). اکابر صحابہ سے مشورہ کرتے تھے

(c). اجتہاد کرتے تھے (d). تمام صحابہ کی رائے معلوم کرتے تھے

3. تابعین کا عہد کہاں تک پھیلا ہوا ہے؟

(a). پہلی صدی سے دوسری صدی تک (b). دوسری صدی سے تیسری صدی تک

(c). دوسری صدی کے وسط سے تیسری صدی تک (d). دوسری صدی کے آغاز سے اس کے وسط تک

4. فقہی مسالک کی تشکیل کا بنیادی محرک کیا ہے؟

(a). صرف سیاسی (b). صرف دینی و علمی (c). سیاسی و تمدنی (d). مذکورہ تمام

5. شریعت کے مصادر میں سے استحسان کس سے منسوب ہے؟

(a). فقہ حنفی سے (b). شافعی سے (c). مالکی سے (d). حنبلی سے

6. قیاس کو کون سا مکتب فکر تسلیم نہیں کرتا؟

(a). جعفری (b). مالکی (c). شافعی (d). ظاہری

7. بہت سے مکاتب فقہ باقی نہیں رہے اس کی وجہ کیا تھی؟

(a). مسلک کی سختی (b). امام کی اجتہادی صلاحیت میں کمی

(c). اصول اور اجتہادات کا مدون نہ ہونا (d). ان کے ماننے والوں کی کمی

8. لیث بن سعد کا تعلق کہاں سے تھا؟

(a). مصر سے (b). کوفہ سے (c). مکہ سے (d). مدینہ سے

9. اہل الرائے کسے کہا جاتا تھا؟

(a). شوافع کو (b). مالکیوں کو (c). احناف کو (d). جعفری فقہ کے ماننے والوں کو

10. رسول اللہؐ نے جس صحابی کو اجتہاد کی اجازت دی تھی، ان کا نام کیا ہے؟

(a). معاذ بن جبلؓ (b). عبد اللہ ابن مسعودؓ (c). عبد اللہ ابن عباسؓ (d). عمر بن الخطابؓ

5.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. عہد نبوی میں فقہ کی صورت حال پر روشنی ڈالیے۔
2. فقہ اوزاعی اور ثوری کی خصوصیات لکھیے۔
3. فقہی مسالک کی تشکیل کے بنیادی محرکات پر ایک مختصر نوٹ تحریر کیجیے۔
4. فقہی مسلک کے مفہوم اور حقیقت کی وضاحت کیجیے۔
5. عہد صحابہ میں فقہ واجتہاد کی صورت حال کا جائزہ لیجیے۔

5.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہی مسالک کی تشکیل کے تاریخی پس منظر کا عہد بہ عہد تفصیل کے ساتھ جائزہ لیجیے۔
2. مسالک کی تشکیل کی فکری و فقہی بنیادوں پر ایک تفصیلی نوٹ تحریر کیجیے۔
3. نابود مذاہب فقہ پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

5.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ فقہ شیخ محمد خضری بک، ترجمہ : محمد تقی عثمانی و مولانا حبیب احمد ہاشمی
2. فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر : مولانا محمد تقی امینی
3. محاضرات فقہ : ڈاکٹر محمود احمد غازی
4. تاریخ فقہ اسلامی : مولانا عبد السلام ندوی
5. علم اصول فقہ: ایک تعارف : ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2. B	3. D	4. D	5. A
6. D	7. C	8. A	9. A	10 .A

اکائی 6: فقہی مسالک کا تعارف حصہ اول: حنفی، مالکی

اکائی کے اجزا:

6.0 تمہید

6.1 مقصد

6.2 حنفی

6.2.1 قانون اسلامی کی تدوین

6.2.2 فقہ حنفی کے بنیادی خدوخال

6.2.3 فقہ حنفی کی خصوصیات

6.3 فقہ مالکی

6.3.1 الکتاب

6.3.2 السنۃ

6.3.3 آثار صحابہ

6.3.4 اجماع

6.3.5 عمل اہل مدینہ

6.3.6 قیاس

6.3.7 مصالح مرسلہ

6.3.8 استصحاب

6.3.9 سد ذرائع

6.3.10 عرف وعادات

6.3.11 فقہ مالکی کا حلقہ اثر

6.4 فرہنگ
6.5 اکتسابی نتائج
6.6 نمونۂ امتحانی سوالات
6.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
6.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
6.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
6.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

6.0 تمہید

جیسا کہ آپ نے پچھلی اکائیوں میں پڑھا کہ فقہ کا آغاز وحی الٰہی کے نزول اور نبی ﷺ کے عہد میں ہی ہو گیا تھا۔ اور آپ ﷺ کی وفات تک شریعت مکمل ہو گئی۔ نبی ﷺ کی وفات کے بعد پیش آنے والے نئے مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث کی نص کے اعتبار سے صحابہ فتوی دیتے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کے دور میں ہی فقہی مراکز مختلف شہروں میں قائم ہو چکے تھے۔ صحابہ کے بعد تابعین نے ان مراکز کو مزید فروغ دیا اور بنو عباس کے عہد میں متعدد فقہی مسالک یا مکاتب کی تشکیل ہوئی۔ لیکن رفتہ رفتہ اکثر فقہی مسالک معدوم ہو گئے۔ اور کچھ مذاہب کو شرف قبولیت حاصل ہوا۔ معروف اور رائج فقہی مسالک میں اہل سنت والجماعت میں فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی، فقہ اہل حدیث اور اہل تشیع میں فقہ جعفری، فقہ زیدیہ اور فقہ اباضیہ ہیں۔ اس اکائی میں ہم فقہ حنفی اور فقہ مالکی مسالک کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خصوصیات، ان کے خدوخال، نشوونما اور ان کے اصول بیان کیے گیے ہیں۔

6.1 مقصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- فقہ حنفی کی تشکیل کا جائزہ لے سکیں۔
- امام ابو حنیفہ کے طریقہ اجتہاد پر گفتگو کر سکیں۔
- امام مالک بن انس کی فقہ کی خصوصیات کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکیں۔
- امام مالک بن انس کے منہج پر تبصرہ کر سکیں۔

6.2 حنفی

عراق امام ابو حنیفہؒ کا مسکن و مولد اور حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کی فکر کا گہوارہ تھا، ان کے بعد ابراہیم نخعیؒ اس خطے میں فقہ کے سب سے بڑے امام ہوئے۔ انہوں نے مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ بھی تیار کیا۔ امام ابو حنیفہؒ کے استاد حضرت حمادؒ اگرچہ بلند پایہ مجتہد تھے؛ مگر فقہ کی ترویج و اشاعت میں کوئی قابل ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکے۔ ان کے انتقال کے بعد جب امام ابو حنیفہؒ مسند نشین ہوئے تو علمی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو گیا۔ امام ابو حنیفہؒ کے زمانے تک فقہ کے کچھ مسائل ہی مدون ہوئے تھے، وہ بھی زیادہ تر زبانی روایت پر ہی مبنی تھے، دوسرے جو کچھ بھی تھا اس کی کوئی فنی حیثیت نہ تھی، نہ استنباط و استدلال اور تصریح کے قواعد مرتب تھے۔ حدیثوں میں امتیاز مراتب نہ تھا اور شبہ النظیر علی النظیر کا کوئی قاعدہ بھی نہیں بنا تھا۔ مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تھا۔ اس کو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کے لیے بہت سے زینے باقی تھے۔ دوسری طرف فتوحات اسلامی کی کثرت کی وجہ سے اسلامی تمدن کا دائرہ ہر روز وسیع تر ہوتا جا رہا تھا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آتے کہ نصوص منقولہ سے استنباط و اجتہاد کے بغیر ان کا حل نکالنا مشکل ہو گیا تھا، نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کی تھی کہ زبانی روایت اس کا تحمل نہیں کر سکتی تھی۔ ایسے وقت میں قدرتی طور پر ضرورت محسوس ہونے لگی تھی کہ ان جزئیات کو اصول کے ساتھ ترتیب دے کر ایک فن بنایا جائے نیز ہر روز پیش آنے والے مسائل کا پیشگی حل تلاش کیا جائے۔

امام ابو حنیفہ نے فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین پر کئی جہات سے کام شروع کیا، جزئیات مسائل کو ایک لڑی میں پرویا، نصوص شرعیہ سے استفادے کی شکلیں متعین کیں، استنباط و استخراج کے اصول مقرر کیے اور مستقبل میں آنے والے مسائل کا پیشگی حل تلاش کرنے کے لیے ''فقہ تقدیری'' کے نام سے الگ الگ فن کی بنیاد ڈالی جو ان کا اختصاص بھی تھا۔

6.2.1 قانون اسلامی کی تدوین

امام ابو حنیفہؒ کا سب سے بڑا کارنامہ جس نے انہیں لازوال عظمت عطا کی، یہ تھا کہ انہوں نے اس عظیم خلا کو پُر کر دیا جو خلافت راشدہ کے بعد شوریٰ کا سد باب ہو جانے سے اسلامی قانونی نظام میں واقع ہو گیا تھا۔ ایک صدی کے قریب اس حال پر گزر جانے سے جو نقصان رونما ہو رہا تھا اسے ہر صاحب فکر آدمی محسوس کر رہا تھا۔ ایک طرف مسلم ریاست کے حدود سندھ سے اسپین تک پھیل چکے تھے۔ بیسیوں قومیں اپنے الگ الگ تمدن، رسم و رواج اور حالات کے ساتھ اس میں شامل ہو چکی تھیں۔ اندرون ملک مالیات کے مسائل، تجارت، زراعت اور صنعت و حرفت کے مسائل، شادی بیاہ کے مسائل، دستوری، دیوانی اور فوج داری قوانین و ضوابط کے مسائل روز بروز سامنے آ رہے تھے۔ بیرون ملک دنیا بھر کی قوموں سے اس عظیم سلطنت کے تعلقات تھے اور ان میں جنگ، صلح، سفارتی روابط، تجارتی لین دین، بحری و بری مسافرت، کسٹم وغیرہ کے مسائل پیدا ہو رہے تھے اور مسلمان چوں کہ اپنا ایک مستقل نظریہ، اصول حیات اور قانون رکھتے تھے، اس لیے ناگزیر تھا کہ وہ اپنے ہی نظام قانون کے تحت ان بے شمار نت نئے مسائل کو حل کریں۔ غرض ایک طرف وقت کا یہ زبردست

چیلنج تھا جس سے اسلام کو سابقہ تھا اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ ملوکیت کے دور میں کوئی ایسا مسلم آئینی ادارہ باقی نہ رہا تھا جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ اہل علم اور فقیہ اور مدبر بیٹھ کر ان مسائل پر سوچتے اور شریعت کے اصولوں کے مطابق ان کا ایک مستند حل پیش کرتے جو سلطنت کی عدالتوں اور اس کے سرکاری محکموں کے لیے قانون قرار پاتا اور پوری مملکت میں یکسانی کے ساتھ اس پر عمل کیا جاتا۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے امام ابو حنیفہؒ نے ایک سرکاری مجلس قانون وضع کی۔ جس کے ممبران امام ابو حنیفہؒ کے اپنے شاگرد تھے۔ ان میں سے قریب قریب ہر شخص امام کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی قرآن، حدیث، فقہ اور دوسرے مددگار علوم، مثلاً لغت، نحو، ادب اور تاریخ وسیر کی تعلیم حاصل کر چکا تھا۔ مختلف شاگرد مختلف علوم کے اختصاص کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ اس مجلس میں 83/ہزار قانونی مسائل طے کیے گیے تھے۔ اس میں صرف وہی مسائل زیر بحث نہیں آتے تھے جو اس وقت تک عملاً لوگوں کو یا ریاست کو پیش آچکے تھے؛ بلکہ معاملات کی امکانی صورتیں فرض کر کے ان پر بحث کی جاتی تھی اور ان کا حل تلاش کیا جاتا تھا؛ تاکہ آئندہ کوئی نئی صورت پیش آجائے جو اب تک پیش نہ آئی ہو تو قانون میں پہلے سے ہی اس کا حل موجود ہو۔

6.2.2 فقہ حنفی کے بنیادی خدوخال

فقہ حنفی مقبول ترین فقہ ہے۔ مؤرخین نے اس کی مقبولیت کا بڑی گہرائی کے ساتھ تجزیہ کیا ہے۔ مقبولیت کا سب سے اہم سبب اس کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

امام ابو حنیفہ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و سنت سے مسائل کے لیے استخراج و استنباط کے مناسب اصول وضع کیے۔ جن کی وجہ سے فقہ اسلامی ایک مستقل فن بن گیا۔ امام ابو حنیفہ نے ایسے وقت میں وضع اصول کی بنیاد ڈالی جب کہ بیشتر فنون ابھی بالکل ابتدائی مرحلے میں تھے۔ یہاں تک کہ نقل و کتابت کا رواج بھی بہت ہی کم تھا۔

یہ سچ ہے کہ عہد صحابہ و تابعین میں بھی قرآن و سنت سے استنباط مسائل کا رواج تھا اور فقہاء صحابہ و تابعین کچھ اصولوں کی بنیاد پر ہی یہ کام کیا کرتے تھے؛ مگر یہ اصول نہ منضبط تھے اور نہ ہی متعارف۔ چوں کہ امام ابو حنیفہ کے پیش نظر فقہ کو مجتہدانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا تھا۔ اس لیے استنباط و استخراج مسائل کے ایسے فطری و بنیادی اصول وضع کرنے پڑے، جو انسانی معاشرے کی ضرورتوں کے مطابق ہوں اور ان سے استفادہ کرنا ہر ایک کے لیے آسان ہو۔ چناں چہ اصول اربعہ (قرآن، حدیث، اجماع، قیاس) کی توضیح، حدیث کے مراتب اور ان کے احکام، جرح و تعدیل کے اصول، اجماع کے حدود و ضوابط، قیاس کے اقسام و شرائط، احکام کی انواع، عموم کی خصوص و تحدید، رفع تعارض کے قواعد، فہم مراد کے طرق، یہ مسائل ہیں جو فقہ و اصول فقہ کے بنیادی ارکان ہیں اور ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کیے، جو آج بھی فقہ حنفی کی کتابوں میں موجود ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جو آج نہ صرف فقہ حنفی بلکہ پوری فقہ اسلامی کی بنیاد ہیں جو بلاشبہ امام ابو حنیفہ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

احادیث نبویہ سے اخذ و استفادہ کے متعلق امام ابو حنیفہؒ نے جو اصول وضع کیے، وہ فقہ اسلامی کی جان ہیں۔ امام صاحب نے تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کی حیثیت متعین کر دی اور ان سے استفادہ کی راہیں مقرر کیں۔ اس کے علاوہ نقل و روایت میں ثقافت کے معیار اور

احادیث کے قرآن اور عقل انسانی کے مطابق ہونے پر جو رائیں پیش کی ہیں، وہ بہت مہارت اور کمال علم کی دلیل ہیں۔

بحث احادیث کے علاوہ انہوں نے فقہ اسلامی کے لیے دوسرے اصول وضع کیے۔

(تواتر سے جو بات ثابت نہ ہو وہ قرآن نہیں ہے۔ قرآن مجید میں خبر احاد کے ذریعہ کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکتا، مطلق کا مقید پر اطلاق نص پر زیادتی ہے۔ قرآن مجید کی عمومیت خبر احاد سے خاص نہیں ہوتی۔ عام بھی خاص کی طرح قطعی ہے۔ خاص اگر متاخر ہو تو وہ خاص کو بھی عام کر دیتا ہے۔ کسی چیز کی ممانعت اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔)

فقہ حنفی کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ پہلے حصے کی بہ نسبت زیادہ وسیع ہے اور وہ خاص حصہ ہے۔ اس میں امام ابو حنیفہ بلاشبہ تمام مجتہدین میں ممتاز ہیں؛ بلکہ علامہ شبلی نعمانی کے بقول اگر اسلام میں کوئی شخص واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں۔

مسلمانوں میں توضیح قانون کا کام ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا ہے، جو مذہبی پیشوا تھے اور مذہبی قوانین میں نہایت غلو رکھتے تھے؛ لیکن امام ابو حنیفہ اس صف میں اپنے معاصرین میں سب سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس دوسرے حصے کی جس طرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اس کی جزئیات کا استقصاء کیا وہ اس زمانے کا نہایت وسیع قانون تھا اگرچہ اس کی تعبیر ایک عام لفظ فقہ سے کی جاتی ہے؛ لیکن در حقیقت اس میں بہت سے قوانین تھے جو آج کی تعلیم یافتہ دنیا میں (ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیئے گئے ہیں) وہ جدا جدا قانون کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً قانون معاہدہ، قانون بیع، قانون لگان و مال گزاری، تعزیرات ضابطہ فوج داری وغیرہ وغیرہ۔

6.2.3 فقہ حنفی کی خصوصیات

1. فقہ حنفی کی سب سے اہم خصوصیت مسائل کا اسرار و مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ تمام احکام مقید ہیں، ان میں کوئی مصلحت تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب کہ دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے؛ لیکن در حقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں، پھر اپنے موقف کی حمایت میں فریقین نے دلائل بھی فراہم کرنے کی کوشش کی۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر بحث و اختلاف کے لائق نہ تھا۔ اس سے کون اختلاف کر سکتا ہے بیشتر احکام و مسائل کی مصلحت خود قرآن نے بیان کر دی ہے۔ مثلاً نماز کی مصلحت برائیوں سے روکنا ہے۔ "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ" روزہ سے تقوی و طہارت کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ شراب کے بارے میں فرمایا:

"وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا" اس طرح ہر مسئلہ اور حکم کے بارے میں وضاحتاً یا اشارتاً کوئی مصلحت ضرور بیان کی گئی ہے۔ امام ابو حنیفہ کا ابتداء سے ہی یہی مذہب رہا ہے اور اپنے تمام اصول میں انہوں نے اس بات کو ضرور پیش نظر رکھا ہے۔

2. حنفی فقہ دوسری فقہوں کی بہ نسبت زیادہ سہل العمل ہے۔ یہ بات قرآن وسنت کے مزاج کے عین موافق ہے۔ قرآن میں بڑی وضاحت کے ساتھ متعدد بار کہا گیا ہے کہ اللہ تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں آسان شریعت لے کر آیا ہوں۔'' آپ ہی کا مشہور قول ہے ''الدین یسر''۔

امام ابو حنیفہ نے اپنی فقہ میں قرآن وسنت کی ان واضح ہدایات کے پیش نظر نرمی وسہولت کا بھرپور خیال رکھا ہے، ان کے مسائل ایسے نرم اور آسان ہیں جو شریعت اسلامی کے شایان شان ہیں۔

3. امام ابو حنیفہؒ کے عہد تک ''معاملات'' کے احکام بالکل ابتدائی حالت میں تھے، جو متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لیے بالکل ناکافی تھے۔ اس وقت تک نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے، نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا، نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی قاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے اور اس میں اس درجہ مہارت دکھائی کہ بعد کے ائمہ و مجتہدین میں سے بھی کوئی ایسا جامع اور متوازن قانون نہ بنا سکا۔ فقہ اسلامی کا جن لوگوں نے تقابلی مطالعہ کیا ہے، سب نے فقہ حنفی کی اس خصوصیت کا فراخ دلی سے اعتراف کیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے 'سیرۃ النعمان' میں متعدد مثالوں سے اس فرق کو بڑی اچھی طرح واضح کیا ہے۔

4. فقہ اسلامی کی ایک اور نمایاں خصوصیت ذمیوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ فقہ حنفی نے اہل الذمہ کو جس فیاضی اور آزادی کے حقوق دیے ہیں، اس کی نظیر نہ تو کسی فقہی مسلک میں پائی جاتی ہے اور نہ ہی حقوق انسانی اور مساوات کی علم بردار حکومتوں میں سے کسی نے وہ حقوق دیے ہیں۔

5. فقہ حنفی کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن میں ائمہ کا اختلاف ہے، ان میں امام ابو حنیفہ جو پہلو اختیار کرتے ہیں وہ بالعموم قوی اور مدلل ہوتا ہے۔

بنیادی طور پر فقہ حنفی کی ابتدائی کتابوں کو تین حصوں میں منقسم کیا گیا ہے، پہلا: ظاہر روایت، دوسرا: نوادر، تیسرا: فتاوی وواقعات، یہ تقسیم فقہی مسائل کی اہمیت ودرجہ کے اعتبار سے ہے۔ ظاہر روایت کی کتابوں کے مسائل زیادہ قابل اعتماد اور راجح سمجھے جاتے ہیں، ظاہر روایت سے مراد امام محمدؒ کی چھ کتابیں ہیں۔

فقہ حنفی کی ابتدائی کتابیں

فقہ حنفی کا دارومدار امام محمد کی چھ کتابوں: المبسوط، الجامع الصغیر، الجامع الکبیر، الزیادات ، کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر پر ہے، جن کو ظاہر روایت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے بعد نوادر اور فتاوی وواقعات کا نمبر آتا ہے، نوادر میں ہارونیات، کیسانیات، کتاب الامالی اور کتاب المجرد شامل ہے، فتاوی واقعات میں خاص طور پر ابو اللیث سمرقندی کی کتاب النوازل قابل ذکر ہے۔

اہل سنت والجماعت کے چاروں مذاہب میں سب سے قدیم مذہب حنفی ہے، اس کی نشو ونما کوفہ میں ہوئی جہاں ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرامؓ خیمہ زن ہوئے، جن میں 24 بدری صحابہ تھے۔ حضرت علیؓ نے اپنا دارالخلافہ اسی شہر کو بنایا، فقہی احکام کی باضابطہ تدوین کا عمل سب سے پہلے اسی شہر میں امام ابو حنیفہؒ کی قیادت میں ہوا، اسی وجہ سے یہ فقہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہو کر فقہ حنفی کہلائی، یہ مذہب آہستہ آہستہ پورے عراق پھر مصر، فارس، بخارا، بلخ، روم، فرغانہ، ہندوستان کے اکثر حصے اور یمن کے کچھ حصوں میں پھیل گیا، اس مذہب کے پھیلنے کی بنیادی وجہ عہدۂ قضا پر حنفی قاضیوں کا فائز رہنا ہے، خلافت ہارون رشید کے دور میں امام ابو حنیفہ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ قاضی القضاۃ مقرر ہوئے، حکومت کے ہر علاقے میں ان ہی کے حکم سے قاضی مقرر ہوتا تھا، زیادہ تر قاضی کار قضا میں ان پر اعتماد کرتے تھے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ فقہ حنفی کی نشر واشاعت اور حفاظت وتدوین میں امام ابو یوسفؒ کا بڑا حصہ ہے، اسی طرح ان کے بعد بھی سلطنت کے منصب قضا پر زیادہ تر حنفی قاضی ہی مقرر ہوتے رہے ہیں، اور حکومت کا مذہب حنفی رہا، جس کی وجہ سے اس مذہب حنفی کی بہت زیادہ ترویج واشاعت ہوئی۔

اسد بن فرات بن سنان حنفی فقیہ جب شمالی افریقہ کے علاقے جو لیبیا، تیونس اور الجزائر پر مشتمل ہے، کے قاضی مقرر ہوئے تو ایک عرصہ تک یہاں بھی حنفی مذہب غالب رہا یہاں تک کہ معز بن بادیس کے ہاتھ اقتدار آیا تو اس نے مالکی مذہب کی اشاعت کی، جس کی وجہ سے آج اس علاقے کی اکثریت مالکی مذہب پر ہے۔

ادھر قاضی اسماعیل بن یسع حنفی کے ذریعہ مصر میں حنفی مذہب پہنچا جب وہ یہاں کے قاضی مقرر ہوئے، اس کے بعد نشیب وفراز آتا رہا، یہاں تک کہ جب مصر میں عثمانی حکومت آئی، تو یہاں کا منصب قضا احناف کے لئے خاص ہو گیا جس کی وجہ سے اس ملک میں مذہب حنفی کو دوبارہ قوت حاصل ہو گئی، اس طرح آج بھی یہاں مذہب حنفی پر عمل کرنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔

آج کی دنیا میں عراق، خراسان، سجستان، جرجان، طبرستان، افغانستان، ترکمانستان، تاجکستان، قزاقستان، بوسنیا، البانیہ، شام، ترکی، برما، بنگلہ دیش، ہندوپاک اور ایران کے سنی علاقوں میں مذہب حنفی کے ماننے والے کثرت سے موجود ہیں، انڈونیشیا، سری لنکا، تھائی لینڈ، ملیشیا، سعودی عرب، کویت، بحرین اور برازیل وغیرہ میں بہت کم ہیں، ایک اندازہ کے مطابق احناف دنیا کے کل مسلمانوں کا دو تہائی حصہ ہیں۔

6.3 فقہ مالکی

امام مالکؒ کی بیک وقت دو حیثیتیں تھیں۔ محدث اور فقیہ۔ ان کی شخصیت میں دونوں کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ ان کی کتاب مؤطا اس کی بہترین ترجمان ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ امام مالک کے زمانے تک فقہ باقاعدہ ایک فن کی حیثیت سے متعارف نہیں تھا اور اس کے اصول وضوابط مرتب نہیں ہوئے تھے۔ امام مالک نے ایک طرح سے فقہ وفتاویٰ کی بنیاد ڈالی، وہ ایک جلیل القدر تابعی تھے۔ صحابہ کرام سے فقہاء سبعہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ آپ مدینہ منورہ کے سب سے بڑے اور معتبر عالم مانے جاتے تھے۔ دور دراز علاقوں سے اپنے مسائل

کے حل کے لیے لوگ آپ کے پاس کشاں کشاں آتے تھے اور اپنی تشنگی دور کرتے تھے۔ امام مالکؒ نے بذات خود کسی فقہی مسلک کی بنیاد نہیں رکھی، انہوں نے آزادانہ طور پر حالات کے مطابق فتوے دیئے اور ان اجتہادات کو اپنی کتابوں میں قلم بند کیے۔ بعد میں ان کے لائق شاگردوں نے جو پورے عالم اسلام میں پھیلے ہوئے تھے، انہی کی مدد سے اصول و قواعد مرتب کیے اور ان کے اجتہادات و فتاوی کو عام کرنے کی کوشش کی۔ امام مالک کے تفقہ و اجتہاد کا پایہ اتنا بلند تھا کہ لوگ از خود ان کے اتباع کی جانب مائل ہونے لگے، پھر عہد تدوین میں جب مسلکی حصار بندی شروع ہوئی تو 'مالکیہ' بھی ایک معتبر مسلک قرار پایا اور بڑی تعداد نے اس کا اتباع کیا۔ امام مالکؒ نے فتاوی میں استنباط مسائل کے لیے جو اصول اختیار کیے، ان میں کتاب و سنت کو سب پر فائق رکھا۔ اجماع و قیاس کی شرائط و تفصیلات میں دیگر ائمہ سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ ضمنی مآخذ تعامل مدینہ، استصحاب، مصالح مرسلہ اور عرف و عادات کی رعایت مسلک مالکی کے امتیازات میں سے ہے۔

6.3.1 الکتاب

فقہ اسلامی کا اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ امام مالکؒ ہر جگہ اس سے بھرپور استدلال کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ ایسی قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں کسی قسم کی اصطلاحی باریک بینی نہیں ہوتی۔ ان کا ایمان تھا کہ معانی قرآن سمجھنے کے لیے صحیح راستہ سنت رسول اللہؐ ہے۔ وہ کتاب اللہ کو سمجھنے کے لیے کسی اور چیز سے استدلال اور استعانت حاصل نہیں کرتے تھے؛ بلکہ تفسیر قرآن مجید ہی ان کی توجہ کا مرکز ہوتی۔ یہ وہ طریقہ تھا جس نے آگے چل کر فقہی میدان اور اصولی میدان میں اپنا قدم جمایا۔

علمائے مذہب مالکی کا کہنا ہے کہ امام مالک نص قرآن اور ظاہر نص کو لیتے تھے۔ یعنی مفہوم مخالف یا موافق کو لیتے تھے، جس پر اس کی بنیاد ہے؛ مگر قاضی عیاض کا کہنا ہے کہ امام موصوف ترتیب ادلہ میں قرآن مجید کو اپنے نصوص پر مقدم سمجھتے تھے پھر ظواہر اور پھر مفہومات کو۔

6.3.2 السنۃ

فقہ اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ سنت رسول اللہؐ ہیں۔ امام مالکؒ سنت سے استدلال کرنے میں بہت متشدد مانے گئے ہیں اور دوسری خاص بات یہ کہ وہ لفظ سنت بول کر طرز عمل اور طریقہ مراد لیتے ہیں، خواہ وہ اہل علم کا طرز عمل اور طریقہ ہی کیوں نہ ہو۔ حتی کہ انہوں نے اس عموم میں آثار صحابہ اور اقوال تابعین کو بھی شامل کر لیا ہے۔

6.3.3 آثار صحابہ

آثار صحابہ کو قابلِ حجت ہونے کے سلسلہ میں وہ خلیفہ عادل عمر بن عبد العزیز کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ "رسول اللہؐ کے بعد ان کے خلفاء ہمارے لیے سنت ہیں، ان سے اخذ و استفادہ کرنا، کتاب اللہ کی تصدیق اور اطاعت رسول کی تکمیل ہے۔ جس شخص نے سنت خلفاء کا اتباع کیا، ہدایت یاب ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ غیروں کی راہ پر چلا، وہ اللہ سے پھر گیا اور واصل جہنم ہوا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔"

اسی وجہ سے امام مالکؒ نے ائمہ اربعہ میں سب سے زیادہ صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ کو قبول کیا ہے۔ مؤطا اور دیگر تصانیف میں جابجا اس کے حوالے ملتے ہیں۔ اپنے شاگردوں کو بھی انہوں نے اس جانب خصوصی توجہ کی تاکید کی۔ مالکی اصولوں میں بھی اس بات کی صراحت ہے کہ اقوال صحابہ سنت نبوی ہی کا ایک حصہ ہیں۔ اس لیے وہ فقہ اسلامی کی اساس اور حجت بننے کے مستحق ہیں۔

بعض ائمہ کرام نے اقوال تابعین کو بھی حجت ماننے کی وکالت کی ہے؛ کیوں کہ ان کے علم و فتویٰ کے بارے میں گمان ہوتا ہے کہ وہ بھی رسالت مآبؐ کی تعلیمات ہی سے مستفیض ہو گا۔ مگر امام مالکؒ عمومی انداز میں اسے حجت نہیں مانتے۔

6.3.4 اجماع

اجماع کو تمام ہی قابل ذکر علماء نے شریعت اسلامی کا ایک مآخذ تسلیم کیا ہے۔ خود امام مالکؒ کی تحریروں میں جابجا اس کا ذکر ملتا ہے۔ البتہ اصولیین نے اس کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ فقہائے مدینہ کے اجماع کو صرف حجت مانتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں خبر احاد کو رد کر دیتے تھے اور اس کے لیے بھی اجماع، اتباع لازم قرار دیتے تھے، امام مالکؒ اجماع کی تشکیل و تدوین میں عوام کا کوئی حصہ نہیں مانتے؛ کیوں کہ عوام کا اجتہاد غیر مستند اور غلطی سے خالی نہیں ہو سکتا، اجماع کے مفہوم میں اس تحدید کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت تک اجماع کی کوئی واضح شکل سامنے نہیں آئی تھی۔

6.3.5 عمل اہل مدینہ

ائمہ اربعہ میں صرف فقہ مالکی میں فقہائے اہل مدینہ کے راویوں کو بھی مآخذ کی حیثیت دی گئی ہے۔ ان کے نزدیک اتنی اہمیت ہے کہ بسا اوقات خبر آحاد پر بھی اسے مقدم رکھتے ہیں۔ امام مالکؒ نے خاص طور سے اس کے استناد پر بہت زور دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام اسی سرزمین سے اٹھا اور تشریع اسلامی کی بنیاد یہیں سے پڑی۔ اہل مدینہ اوامر و نواہی کے اولین مخاطب تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست ان کی تربیت فرمائی تھی۔ صحابہ میں جو فقہ و فتاوی میں ممتاز ہوئے، اسی شہر سے تعلق رکھتے تھے۔ اس شہر کے بارے میں خود رسول مقبول ﷺ نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ "مدینہ برائی کی نفی کرتا ہے۔" یہاں کے باشندوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے تربیت یافتہ اصحاب کی عبادات، اخلاق اور معمولات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور پڑھا ہے۔ اس لیے ان کے اقوال و آراء کے بارے میں غالب گمان یہی ہے کہ وہ سنت مطہرہ سے ماخوذ و مستفیض ہوں گے اور بلاشبہ ان کو یہ مرتبہ حاصل ہونا چاہیے کہ ان سے استدلال کیا جائے۔

امام مالکؒ کے اس اصول سے دوسرے ائمہ مجتہدین نے اختلاف کیا ہے۔ خاص طور سے امام شافعی، امام مالک کے شاگرد تھے اور انہی سے اہل مدینہ کے فتاوی سنتے تھے، ان کے دلائل سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنے استاد امام مالکؒ کے اس اصول کی مخالفت کی ہے۔ اور اہل مدینہ کے اس اختصاص کو عوام پر محمول کیا ہے۔

6.3.6 قیاس

قیاس تمام ائمہ کے نزدیک ایک مستقل ماخذ شریعت ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف محض شرائط و کوائف میں ہوا ہے۔

احناف نے اس سے زیادہ اعتناء کیا ہے تو وہ قیاسی مشہور ہو گئے۔ اس زمانہ میں امام مالکؒ نے اپنے بعض اقوال میں اس کی مخالفت کی تو وہ قیاسی کے بجائے اتباعی مشہور ہو گئے۔ حالاں کہ قیاس سے دونوں نے کام لیا ہے؛ کیوں کہ قیاس ایک فطری ضرورت ہے۔ محض نصوص وتصریحات سے ہر زمانے کی ضروریات پوری نہیں ہو سکتی ہیں۔

امام مالکؒ کا قیاس اصلاً مصالح پر مبنی ہوتا ہے۔ وہ قرآنی نظائر اور احادیث سے ثابت شدہ احکام پر قیاس کرتے ہیں؛ بلکہ مؤطا کا طرزِ تالیف ہی یہ ہے کہ وہ باب کے آغاز میں صحیح احادیث نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد مرفوع کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ مشابہ کو مشابہ سے ملاتے ہیں اور امثال کو امثال کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ اہل مدینہ کے تعامل پر بھی قیاس کرتے ہیں کیوں کہ انہیں وہ قابل حجت تسلیم کرتے ہیں۔ قیاس کی اصطلاحی تعریف اور اس کے قواعد و شرائط امام مالکؒ کے بہت بعد متعین ہوئے جس کی ان کے متبعین نے بہت سی شکلیں اختیار کیں۔

6.3.7 مصالح مرسلہ

امام مالکؒ نے مصالح مرسلہ سے بہت کام لیا ہے؛ بلکہ یہ اصول اصلاً انہیں کی طرف منسوب ہے اور اس کے حق میں انہوں نے کئی دلائل بھی پیش کیے ہیں۔

1. شارع نے جنس مصالح کا جنس احکام میں اعتبار کیا ہے۔ شارع کے اس اعتبار سے وسعت کا پتہ چلتا ہے۔
2. نئے احوال و مسائل کے استنباط میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مثالیں موجود ہیں۔ وہ مطلقاً مصالح کا اعتبار کرتے تھے، نہ زیادہ بحث و تمحیص میں وہ پڑتے تھے اور نہ ہی کسی وکالت کی انہیں تلاش ہوتی تھی۔

6.3.8 استصحاب

قرافیؒ کے بقول فقہ مالکی میں استصحاب بھی حجت ہے۔ جب تک کہ اس کے خلاف کوئی حجت قائم نہ ہو؛ لیکن اس کا طریقہ امام ابو حنیفہؒ کے طریقے سے قدرے مختلف ہے۔ یہ بات ابن قیم نے بھی اعلام الموقعین میں لکھی ہے۔

6.3.9 سد ذرائع

اکثر فقہاء نے ضمنی مآخذ میں اسے بھی شمار کیا ہے۔ امام مالکؒ نے اپنے فقہی استنباط میں اس پر بہت اصرار کیا ہے۔

6.3.10 عرف وعادات

تمام فقہی مسالک میں اس اصل کو معتبر مانا گیا ہے، مسلک مالکی کے اختصاصات میں سے یہ بھی ایک ہے؛ کیوں کہ مصالح مالکی فقہ استدلال کا ایک اہم ستون ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس عرف کی رعایت کرنا جس میں کوئی فساد نہیں ہے، مصلحت کی قسموں سے ایک قسم ہے۔ اس کا ترک کرنا فقیہ کے لیے کسی طرح درست نہیں، اس لیے اس کا اعتبار ایک فطری امر ہے۔

6.3.11 فقہ مالکی کا حلقہ اثر

ابتداءً فقہ مالکی کی اشاعت ابن وھب کے ذریعہ مصر اور مغرب کے علاقہ میں ہوئی؛ پھر ابوالحسن قرطبی کے ذریعہ اندلس میں ہوئی۔ امام مالکؒ کا مسلک حجاز سے نکل کر اگرچہ عراق کے بعض شہروں بغداد، بصرہ اور خراسان کے شہروں قزوین، ابہر اور نیشاپور میں بھی پھیلا؛ لیکن مالکی مسلک کو زیادہ تر فروغ بلاد مغرب و افریقہ، تونس، الجزائر، مراکش، اندلس اور مصر میں ہوا۔ ابن خلدون کے بقول اس کا سبب یہ ہے کہ مغرب و افریقہ کے علماء کا منتہائے سفر حجاز رہا۔ مدینہ اس زمانے میں علوم اسلامی کا مرکز تھا اور عراق ان کے راستے میں نہیں پڑتا تھا۔ چناں چہ انہوں نے صرف علمائے مدینہ پر اخذ و اکتساب میں انحصار کیا اور امام مالک کی تقلید کی۔ مصر میں مالکی فقہ خود امام مالکؒ کی زندگی میں فروغ پا چکی تھی اور حجاز کے بعد مصر کو پہلا ملک سمجھنا چاہیے۔ جہاں امام مالک کا فیض پہنچا۔ مصر کے ممالیک کے زمانے میں شافعی قاضی کو پہلا درجہ اور مالکی قاضی کو دوسرا درجہ حاصل ہوتا تھا۔ بلاد تونس میں مذہب مالک ہمیشہ غالب رہا اور آج کل بھی وہاں اس کا غلبہ ہے۔ اندلس میں پہلے پہل اگرچہ امام اوزاعیؒ کا مسلک غالب تھا؛ لیکن 200ھ کے بعد سے یہاں فقہ مالکی کو غلبہ حاصل ہوا اور یہ ملک بڑے بڑے علماء و فقہاء اور مصنفوں کی قرار گاہ رہا۔ مغرب اقصیٰ میں بنو تاشفین (448-541ھ) کے عہد میں مالکیہ کو بہت فروغ ملا اور ان کی قوت میں اضافہ ہوا، ان علاقوں کے علاوہ سوڈان، بحرین اور کویت میں بھی یہ مذہب پھیلا خاص طور سے بالائی مصر میں اسے وہ حیثیت حاصل رہی، جو زیریں مصر میں شافعی مسلک کو حاصل تھی۔ آج کل مختلف ممالک اسلامیہ میں مالکیہ کی کل تعداد تقریباً پانچ کروڑ ہوگی۔

فقہ مالکی کی ابتدائی کتابیں خود امام مالک کی مؤطا، اس کے بعد ابن سحنون کی المدونة الکبری ہے، اس کے علاوہ الواضحة عبدالملک بن حبیب کی، المستخرجة محمد عتبی قرطبی کی، اور الموازیة ابن مواز کی اہمیت کی حامل ہیں، ان ہی چاروں کتابوں پر فقہ مالکی کا دارو مدار ہے۔

6.4 فرہنگ

معدوم : مٹایا گیا، فنا کیا گیا، ناپید، عنقا

تصریح : وضاحت، صراحت، توضیح، صاف صاف بیان کرنا

جزئیات : کسی بات کے تمام پہلو، چھوٹی چھوٹی باتیں، چھوٹے چھوٹے حصے

منضبط : باضابطہ، باقاعدہ، مرتب، طے شدہ

نص : ایسی آیت قرآنی یا حدیث جو صریح ہو یعنی جس میں کوئی تاویل کی گنجائش نہ ہو

خبر احاد : وہ حدیث جسے ہر دور کے ایک راوی نے بیان کیا ہو

واضع قانون : قانون بنانے والا، قانون ساز، مقنّن، قانون لکھنے یا مرتب کرنے والا

استصقا : تمام متعلقہ اجزاء کا احاطہ

راجح : فائق، غالب، صحیح، قابلِ ترجیح، پسندیدہ

تمحیض : ملاوٹ سے پاک وصاف کرنا، چھاننا، پھٹکنا

6.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- امام ابو حنیفہؒ نے فقہ اسلامی کی ترتیب و تدوین پر کئی جہات سے کام شروع کیا، جزئیات مسائل کو ایک لڑی میں پرویا، نصوص شرعیہ سے استفادے کی شکلیں متعین کیں، استنباط و استخراج کے اصول مقرر کیے اور مستقبل میں آنے والے مسائل کا پیشگی حل تلاش کرنے کے لیے "فقہ تقدیری" کے نام سے الگ فن کی بنیاد ڈالی جو ان کا اختصاص بھی تھا۔
- احادیث نبویہ سے اخذ و استفادہ کے متعلق امام ابو حنیفہؒ نے جو اصول وضع کیے وہ فقہ اسلامی کی جان ہیں۔ امام صاحب نے تشریعی اور غیر تشریعی احادیث کی حیثیت متعین کر دی اور ان سے استفادہ کی راہیں مقرر کیں، اس کے علاوہ نقل و روایت میں ثقافت کے معیار اور احادیث کے قرآن اور عقل انسانی کے مطابق ہونے پر جو رائیں پیش کی ہیں وہ بہت مہارت اور کمال علم کی دلیل ہیں۔
- امام مالکؒ کا مسلک حجاز سے نکل کر اگرچہ عراق کے بعض شہروں بغداد، بصرہ اور خراسان کے شہروں قزوین، ابہر اور نیشاپور میں بھی پھیلا؛ لیکن مالکی مسلک کو زیادہ تر فروغ بلاد مغرب و افریقہ، تونس، الجزائر، مراکش، اندلس اور مصر میں ہوا
- فقہ اسلامی کا اولین اور بنیادی ماخذ قرآن مجید ہے۔ امام مالکؒ ہر جگہ اس سے بھرپور استدلال کرتے ہیں۔ ان کا طریقہ عام طور سے یہ ہوتا ہے کہ ایسی قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں کسی قسم کی اصطلاحی باریک بینی نہیں ہوتی۔

6.6 نمونۂ امتحانی سوالات

6.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ابو حنیفہؒ کا مسکن و مولد کہاں تھا؟

(a). عراق (b). مکہ (c). مدینہ (d). ان میں سے کوئی نہیں

2. اصول فقہ کے فن کو کس نے رائج کیا؟

(a). ابو حنیفہؒ (b). امام مالکؒ (c). امام شافعیؒ (d). امام احمد بن حنبلؒ

3. مصالح مرسلہ کا اصول کن کی طرف منسوب کیا جاتا ہے؟

(a). امام احمدؒ (b). امام اوزاعیؒ (c). امام مالکؒ (d). امام بخاریؒ

4. امام ابو یوسف کس کے شاگرد تھے؟

(a). امام ابو حنیفہ (b). ابن زیاد نیشاپوری (c). ابو یعقوب بویطی (d). تمام غلط

5. امام مالک کی تصنیف کا نام بتائیں۔

(a). کتاب الخراج (b). المؤطا (c). کتاب الام (d). الکافی فی علم الدین

6. فقہ حنفی کی بنیادی کتابیں کس سے منسوب ہیں؟

(a). امام ابو حنیفہ (b). امام ابو یوسف (c). امام محمد (d). امام اوزاعی

7. فقہ مالکی کی بنیادی کتاب کون سی ہے؟

(a). موطا (b). مدونہ (c). المستخرجہ (d). سب صحیح

8. کس مسلک فقہ میں اہل الذمہ کو فیاضی اور آزادی کے حقوق دیے ہیں؟

(a). حنفی (b). ملکی (c). شافعی (d). حنبلی

9. فقہ حنفی مصر میں کس کے ذریعہ پہنچا؟

(a) . ابن زیاد نیشاپوری (b). قاضی اسماعیل بن یسع (c). امام جعفر صادق (d). امام سحنون

10. فقہ مالکی مصر میں کس کے ذریعہ پہنچا؟

(a). ابن وھب (b). ابن زیاد نیشاپوری (c). امام جعفر صادق (d). امام سحنون

6.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ مالکی کے حلقہ اثر پر گفتگو کیجیے۔
2. فقہ حنفی کے خدوخال پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالیے۔
3. فقہ حنفی کی تشکیل پر مختصر نوٹ لکھیے۔
4. فقہ مالکی کے بنیادی نصوص پر ایک نوٹ لکھیے۔
5. فقہ مالکی کی بنیادی کتب کا جائزہ لیجیے۔

6.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ مالکی پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
2. فقہ حنفی کے بنیادی خدوخال پر تفصیلی مضمون لکھیے۔
3. فقہ حنفی کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

6.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع۔ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
2. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

معروضی سوالات کے جوابات

1. A	2.A	3. C	4. A	5.B
6. C	7.D	8. A	9. B	10. A

اکائی 7: فقہی مسالک کا تعارف حصہ دوم: شافعی، حنبلی

اکائی کے اجزا:

7.0 تمہید

7.1 مقاصد

7.2 فقہ شافعی

7.2.1 اصول شافعی

7.2.2 مصادر شریعت

7.2.3 شریعت اسلامی کے ثانوی مآخذ

7.2.4 فقہ شافعی کی امتیازی خصوصیات

7.2.5 فقہ شافعی کا نشوونما

7.2.6 فقہ شافعی کی اہم کتابیں

7.3 حنبلی

7.3.1 امام احمد بن حنبل کی فقہی کاوشیں

7.3.2 فقہ حنبلی کے ناقلین

7.3.3 فقہ حنبلی کے مصادر ومآخذ

7.3.4 فقہ حنبلی کی خصوصیات

7.3.5 فقہ حنبلی کا حلقہ اثر

7.3.6 فقہ حنبلی کی اہم کتابیں

7.4 فرہنگ

7.5 اکتسابی نتائج

7.6 نمونہ امتحانی سوالات
7.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات
7.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات
7.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات
7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

7.0 تمہید

پچھلی اکائی میں آپ نے اہم فقہی مسالک میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی خصوصیات ان کا حلقہ اثر اور ان کی اہم کتب کے بارے میں جانا۔ اس اکائی میں ہم فقہ شافعی اور حنبلی کی خصوصیات و امتیازات اور کتب کے بارے میں جانیں گے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان فقہی مسالک کے حلقہ اثر اور اہم ناقلین کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

7.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- فقہ شافعی کے ادوار اور اس کی خصوصیات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔
- فقہ حنبلی کے آغاز وارتقا کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- فقہ شافعی اور حنبلی کا دوسرے مسالک سے موازنہ کر سکیں۔

7.2 فقہ شافعی

فقہ شافعی اہل سنت والجماعت کا اہم فقہی مسلک ہے۔ جو امام محمد بن ادریس شافعی کی طرف منسوب ہے۔ آپ 150ھ میں پیدا ہوئے اور 204ھ میں وفات پائی، ابتدائی نشو ونما مکہ مکرمہ میں ہوئی اور بعد میں تعلیم کے لیے مختلف شہروں کا سفر کیا۔ شروع میں آپ فقہ مالکی کے متبع تھے، لیکن 195ھ میں جب دوبارہ بغداد تشریف لے گئے تو ایک مستقل دبستان فقہ کی بنیاد رکھی۔ امام شافعی کی منفرد خصوصیات میں یہ وصف بھی شامل ہے کہ انہوں نے اس وقت کے مروجہ تمام فقہی مسالک سے استفادہ کیا۔ فقہ شافعی منقولات و معقولات کا حسین امتزاج سمجھی جاتی ہے۔ اس کے بانی و پیشوا تفسیر، حدیث، فقہ، علم کلام، ادب، بلاغت اور نحو و صرف ہر فن کے ماہر تھے۔ اگرچہ فقہ و حدیث سے خاص دل چسپی تھی؛ لیکن انہوں نے زندگی بھر اپنے آپ کو مذکورہ تمام علوم سے وابسطہ رکھا۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ان کے حلقۂ

درس میں تمام فنون کی بیک وقت تعلیم ہوتی تھی اور ان کے حلقے سے ہر فن کے ماہر نکلتے تھے۔

فقہ اسلامی آپ کا میدان اختصاص تھا۔ انہوں نے جب آنکھ کھولی، فقہ حنفی اچھی طرح متعارف ہو چکی تھی اور مدینہ منورہ اور اس کے مضافات میں امام مالکؒ مرجع خلائق بنے ہوئے تھے۔ دوسرے مختلف علاقوں میں مختلف ائمہ کا چرچا تھا۔ بہت سے باطل فرقوں نے بھی سر اٹھالیا تھا، ان کے فقہ و فتاوی کی راہیں بھی الگ تھیں۔ امام شافعی نے سب کو قریب سے دیکھا، جانچا اور پرکھا، ان کی نگاہوں میں ہر مسلک اصول و کلیات کے لحاظ سے افراط و تفریط کا شکار نظر آیا۔ حنفیہ استحسانی اصول پر مصر تھے۔ مالکیہ تعامل مدینہ کو حجت مانتے تھے۔ چناں چہ ان کے دل میں فقہ اسلامی کو اعتدال پر لانے کا جذبہ پیدا ہوا اور ایک مسلک کی داغ بیل رکھی پھر اس کے لیے باقاعدہ اصول و قوانین وضع کیے گیے ان کی روشنی میں تمام مسائل زندگی کو پرکھا اور اسے قرآن و سنت سے قریب تر پاکر مدلل انداز میں عملی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اسلامی علوم و فنون میں مہارت کے علاوہ صالحانہ طبیعت، مجتہدانہ ذوق اور ذمہ دارانہ مزاج عطا کیا اس لیے آپ کا مسلک اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مقبول ہوا۔

7.2.1 اصول شافعی

امام شافعیؒ کا فقہ اسلامی پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے فن اصول فقہ کو رواج دیا۔ نصوص سے استفادہ، غیر منصوص مسائل کی تخریج اور قیاس و استنباط کی شکلیں متعین کیں۔ امام شافعی کے عہد تک فقہ مالکی اور فقہ حنفی کے اہم بنیادی اصول متعارف ہوتے تھے؛ مگر ان کے پاس استنباط مسائل کی تفصیلات موجود نہ تھیں۔ امام شافعی نے اس موضوع پر متعدد کتابیں تصنیف کیں، اسی وجہ سے انہیں بانیانِ اصول فقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

7.2.2 مصادر شریعت

امام شافعیؒ کے نزدیک مصادر شریعت میں قرآن و سنت پہلے نمبر پر ہیں اور دونوں کا درجہ برابر ہے۔ اس وجہ سے کہ بہت سے معاملات میں دونوں کی نوعیت ایک سی ہے۔ اس کے لیے وہ صرف صحت اور اتصال کی شرط لگاتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ صرف مشہور احادیث کو اس مرتبہ پر رکھتے ہیں اور امام مالکؒ صرف ان احادیث کو جو تعامل اہل مدینہ کے خلاف نہ ہوں۔ خبر واحد کے مقابلے میں امام شافعی کے نزدیک اجماع قابل ترجیح ہے اور احادیث میں مختلف معانی کا احتمال ہونے کی صورت میں ظاہری معانی کو ترجیح دی جائے گی اور اگر دو حدیثوں میں ٹکراؤ ہو تو سند کے اعتبار سے جو زیادہ مضبوط ہو اس پر عمل کیا جائے گا۔ صحابہ کرام کے اقوال کو بھی وہ بہت اہمیت دیتے ہیں۔ اگر کسی صحابی کی رائے قرآن و سنت کے مطابق ہو اور دوسرے صحابی نے اس سے اختلاف نہ کیا ہو تو امام صاحب کے نزدیک یہ رائے قیاس کے مقابلہ میں ترجیح پائے گی؛ کیوں کہ ان کے بقول صحابہ کرامؓ علم و تقوی، فہم و فراست اور امانت و دیانت میں بہر حال بعد کے لوگوں سے افضل ہیں۔ اس لیے ان کے فتاوی میں صحت و صداقت کا زیادہ امکان ہے۔

تابعین کے اقوال کے سلسلے میں امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ ترجیح میں معاون تو ہو سکتے ہیں؛ مگر قابل حجت نہیں۔ جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ قیاس ان کے نزدیک آخری طریقۂ استنباط ہے اور اس کے لیے بھی شرط لازمی ہے کہ وہ کتاب و سنت کی اساس پر مبنی ہو؛

کیوں کہ یہی مصادر شریعت اسلامی کی بنیاد ہیں اور کوئی چیز ان کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔

7.2.3 شریعت اسلامی کے ثانوی مآخذ

شریعت اسلامی کے ضمنی مآخذ میں حنفی مسلک کے استحسان کے وہ سخت مخالف ہیں، اسے وہ 'ذہنی عیاشی' قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے امام محمدؒ اور دوسرے علماء سے کئی بار مناظرے کیے اور کتابیں لکھی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر وہ اجتہاد جو کتاب و سنت، اثر و اجماع یا قیاس پر مبنی نہ ہو استحسان کہلاتا ہے۔ کیوں کہ ایسی صورت میں مجتہد کسی دلیل یا دلالۃ النص کی رو سے فیصلہ نہیں کرتا؛ بلکہ جسے مستحسن خیال کرتا ہے اس کے مطابق فتوی دیتا ہے۔ یہ اجتہاد باطل کی ایک قسم ہے، جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح مالکی مسلک کے 'اصول مصالح' مرسلہ کے بھی شدید مخالف ہیں، وہ مصالح کو صرف اسی وقت معتبر مانتے ہیں جب کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی بیان کردہ مصالح کے مشابہ ہوں اور ثابت شدہ احکام سے ان کا لازماً کوئی تعلق ہو۔ بصورت دیگر ایسے کسی اصول کی شریعت اسلامی میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔

7.2.4 فقہ شافعی کی امتیازی خصوصیات

1. فقہ شافعی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ منقولات و معقولات کا خوبصورت سنگم ہے۔ امام شافعیؒ نے خوش قسمتی سے جو دور پایا تھا وہ علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کے ارتقاء کا زریں دور کہلاتا تھا، حدیثیں جمع ہو چکی تھیں، مختلف فقہی مکاتب فکر ظہور میں آ گئے تھے۔ علم کلام کا علمی دنیا میں چرچہ ہونے لگا تھا، جس کی وجہ سے تہذیب و تمدن کے ارتقاء میں علم و عقل دونوں کو یکساں معاون سمجھا جا رہا تھا۔

امام شافعیؒ کو جہاں علوم اسلامیہ کا گہرا ادراک تھا، وہیں وہ کلامی مباحث اور اجتہادی کوششوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ انہوں نے ان علوم و معارف کی مدد سے ایک نئے فقہی اسکول کی بنیاد رکھی۔ جس کی اصل بنیاد تو نصوص شرعیہ پر قائم ہے اور جو زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کو پوری کرنے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ اور صاحب مذہب نے خود اپنے طریقہ اجتہاد اور اصول استنباط و استخراج کو ایک منظم و منضبط انداز میں مرتب فرمادیا۔

2. فقہ شافعی کا ہر جذبہ اصول پر مبنی ہے۔ امام شافعی اور ان کے شاگردوں نے جزئیات کی تخریج کے مقابلے میں اصول کی جانب زیادہ توجہ دی ہے۔ چناں چہ دوسرے مکاتب فکر کے مقابلے میں فقہ شافعی کے اصول زیادہ جامع اور مستنبط ہیں۔

3. فقہ شافعی کو نصوص شرعیہ سے قریب اور سب سے زیادہ سہل العمل سمجھا جاتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا انحصار ظواہر پر ہے اور اس میں روح شریعت کی زیادہ رعایت رکھی گئی ہے۔

فقہ شافعی اپنی گوناگوں خصوصیات و امتیازات اور خوبیوں کی وجہ سے دوسری فقہ سے ممتاز ہے، ان میں سے چند خصوصیات یہ ہیں:

4. دوسرے فقہاء کی طرح فقہاء شوافع کے نزدیک بھی اختلافی مسائل میں توسع پایا جاتا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ ان ہی برائیوں

سے روکا جائے گا جن کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہے۔

5. گناہ کے بارے میں سخت رویہ اختیار کرنا اور اس کے سارے دروازوں کو بند کرنے کی کوشش کرنا فقہ شافعی کی اہم خاصیت ہے، چنانچہ ان کے نزدیک معصیت کی نیت سے سفر کرنے والوں کو سفر میں نماز قصر اور رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت وغیرہ کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

6. فقہ شافعی کا ایک نمایاں پہلو حج کے احکام میں آسانی کا ہے، جیسے: حرم شریف جانے والے نے اگر حج وغیرہ کی نیت نہ کی ہو تو وہ بغیر احرام کے میقات سے آگے بڑھ سکتا ہے۔

7. فقہ مالکی کی طرح فقہ شافعی میں بھی معاشرتی مصالح کی رعایت ہے، مثلاً: تنگ دست اور نفقہ نہ دینے والے شوہر سے بیوی تفریق کا مطالبہ کر سکتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مجاز ہوتی ہے۔

8. فقہ شافعی میں اقوال کی کثرت ہے، کسی بھی مسئلہ میں کم سے کم دو قول ضرور ملیں گے، ایک قول قدیم دوسرا قول جدید۔

7.2.5 فقہ شافعی کا نشو و نما

فقہ شافعی کی خوش قسمتی ہے کہ امام شافعی کے اصول استنباط اور مجتہدات دونوں خود صاحب مذہب کے قلم سے موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہ شافعی دو واسطوں سے نقل ہوئی ہے، ایک ذریعہ تو خود صاحب مذہب کی کتابوں کا ہے اور دوسرا امام شافعی رحمہ اللہ کے تلامذہ کا، واقعہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اس اعتبار سے بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بڑے ذہین اور نامور شاگرد ملے، جو مختلف علاقوں اور علمی مراکز سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی اپنی جگہ ان کو مرجعیت حاصل تھی۔ اس مذہب کو قبول عام بنانے کے لیے اس کی داخلی خصوصیات کے علاوہ امام صاحب کے تلامذہ اور متبعین کی مخلصانہ کوششوں کا بھی بڑا دخل ہے۔ بہت سے حکمراں بھی شافعی مسلک کے پیرو رہے، اس لیے حکومت کی سطح سے بھی اسے خاصا فروغ ملا۔ اس مسلک کی توسیع و اشاعت میں ان کے جن شاگردوں یا متبعین نے نمایاں کردار ادا کیا ان کے نام یہ ہیں:

1. ابو بکر حمید، بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ مکہ مکرمہ میں امام صاحب کی شاگردی اختیار کی ان کے ساتھ مصر تک آئے اور یہیں انتقال کیا۔
2. ابو بکر محمد بن ادریس، امام شافعی کے قابل فخر شاگردوں میں سے ہیں۔
3. ابو الولید موسی بن ابی الجارود، انہوں نے امام شافعی کی کئی کتابیں روایت کی ہیں۔
4. ابو علی حسن مصباح زعفرانی، بغداد میں امام شافعی کے ہاں زانوئے تلمذ طے کیا۔
5. ابو علی حسن بن علی کرابیسی، یہ بہت بڑے، عالم، متقی اور مصنف تھے۔
6. ابو ثور کلبی۔

7. ابو عبد الرحمن احمد بن محمد بن یحی اشعری عصری۔

8. حرملہ بن یحی بن حرملہ، یہ بلند پایہ شخصیت کے حامل تھے۔

9. ابو یعقوب یوسف بن یحی بویطی، بہت بڑے عالم، فقیہ، زاہد اور متقی شخص تھے۔

10. محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم، بہت بڑے عالم اور فقیہ تھے۔

امام شافعیؒ کے مسلک کو سب سے زیادہ مصر میں فروغ ملا۔ بنی ایوب کے زمانے میں فقہ شافعی حکومت مصر کا سرکاری مسلک تھا۔ یہاں عہدۂ قضا شافعیوں کے لیے مخصوص تھا اور مدت دراز تک شیخ الازہر کا منصب بھی انہیں کے لیے مخصوص رہا، اس مسلک کو فروغ دینے کے لیے یہاں باقاعدہ کئی مدارس کا قیام عمل میں آیا، عراق اگرچہ حنفیوں کا قلعہ تھا؛ لیکن ماوراء النہر، خراسان، شام، اردن، لبنان، فلسطین اور حجاز میں بھی اس نے رسوخ حاصل کر لیا۔ ترکیہ و ایران کے سنی علماء ہندوستان کے ساحلی علاقے اور پاکستان و بنگلہ دیش کے ایک حصے میں بھی اس مذہب کی پذیرائی ہوئی اور آج یہ عالم اسلام کا دوسرا یا تیسرا بڑا مذہب ہے اور اس کے مقلدین کی تعداد پروفیسر ماسینیوں کے بقول دس کروڑ سے زیادہ ہے۔ فقہ شافعی کو بھی اپنے ارتقائی ادوار میں مد مقابل مسالک، فقہ حنفی، فقہ مالکی اور فقہ جعفری سے مصروف پیکار بھی ہونا پڑا اور یہ ازم و پیکار کئی مرتبہ خوں ریزی تک پہنچ گئی۔

فقہ شافعی کے چند خاص اصطلاحات

فقہ شافعی میں مختلف آراء و اقوال کو نقل کرتے ہوئے تین قسم کی تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں: (1) اقوال (2) اوجہ (3) طرق۔

امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف ایک ہی مسئلہ میں جو مختلف اقوال منسوب ہیں، ان کو "اقوال" کہا جاتا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے اصول و قواعد پر تخریج و تفریع کرتے ہوئے فقہاء شوافع جو رائے قائم کریں ان کو "اوجہ" کہا جاتا ہے اور مختلف راوی امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب و رائے کی نقل میں باہم مختلف ہوں تو ان کو "طرق" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (مقدمہ المجموع: 66-65)

7.2.6 فقہ شافعی کی اہم کتابیں

فقہ شافعی میں متن کی اہم کتاب "المھذب" ہے، اس کے مصنف شیخ ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف شیرازی (متوفی 476ھ) ہیں، ابھی حال میں ڈاکٹر محمد زحیلی کی عمدہ تحقیق سے طبع ہو کر آئی ہے، جس کی مقبول و معروف شرح "المجموع" ہے، مصنف مشہور محدث و فقیہ امام نوویؒ (متوفی 676ھ) ہیں، یہ کتاب فقہ شافعی کی مستند انسائیکلوپیڈیا ہے، جس میں آثارِ تابعین ائمہ مجتہدین کے اقوال کے ساتھ احادیث کے نقل کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، دوسرا متن امام نوویؒ کی تالیف "منہاج الطالبین" ہے، یہ دراصل امام رافعی کی کتاب "المحرر" کا اختصار ہے، اس میں مؤلف نے مذہب شافعیؒ کے مختلف اقوال میں سے راجح و مرجوح کی بھی وضاحت کی ہے، اس کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے مشہور یہ ہیں:

1. المحلی علی منہاج الطالبین: یہ جلال الدین محلی کی شرح ہے، اس شرح پر دو حواشی لکھے گئے ہیں، ایک شہاب الدین احمد

عمیرہ (متوفی 957ھ) کا ہے اور دوسرا قلیوبی کا۔

2. تحفة المحتاج: اس کے مصنف ابو العباس احمد بن محمد بن حجر ہیتمی (متوفی 974ھ) ہیں۔

3. مغنی المحتاج: اس کے مصنف شمس الدین محمد بن احمد بن محمد شربینی (متوفی 977ھ) ہیں۔

4. نہایة المحتاج: یہ شمس الدین محمد بن ابو العباس رملی (متوفی 1004ھ) کی تصنیف ہے، اسکی سات جلدیں ہیں، متاخرین شوافع کے یہاں "مغنی المحتاج" اور "نہایة المحتاج" کو فقہ شافعی کے سب سے مستند ترجمان کی حیثیت سے قبول عام حاصل ہے۔

7.3 حنبلی

یہ فقہ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل شیبانی کی طرف منسوب ہے، آپ بغداد میں 164ھ میں پیدا ہوئے اور 241ھ میں وفات پائی، امام شافعی جیسے محدث وفقیہ کا امام احمد بن حنبل کے بارے میں بیان ہے کہ ان کو آٹھ چیزوں میں درجہ امامت حاصل تھا۔ قرآن، حدیث، فقہ، لغت، فقر، زہد، ورع اور سنت۔ (طبقات الحنابلہ)۔ مشہور محدث امام عبد لرزاق صنعانی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے زیادہ فقیہ اور محتاط نہیں دیکھا، بلکہ کسی کو ان کا ہم سر بھی نہیں پایا۔ (المغنی)

امام احمد بن حنبلؒ علم حدیث کے میدان میں مستقل مجتہد کے درجے پر فائز تھے، جنہوں نے بقول ابن تیمیہ الحرانی احادیث واخبار کے اس انبار میں سے جو آپ کو اپنے بہت سے شیوخ سے ملا تھا، اپنا مسلک خود قائم کر لیا۔ اس لیے آپؒ کو امام محمد بن جریر طبریؒ کی طرح محض محدث کسی بھی صورت میں نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح نہ آپؒ صرف فقیہ تھے کہ جس کا صرف شرعی اصول و قواعد فقہ سے تعلق ہوتا ہے؛ جیسا کہ ابن عقیل نے تحریر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے اختیار کردہ بعض مواقف ایسے ہیں کہ جنہیں آپ علیہ الرحمہ نے اسی خوبی سے احادیث پر مبنی کیا ہے کہ اس کی مثال شاذ ہی کہیں ملے گی اور آپ کے بعض فتاویٰ اس بات کے شاہد ہیں کہ آپ کی فقیہانہ باریک بینی عدیم النظیر تھی۔

بلاشبہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کو زیادہ تر شہرت خدمت حدیث کی وجہ سے حاصل ہے؛ کیوں کہ ان کی زیادہ تر علمی کاوشوں کا محور اخبار و آثار ہی ہیں۔ تاہم یہ مسلم حقیقت ہے کہ احادیث سے زیادہ شغف اور دل چسپی کے باوجود وہ فقہ اسلامی میں بھی درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے فقہ اسلامی کے چار ستونوں میں متفقہ طور سے ان کا بھی شمار ہوتا ہے اور ان کے مقلدین کی تعداد ہر زمانے میں لاکھوں میں موجود رہی ہے۔

7.3.1 امام احمد بن حنبل کی فقہی کاوشیں

1. امام احمدؒ نے فقہ اسلامی پر کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں کی۔ ان کا مجتہدین عصر مثلاً: امام شافعیؒ اور حافظ ہیثم وغیرہ سے شاگردانہ تعلق رہا۔ ان کی مخصوص تربیت اور عنایات کی وجہ سے خود ان کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہوگئی کہ آزادانہ و مجتہدانہ طور پر فتوی دینے لگے۔ تاہم ان کے تمام فتاوی ورائیں، احادیث رسول یا آثار ہی سے ماخوذ ہوتیں۔ اسی طرح انہوں نے ہزاروں مسائل کے

سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کیا، جنہیں عوام میں خاصی مقبولیت حاصل ہوئی اور بعد میں ان کے شاگردوں نے نقل و روایت کے ذریعہ انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا۔

7.3.2 فقہ حنبلی کے ناقلین

امام احمدؒ سے روایت و فتاوی کی سماعت بے شمار لوگوں نے کی۔ ان میں بعض لوگ روایات و آثار میں نقل و سماعت کے لیے اختصاص رکھتے تھے جو روایات و فتاویٰ دونوں کی ایک ساتھ روایات کرتے تھے۔ اس طرح فقہ احمد کے ناقلین بے شمار پائے جاتے ہیں۔ چند وہ حضرات جنہوں نے فقہی مسائل واجتہادات کی نقل واشاعت میں زیادہ اہم رول ادا کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

1. صالح بن احمد بن حنبلؒ (متوفی:244ھ)۔ یہ امام احمد بن حنبلؒ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔ تعلیم و تربیت والد محترم نے کی اور اپنا علمی و فکری جاں نشین بنانے کے لیے مخلصانہ کوشش کی۔ امام احمد کے علاوہ دیگر معاصر علماء سے بھی استفادہ کیا۔

2. ابو بکر احمد بن محمد ہانی الاثرم۔ یہ امام احمد بن حنبل کے ان شاگردوں میں تھے جو پختگی کی عمر تک پہنچنے کے بعد امام صاحب کے دامنِ فضل و کمال سے وابسطہ ہوئے تھے۔

3. عبد الملک بن عبد الحمید بن مہران المیمونی۔ امام احمد بن حنبل کے خصوصی شاگرد تھے؛ لیکن اس کے باوجود دیگر معاصر علماء سے بھی استفادہ کیا۔ انہیں حدیث کے مقابلہ میں فقہ سے زیادہ دل چسپی تھی۔

4. احمد بن محمد بن حجاج ابو بکر ابن راہویہ المروذی (متوفی: 275ھ)، امام احمد بن حنبلؒ کے مخصوص و مقرب شاگردوں میں تھے، حدیث و فقہ دونوں موضوع پر درک حاصل تھا۔ فقہ و فتاویٰ سے زیادہ دل چسپی تھی۔ انہوں نے امام احمد سے 'کتاب الورع' روایت کی ہے۔ بعض ناقدین حدیث نے ان پر جرح کیا ہے؛ لیکن عبد الوہاب ورّاق نے اس طعن کو معاصرانہ چشمک کا نتیجہ بتایا ہے۔

5. حرب بن اسماعیل حنظلی کرمانی (متوفی:280ھ)، ابتداءاً ان کا میلان تصوف کی جانب تھا پھر امام احمد بن حنبلؒ کی صحبت و تربیت کی وجہ سے حدیث و فقہ کا خاص ذوق پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بلا کی ذہانت اور قوت حافظہ عنایت کی تھی۔

6. ابراہیم بن اسحق حربی (متوفی:285ھ)، ابن ابی لیلیٰ کے بقول یہ علم کے امام، زہد کے سردار فقہ کے رمز آشنا، احکامِ فقہی کے ماہر اور حدیث کے حافظ تھے۔ بیس سال امام احمد کے حلقۂ درس میں شریک رہے اور حدیث و فقہ کے ساتھ امام صاحب کی شخصی خصوصیات زہد، تقوی، امانت، صبر اور توکل کے بھی مثیل تھے، فقہ حنبلی کا بڑا حصہ آپ کے واسطہ سے بعد کے لوگوں تک منتقل ہوا۔

7. احمد بن محمد بن ہارون ابو بکر الخلال (متوفی:311ھ)، فقہ حنبلی کی خدمت ان کا خاص مشغلہ تھا، اس کی جمع و ترتیب کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور بے پناہ مصیبتوں کا سامنا کر کے اس سلسلہ کا ہر ممکن مواد حاصل کیا اور ایک ترتیب کے ساتھ اپنی کتاب "الجامع الکبیر" میں اکٹھا کیا، جو بلاشبہ فقہ حنبلی کا سب سے اہم اور بڑا مجموعہ ہے۔

8. عمر بن الحسنین الحزنی وغیرہ۔ فقہ حنبلی کے کبار ائمہ میں اِن کا شمار ہوتا ہے، 'خلال' کے لائق شاگردوں میں تھے۔ انہی کی

وساطت سے مروّذی، صالح اور عبد اللہ سے مرویات حاصل کیں۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں صرف "المختصر" کو شرف بقا حاصل ہوا۔

7.3.3 فقہ حنبلی کے مصادر و مآخذ

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک بھی شریعت اسلامی کے مآخذ وہی ہیں جو دوسرے فقہاء کے ہیں؛ مگر ان کے مراتب اور استفادہ کی نوعیت میں قدرے فرق ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے اجتہادات کی بنیاد پانچ اصولوں پر رکھی تھی اس ضمن میں وہ سب سے بلند رتبہ قرآن کو دیتے ہیں، جسے لفظی طور پر سمجھا جائے اور اس کی تشریح میں تاویل یعنی مجاز یا تمثیلی تفاسیر کا استعمال نہ کیا گیا ہو پھر قرآن کے بعد سنت کا درجہ ہے۔ اس سے مراد وہ تمام احادیث ہیں، جن کے متعلق یہ یقین ہو کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں۔ آپ کے اپنے بیان کے مطابق آپ کا مقصد یہ تھا کہ اپنی مسند میں وہ احادیث جمع کریں جو آپ کے زمانے میں عام طور پر مسلم (مشہور) تھیں۔، اس کے بعد صحابہ کے وہ فتاوی جن کے بارے میں کسی دوسرے صحابی کا اختلاف منقول نہ ہو، تیسرے اگر صحابہ کا اختلاف ہو تو جو قول آپ کی رائے میں کتاب و سنت سے قریب ہوتا اسے لیتے اور صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں جاتے، چوتھے اگر ان میں سے کوئی دلیل موجود نہ ہو تو حدیث مرسل اور ایسی حدیث ضعیف جو باطل و منکر کے درجہ میں نہ ہو، اس سے استدلال کرتے، پانچویں قیاس، جب کوئی دلیل موجود نہ ہو تو امام صاحب قیاس سے کام لیتے، ویسے امام صاحب کا اپنا مزاج یہ تھا کہ جس مسئلہ میں نص یا سلف کا کوئی قول موجود نہ ہوتا تو اس میں اظہار رائے سے گریز کرتے۔ (اعلام الموفعین)

7.3.4 فقہ حنبلی کی خصوصیات

1. فقہ حنبلی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا دار و مدار نصوص و منقولات پر ہے۔ عبادات کے سلسلے میں خاص طور سے وہ قیاس آرائی کے قائل نہیں ہیں۔ معاملات اور دوسرے شرعی امور میں قیاس سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ مگر انتہائی ناگریز حالات میں اسی وجہ سے فقیہ و مجتہد کے بجائے امام احمدؒ کو زیادہ شہرت محدث کی حیثیت سے ملی۔ انہوں نے جو تحریری سرمایہ چھوڑا وہ بھی پورا کا پورا احادیث ہی سے تعلق رکھتا ہے۔
2. دینی معاملات میں بدعات سے اجتناب فقہ حنبلی کی دوسری امتیازی خصوصیت ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کبھی ایسے معاملات میں فتوی نہیں دیا جو ابھی وقوع پذیر نہ ہوئے ہوں۔
3. فقہ حنبلی میں "سدّ ذرائع" کی اصل پر بہت زور دیا گیا۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک وسائل کا حکم بھی وہی ہے، جو غایات کا ہے۔ یعنی جو امور حرام ہیں، ان کے مسائل و مقدمات بھی حرام ہوں گے۔ فقہ حنبلی کی اس اصل میں تمام دوسرے مسالک کے مقابلے میں زیادہ سہولت ہے؛ بلکہ پروفیسر ابو زہرہ کے بقول "اس فقیہانہ انداز فکر نے اس زندۂ جاوید مذہب میں ایک قسم کی تر و تازہ زندگی اور وسعت قائم کر دی ہے"۔

4. امام احمد فقہ وحدیث دونوں میں اونچا مقام رکھتے تھے، لیکن ساتھ ہی ان پر محدثانہ شان غالب تھی، اسی وجہ سے جس مسئلہ میں نص یا سلف کا کوئی قول موجود نہ ہو، اس میں اظہار رائے سے گریز کرتے تھے۔

5. فقہ حنبلی کی امتیازی شان ورع واحتیاط ہے، آپ کے یہاں نصوص سے انتہائی درجہ کا اعتناء اور اس سے شغف ملتا ہے، اس کی مثالوں میں سے یہ ہے کہ امام احمد کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جب کہ دوسرے ائمہ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، اسی طرح امام احمد کے نزدیک مجوسی اور مشرکین کے برتنوں کا دھونا واجب ہے، یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے مسائل ایسے ہیں جن میں امام احمدؒ نے ظاہر حدیث پر عمل کیا ہے، اور دوسرے ائمہ نے توجیہ وتاویل کی راہ اختیار کی ہے۔

6. فقہ حنبلی میں عہد وپیمان اور وعدہ وشرط کا پاس ولحاظ بھرپور کیا گیا ہے، حتی کہ بعض اوقات حد اعتدال سے آگے بڑھ گیا، چنانچہ امام احمدؒ کے نزدیک نکاح اور مہر کی تمام شرطیں جائز ہیں، یہاں تک کہ شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ دوسرا نکاح نہیں کرے گا، تو اس پر اس عہد کی پابندی ضروری ہے، اگر اس نے دوسرا نکاح کر لیا تو عورت کو مطالبۂ تفریق کا حق حاصل ہو گا۔

7. معاملات میں آسانی بھی فقہ حنبلی کی اہم خصوصیت ہے، چنانچہ حنابلہ نے "اشیاء میں اصل اباحت ہے" اس اصول کو بڑے توازن اور دقت نظر سے برتا ہے، اسی اصول کی بنا پر حنابلہ کے نزدیک انسانی عضو کی خرید وفروخت جائز ہے، جانوروں کی بٹائی درست ہے، اسی طرح اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے۔

7.3.5 فقہ حنبلی کا حلقہ اثر

چاروں فقہی مسالک میں فقہ حنبلی کو سب سے کم مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کا حلقہ اثر بہت محدود رہا۔ بغداد سے اس کا آغاز ہوا، جب کہ فقہ حنبلی وہاں سے پہلے ہی جڑ پکڑ چکی تھی۔ بغداد سے ماوراء النہر پہنچا۔ وہاں البتہ خوب پھلا پھولا، پھر فاطمی عہد حکومت میں مصر میں قدم رکھا، فاطمی سلطنت کے خاتمہ کے بعد ایوبی تخت پر متمکن ہوئے، جو شافعی المسلک تھے۔ انہوں نے دوسرے مذاہب کی شدت سے مخالفت کی اور شافعیہ کے علاوہ کسی کو پنپنے نہیں دیا۔ حکمراں کے جبر سے تنگ آکر مصر سے حنبلی فقہاء نے مختلف شہروں وصوبوں میں پناہ لی اور وہاں اپنے مسلک کی اشاعت کی۔ اٹھارویں صدی میں شیخ عبدالوہابؒ کی تحریک اصلاح کے ساتھ سرزمین نجد وحجاز میں یہ مسلک داخل ہوا اور حکومت کی سرپرستی میں پہلی بار باقاعدہ فروغ ملا۔ چناں چہ وہاں عوام وخواص کے ہر طبقہ میں اسے مقبولیت حاصل ہے اور اس کے فروغ واشاعت کی ہر سطح پر کوشش کی جارہی ہے۔ فقہ حنبلی کی عدم قبولیت کا مختلف طریقوں سے تجزیہ کیا گیا ہے۔ علامہ ابن خلدون کا کہنا ہے کہ "خبر وروایت سے شدتِ اعتناء اور اجتہادی عمل سے دوری کی وجہ سے اسے زیادہ قبولیت حاصل نہ ہوئی" لیکن پروفیسر ابوزہرہ نے اس الزام کی سختی سے تردید کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قوت اجتہاد اور حالات وزمانہ کی رعایت فقہ حنبلی میں کسی مسلک سے کم نہیں ہے۔ اس کی عدم قبولیت کا پروفیسر موصوف نے دوسری طرح سے تجزیہ کیا ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق اس کے اسباب درج ذیل ہیں:

1. تمام فقہی مسالک میں سب سے آخر میں اس کے اصول وخواص متعارف ہوئے۔ جب کہ ماسبق مسالک اسلامی شہروں میں اچھی طرح نفوذ کر چکے تھے۔ اس لیے اسے پھلنے پھولنے کی زمین ہی بہت کم میسر ہوئی۔

2. امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے اصحاب ہمیشہ جاہ و منصب سے دور رہے۔ اس کے برعکس اہل عراق کے درمیان مذہب حنفی اور اندلس و مغرب اقصیٰ میں مذہب مالکی کی نشر و اشاعت کا راز یہ تھا کہ ان کے علماء اور قضاۃ بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے۔ امام ابو حنیفہؒ اگر اصرار کے باوجود زندگی بھر جاہ و منصب سے دور رہے۔ لیکن ان کے شاگرد بار بار منصب قضا پر فائز ہوئے۔ امام زفرؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی زندگی ہی میں بصرہ کا منصب قضا قبول کر لیا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے ہارون الرشید کے دور میں منصب قضا کو پابندی کے ساتھ نبھایا اور کوئی سرکاری منصب عرصہ دراز تک قبول نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے یہ مسلک ہمیشہ سرکاری سرپرستی سے محروم رہا۔

اس کا ایک سبب امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے متبعین کے وہ مخصوص حالات بھی ہیں جن کی وجہ سے انہیں انتہائی مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑا جس کے رد عمل میں ان کے اندر شدید قسم کا تعصب پیدا ہو گیا، جس نے اس کی عمومی قبولیت میں خاصی رکاوٹ پیدا کی۔

7.3.6 فقہ حنبلی کی اہم کتابیں

امام احمد بن حنبلؒ کا زیادہ اشتغال حدیث نبوی سے تھا، اس لئے اپنے فتاوی، فقہی آراء واجتہاد کو مدون کرنا پسند نہیں فرمایا، آپ کے شاگردوں نے انہیں محفوظ رکھا، جن میں سر فہرست آپ کے دو صاحبزادے صالح بن احمد اور عبد اللہ بن احمد ہیں، ان کے علاوہ آپ کے جن تلامذہ نے آپ کی فقہ و فتاوی کو محفوظ رکھا ان میں نمایاں یہ ہیں: ابو بکر احمد بن محمد بن ہانی معروف بہ اثرم، احمد بن حجاج مروزی اور اسحاق بن ابراہیم معروف بہ ابن راہویہ ہیں، ان تینوں ہی نے کتاب السنن کے نام سے فقہ میں کتابیں تصنیف کیں؛ لیکن امام احمد کے فتاوی کو بڑی جامعیت اور احاطہ کے ساتھ ابو بکر مروزی کے شاگرد احمد بن محمد بن ہارون ابو بکر خلال نے "الجامع الکبیر" کے نام سے جمع فرمایا، بعد میں چل کر یہی کتاب فقہ حنبلی کی اساس و بنیاد بنی، اس مجموعہ کی تلخیص ابو القاسم خرقی اور عبد العزیز بن جعفر غلام خلال نے کی۔ اس کی بہت ساری شرحیں ہیں۔

7.4 فرہنگ

دَبِستان : اسکول، مکتب، مدرسہ، مکتبۂ فکر

مُستَنبَط : نکالا ہوا، اخذ کیا گیا، چنا گیا، چھانٹا گیا، بطور نتیجہ نکالا ہوا

توسع : فراخی، وسعت، گنجائش.

شَاذّ : مختصر، کم، معدوم، ناپید، نایاب

اِعتِنا : پروا، توجہ، خیال

رمز آشنا : پوشیدہ باتیں جاننے والا، بھید کا جاننے والا

7.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- مسلک فقہ شافعی جو کہ امام محمد ابن ادریس شافعیؒ کی طرف منسوب ہے، اس مسلک کی تشکیل مکہ، پھر عراق و بغداد اور مصر میں ہوئی، اس فقہ پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی فقہی آراء اور منہاج فکر کا گہرا اثر ہے، اس مسلک کی بنیادی کتابیں خود امام شافعی کی اپنی تالیفات ہیں، جن میں زیادہ مشہور کتاب "الأم" اور "کتاب الرسالۃ" ہیں، اس فقہی مسلک کی تدوین و ترویج اور تشکیل میں جن فقہاء نے حصہ لیا ہے، وہ یہ ہیں: ابویعقوب بویطی، ابوابراہیم مزنی مصری، حرملہ بن یحی، ربیع بن سلیمان مرادی، ابواسحاق مروزی، ابو بکر احمد بن اسحاق، ابو بکر محمد بن احمد حداد، ابو علی حسین بن حسین، ابوالولید حسان بن محمد قرشی، ابوالسائب عقبہ قاضی اور ابوالقاسم عبدالواحد صیمری ہیں۔
- فقہ حنبلی جو کہ امام احمد بن حنبل کی طرف منسوب ہے، اس مسلک کی تشکیل کا عمل بغداد میں انجام پایا، امام احمد گو محدث و مجتہد تھے؛ لیکن وہ اپنی فقہی آراء مدون کئے جانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، آپ کی فقہی آراء واجتہادات اور فتاوی کو آپ کے شاگردوں جن میں آپ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور صالح بھی شامل ہیں، نے مدون کیا، اس فقہ کی بنیادی کتابیں الجامع الکبیر از ابو بکر خلال، اس کی تلخیص مختصر الخرقی، پھر اس کی مبسوط شرح ابن قدامہ کی المغنی ہے، اس فقہ کے مشہور فقہاء میں صالح، ابو بکر خلال، عبدالملک بن عبدالحمید میمونی، ابوالقاسم عمر بن حسین خرقی، بعد کے ادوار میں ابن قدامہ، ابن تیمیہ اور ابن قیم قابل ذکر ہیں۔

7.6 نمونہ امتحانی سوالات

7.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ شافعی کا آغاز کہاں ہوا؟

(a). مکہ (b). مدینہ (c). کوفہ (d). بغداد

2. "کتاب الام" کے مصنف کون ہیں؟

(a). امام شافعیؒ (b). امام مالکؒ (c). امام ابو حنیفہؒ (d). امام احمدؒ

3. امام محمد ادریس شافعی کی وفات کب ہوئی؟

(a). 204ھ (b). 210ھ (c). 220ھ (d). 225ھ

4. ابو بکر حمید، بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ ان کا تعلق کس مسلک سے تھا؟

(a). حنفی (b). مالکی (c). شافعی (d). حنبلی

5. حنبلی فقہ کی ابتدائی نشوونما کہاں ہوئی؟

(a). بغداد (b). مدینہ (c). کوفہ (d). مصر

6. امام احمد کے فتاوی کو کس نام سے جمع کیا؟

(a). الجامع الکبیر (b). کتاب الخراج (c). مدونۃ الکبری (d). کتاب الام

7. فقہ شافعی میں مختلف آراءواقوال کو نقل کرتے ہوئے کتنی قسم کی تعبیرات استعمال کی جاتی ہیں؟

(a) دو (b). تین (c). چار (d). پانچ

8. حدیث کی مشہور ومعروف کتاب "المسند" کس نے مرتب کی؟

(a). امام احمدؒ (b). امام مالکؒ (c). امام ابو حنیفہؒ (d). امام شافعیؒ

9. فقہ حنبلی کی بنیادی کتاب جو ابو بکر خلال نے مدون کی؟

(a). کتاب الام (b). کتاب الخراج (c). مدونۃ الکبری (d). الجامع الکبیر

10. امام احمد رحمہ اللہ نے اپنے اجتہادات کی بنیاد کتنے اصولوں پر رکھی تھی؟

(a). تین (b). چار (c). پانچ (d). سات

7.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ شافعی کی خصوصیات پر نوٹ لکھیے۔
2. فقہ شافعی کے مشہور فقہاء پر روشنی ڈالیے۔
3. فقہ حنبلی کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
4. فقہ حنبلی کے مشہور فقہاء پر تبصرہ کیجیے۔
5. امام شافعی کی فقہی خدمات کا جائزہ لیجیے۔

7.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. فقہ شافعی کے آغاز وارتقاء پر ایک جامع نوٹ لکھیے۔
2. فقہ حنبلی کے نشوونما پر مفصل مضمون تحریر کیجیے۔
3. فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کی انفرادی خصوصیات کا تقابلی جائزہ لیجیے۔

7.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. فقہ اسلامی۔ تعارف اور تاریخ : پروفیسر اختر الواسع۔ ڈاکٹر محمد فہیم اختر ندوی
2. فقہ اسلامی۔ تدوین و تعارف : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
3. قاموس الفقہ : مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

معروضی سوالات کے جوابات

1.D	2.A	3.A	4.C	5.A
6.A	7. B	8.A	9. D	10.C

اکائی 8: فقہی مسالک کا تعارف حصہ سوم: اہل حدیث اور فقہ جعفری

اکائی کے اجزا:

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 مسلک اہل حدیث

8.2.1 اہل حدیث کا عام مفہوم

8.2.2 مناہج استنباط

8.2.3 اہل حدیث کے خصوصی مسائل

8.2.4 فقہ اہل حدیث کے مشہور فقہاء

8.2.5 مسلک اہل حدیث فقہ کی اہم تصانیف

8.3 فقہ جعفری

8.3.1 فقہ جعفری کے مناہج استنباط

8.3.2 فقہ جعفری کے ائمہ کرام (بارہ امام)

8.3.3 فقہ جعفری کی اہم کتابیں

8.4 فرہنگ

8.5 اکتسابی نتائج

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

8.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

8.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

8.0 تمہید

مجتہدین فقہاء کے مناہج استنباط میں اختلاف کی وجہ سے متعدد فقہی مسالک وجود میں آئے، ان میں سے مسلک حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے بارے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس اکائی میں ہم مسلک اہلحدیث اور فقہ جعفری کا تعارف کرائیں گے، ان کے مناہج استنباط پر روشنی ڈالیں گے اور ان کی اہم شخصیات اور کتابوں کا مختصر تعارف پیش کریں گے۔

8.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ :

- مسلک اہل حدیث اور فقہ جعفری سے متعارف ہو سکیں۔
- اہل حدیث علماء کے مسائل مستنبط کرنے کے طریقے اور مناہج کا جائزہ لے سکیں۔
- مسلک اہل حدیث اور فقہ جعفری کی اہم شخصیات اور کتب سے واقف ہو سکیں۔

8.2 مسلک اہل حدیث

اہل الحدیث اور اصحاب الحدیث کی اصطلاح صحابہ و تابعین کے زمانے سے ہی رائج ہے، اور اس سے مراد وہ لوگ ہوتے تھے جنہوں نے روایت حدیث، نقد حدیث اور اشاعت حدیث کو اپنا مشغلہ بنایا تھا، وہ نصوص کے ظاہر پر عمل کرتے تھے اور ظاہر نصوص سے جو مسئلہ معلوم ہوتا، پوچھنے والوں کو بتادیتے تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: "علماء کی ایک جماعت ایسی تھی جو رائے کے ذریعہ مسائل میں غور وخوض کرنے کو ناپسند کرتی تھی اور نصوص سے استنباط کر کے فتویٰ دینے سے ڈرتی تھی۔ البتہ جب شدید ضرورت پڑتی اور مسئلہ مستنبط کئے بغیر چارہ نہیں رہتا، تو پھر وہ اجتہاد کرتے تھے۔ ان تمام حضرات کی توجہ روایت حدیث کی طرف تھی، اور ان محدثین کے بالمقابل امام مالکؒ اور امام سفیانؒ کے زمانہ میں اور ان کے بعد ایسے لوگ تھے جو مسائل کو ناپسند نہیں کرتے تھے اور فتویٰ دینے سے نہیں ڈرتے تھے اور وہ کہتے ہیں کہ فقہ پر دین کی بنیاد ہے اور اسکی اشاعت ضروری ہے"۔

8.2.1 اہل حدیث کا عام مفہوم

اہل حدیث کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ابو حماد عبد الغفار سلفی لکھتے ہیں: "اہل حدیث سے مراد وہ لوگ ہیں جو عقائد

وعبادات اور اعمال واحکام میں کتاب وسنت رسول اللہ ﷺ کو حجت مانتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں۔ اس میں کسی بھی قسم کی کمی وبیشی کو جائز تصور نہیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہر قسم کے شرک وبدعات اور خرافات سے باز رہتے ہیں"۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے: "اہل حدیث، کبھی اہل الحدیث، اصحاب الحدیث، اہل السنۃ، اہل الاثر، سلفی اور اثری کا ہم معنیٰ ہو کر کبھی ایک معین مخصوص مسلک اور تحریک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس خاص نام یعنی اہل حدیث کی ابتداء تقریباً دو صدی قبل (بارہویں صدی) میں ہوئی۔ مگر اہل حدیث علماء اپنا سلسلہ قدیم اصحاب الحدیث اور اہل الحدیث سے ملاتے ہیں"۔

8.2.2 مناہج استنباط

مسلک اہل حدیث میں مسائل کے استنباط کے طریقہ کار اور مناہج پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسریؒ لکھتے ہیں: دین کے اصول چار ہیں: قرآن، حدیث، اجماع امت اور قیاس مجتہد۔ سب سے مقدم قرآن شریف ہے، پھر علی سبیل المراتب۔ قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لئے علم لغت، قواعد صرف ونحو، علم معانی، بیان، اصول فقہ وغیرہ ذریعہ ہیں، جو مسئلہ قرآن وحدیث سے بطریق مذکورہ ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل سکے تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ حل ہو سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس قابل عمل ہو گا۔ (اہل حدیث کا مذہب، از مولانا ثناء اللہ امر تسری)

اصول وقواعد

مسلک اہل حدیث میں مسائل کے استنباط کے لئے قرآن وحدیث میں مسئلہ کا حل نہ ملنے کی صورت میں درج ذیل اصول کی روشنی میں مسائل حل کئے جائیں گے:

1. اجماع امت
2. قیاس صحیح
3. قول صحابی
4. تعارض ادلہ

1. اجماع امت

اہل حدیث کے نزدیک اجماع شرعاً حجت ہے، مگر اس کا شمار ثانوی درجہ کے ادلہ میں ہوتا ہے، اور اجماع کے لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب وسنت سے مستنبط ہو، نیز اجماع کو کتاب وسنت پر مقدم نہیں کیا جائے گا، اور نہ اجماع کسی نص کو منسوخ کر سکے گا۔

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں: "جو مسئلہ قرآن وحدیث سے ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل سکے، تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہو گا وہ قابل عمل ہے۔ البتہ اجماع کسی مسئلہ کو یا اس کے کسی حکم کو ثابت نہیں کرتا، بلکہ کوئی مسئلہ یا اس کا شرعی حکم اصلاً کتاب وسنت میں موجود ہوتا ہے، اور اس کا حجت ہونا کتاب وسنت کی بنا پر ہی قائم ہوتا ہے اور اجماع اس حکم میں ایک قسم کی تاکید پیدا کرتا ہے"۔

2. قیاس صحیح

اہل حدیث حضرات کے نزدیک قیاس کا شمار ادلہ شرعیہ میں ہوتا ہے۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں: ”کسی مجتہد کا قیاس قابل عمل ہو گا“۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی لکھتے ہیں: ”نہ قیاس کی ضرورت سے انکار کیا جا سکتا ہے، نہ ہی اپنے مقام پر اس کی حجیت اور افادیت کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے، ائمہ حدیث ظواہر حدیث کے ساتھ پوری عقیدت الفاظ اور ان کے معانی کے ساتھ پورے اعتناء کرنے کے باوجود قیاس کو شرعی حجت سمجھتے ہیں اور ان قیاسی ادلہ سے پوری طرح استفادہ کے قائل ہیں“۔

1.2.3.3 قیاس کے اصول وضوابط

1. نص کی موجودگی میں قیاس نہیں ہو گا۔

مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں: ”جس مسئلہ میں آیت یا حدیث ہو گی، اس میں مجتہد قیاس نہ کرے گا اور جس مجتہد کا قیاس کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ ہو گا، اسی پر عمل کریں گے، اور جس کا قیاس تقاضائے شریعت کے خلاف ہو گا اسے متروک العمل جان کر عمل نہیں کریں گے“۔

2. انتہائی ضرورت کے وقت ہی قیاس کیا جائے گا۔

جب کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے کوئی دلیل نہ ملے، اسی وقت قیاس کیا جائے گا، کیونکہ قیاس ایک ضرورت ہے، اور ضرورت پر ہی اسے روبہ عمل لایا جائے گا۔ لہٰذا مسائل فرض کر کے قیاس کرنا اہل حدیث کے نزدیک درست نہیں ہے۔ (اہل حدیث فکر: تجزیاتی مطالعہ تحقیقی مقالہ برائے ایم فل، علوم اسلامیہ، مقالہ نگار آصف جاوید، نگراں ڈاکٹر حافظ عبد القیوم، شیخ زید اسلامک سنٹر پنجاب یونیورسٹی، لاہور)

مزید بر آں قیاس کے درج ذیل اصول وضوابط ہیں:

3. عبادات میں قیاس نہیں ہو گا۔
4. صحابی کا قول قیاس پر مقدم ہو گا۔
5. قیاس صحیح ضعیف حدیث پر مقدم ہو گا۔
6. عقوبات میں قیاس نہیں ہو گا۔
7. قیاس کسی نص کے لئے ناسخ نہیں بن سکتا ہے۔

8.2.3 اہل حدیث کے خصوصی مسائل

1. تقلید شخصی کے منکر ہیں، اور کسی مجتہد کی تقلید کرنے کے بجائے براہ راست قرآن وحدیث سے مسئلہ اخذ کرنے پر زور دیتے ہیں۔
2. امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کی قرأت: اہلحدیث کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں پر سورہ فاتحہ کی قرأت فرض ہے۔
3. رفع یدین: اہلحدیث کے نزدیک نماز میں رکوع کرتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے دونوں ہاتھ تکبیر تحریمہ کی طرح کانوں

تک ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

4. خطبہ میں وعظ: اہل حدیث کے نزدیک خطیب جمعہ کے خطبہ میں قرآن شریف پڑھ کر اس کا مطلب مقامی زبان میں بیان کرے گا۔

5. تراویح: اہل حدیث کے نزدیک رمضان کے مہینہ میں آٹھ رکعت اور مع وتر گیارہ رکعت تراویح باجماعت رات کے اول حصہ میں پڑھنی سنت ہے۔

6. ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے، یعنی عورت شوہر پر حرام نہیں ہوتی ہے، بلکہ شوہر رجوع کر سکتا ہے

8.2.4 فقہ اہل حدیث کے مشہور فقہاء

مسلک اہل حدیث کے مشہور فقہاء میں چند ممتاز شخصیات یہ ہیں:

1. علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجی بھوپالی

آپ کی ولادت 19 جمادی الاولی 1248ھ مطابق 14 اکتوبر 1832ء کو اتر پردیش کے شہر بانس بریلی اپنے نانیہال میں پیدا ہوئے، پھر ان کی والدہ انہیں قنوج لے آئیں، مشاہیر اہل علم سے استفادہ کے بعد آپ بھوپال تشریف لے گئے اور شیخ زین العارفین بن محسن یمانی اور شیخ محمد حسین سے صحاح ستہ کی سند حاصل کی۔ آپ کے والد کا نام مولانا سید اولاد حسن خاں ہے۔ آپ برصغیر کے مایہ ناز عالم، محدث اور فقیہ تھے۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ آپ کو تفسیر، حدیث اور فقہ میں خصوصی درک حاصل تھا۔ آپ نے مسلک اہل حدیث کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے فقہ کے موضوع پر علامہ شوکانی کی کتاب الدر ر البهيه فی المسائل الفقهيه کی شاندار شرح الروضة الندية شرح الدرر البهيه کے نام سے لکھی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ فقہی مسائل کے ساتھ دلائل بھی ذکر کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات 1307ھ مطابق 1890ء کو بھوپال میں ہوئی۔

2. مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی

مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی کی ولادت صوبہ بہار کے ضلع مونگیر میں 1220ھ مطابق 1805ء کو ہوئی۔ والد کا نام سید جواد علی تھا۔ آپ کا شمار مسلک اہل حدیث کے بانیوں میں ہوتا ہے، آپ کی خدمات کے اعتراف میں شیخ الکل کا خطاب دیا گیا، آپ نے دہلی میں ساٹھ سال حدیث شریف کا درس دیا، چنانچہ آپ کو شیخ الکل فی الکل کے لقب سے نوازا گیا۔ درس حدیث کے علاوہ آپ نے فقہ و فتاویٰ کو اپنا مشغلہ بنایا۔ چنانچہ آپ کے فتاویٰ "فتاویٰ نذیریہ" کے نام سے دو جلدوں میں مطبوعہ ہے۔ اس میں 42 عنوانات کے تحت فتاویٰ جمع کئے گئے ہیں۔ آپ کی وفات 1320ھ مطابق 13/ اکتوبر 1902ء کو دہلی میں ہوئی۔

3. مولانا ابوالوفاء ثناءاللہ امرتسری

آپ برصغیر کے ممتاز اور جید عالم دین تھے, آپ کی پیدائش 1285ھ مطابق 1868ء کو امرتسر میں ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن

اننت ناگ، سری نگر کشمیر تھا۔ آپ کے والد کا نام محمد خضر جو تھا، آپ کے والد سری نگر سے ہجرت کر کے امر تسر میں مقیم ہو گئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم مدرسہ تائید الاسلام امر تسر میں ہوئی، پھر آپ دیوبند تشریف لے گئے اور دار العلوم دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے وطن امر تسر آئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں حدیث کی تدریس میں مشغول ہو گئے۔ ساتھ ہی عیسائی، آریہ اور قادیانیوں سے آپ نے کامیاب مناظرے کئے۔ چنانچہ آپ کو فاتح قادیان، سردار اہل حدیث اور شیر پنجاب وغیرہ کے القابات سے نوازا گیا۔ آپ نے متعدد کتابیں تحریر کیں، جن میں مشہور تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن اور تفسیر ثنائی مشہور تفاسیر ہیں۔ آپ کی وفات 1367ھ مطابق 1948ء کو ہوئی۔

4. مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری

آپ کا پورا نام ابو حسن عبید اللہ بن عبد السلام رحمانی مبارکپوری ہے۔ آپ کی پیدائش 1327ھ مطابق 1909ء کو ضلع اعظم گڑھ کے شہر مبارکپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا عبد السلام مبارکپوری ایک جلیل القدر عالم تھے، مولانا عبید اللہ رحمانی بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ محدث اور محقق بھی تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی، پھر دار الحدیث دہلی سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے فراغت کی سند حاصل کی، اور وہیں مدرس مقرر ہوئے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں اہم مرعاۃ المفاتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح ہے، اس کے علاوہ 'تحفۃ الاحوذی' کی آخری دو جلدوں میں آپ نے علمی تعاون بھی کیا ہے۔ آپ کی وفات 5/ جنوری 1994ء مطابق 22/ رجب 1414ھ کو ہوئی۔

5. مولانا شمس الحق عظیم آبادی

مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی پیدائش 1273ھ مطابق 1857ء کو صوبہ بہار کے مشہور شہر عظیم آباد پٹنہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم عظیم آباد میں ہوئی۔ 1878ء کو شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے تفسیر، حدیث اور فقہ کا درس لینے کے بعد وطن واپس آ گئے، پھر بھوپال تشریف لے گئے اور علامہ شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے صحاح ستہ کے اطراف پڑھ کر حدیث کی اجازت لی۔ اس کے بعد حرمین تشریف لے گئے، اور وہاں کے محدثین سے استفادہ کیا۔ واپسی کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ملک و بیرون ملک کے طلبہ آ کر آپ سے استفادہ کرتے، درس و تدریس کے علاوہ فتاویٰ بھی دیتے تھے۔ آپ فتاویٰ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں دیا کرتے تھے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں سب سے مشہور عون المعبود علی سنن ابی داؤد ہے۔ آپ کی وفات ربیع الاول 1329ھ مطابق مارچ 1911ء کو عظیم آباد میں ہوئی۔

6. مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری

مولانا عبد الرحمن مبارکپوری اہل حدیث کے مایہ ناز علماء میں تھے۔ آپ کی پیدائش 1283ھ مطابق 1867ء کو مبارکپور میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد حافظ عبد الرحیم سے حاصل کی۔ آپ نے شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی اور علامہ شیخ حسین بن الحسن انصاری الیمانی سے کتب احادیث پڑھیں۔ فراغت کے بعد درس و تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی

متعدد تصانیف میں سنن ترمذی کی شرح تحفۃ الاحوذی انتہائی مقبول کتاب ہے۔ آپ کی وفات شوال 1353ھ مطابق 22/ جنوری 1935ء کو مبارکپور میں ہوئی۔

8.2.5 مسلک اہل حدیث فقہ کی اہم تصانیف

1. الروضة النديه شرح الدرر البهية از نواب صدیق حسن خان بھوپالی (متوفی:1307ھ)
2. فقه السنه از سید سابق (متوفی:1420ھ)
3. تمام المنة فی التعلیق علی فقه السنة از شیخ ناصر الدین البانی (متوفی:1420ھ)
4. الملخص الفقهی از شیخ صالح بن فوزان
5. الوجیز فی فقه السنه والکتاب العزیز از شیخ عبد العظیم بدوی

8.3 فقہ جعفری

فقہ جعفری اہل تشیع کے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؒ کی طرف منسوب ہے۔ فقہ جعفری حضرت علیؓ اور ائمہ اہل بیت کی تعلیمات پر مبنی ہے۔ اس فقہ کی بنیاد مدینہ منورہ میں پڑی۔ مدینہ کے بعد کوفہ، بغداد، نجف، حلہ، رے، قم، اور مشہد اس فقہ کے بنیادی مراکز رہے۔ اس وقت متعدد ممالک مثلاً ایران، عراق، لبنان وشام اور ہندوستان وپاکستان میں اس فقہ پر عمل کرنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔

تیسری صدی ہجری کے وسط تک فقہ جعفریہ میں ائمہ کو مرجع کی حیثیت حاصل تھی۔ وہی حاکم اعلیٰ ہوتے تھے۔ اور انہیں کے حکم سے مسائل حل ہوتے تھے۔ مذہبی طور پر تمام شیعہ ان کے احکام کے تابع ہوتے تھے۔ بارہ اماموں کے بعد چار لوگوں کو مرجعیت کا درجہ دیا گیا، اوران کو نوابین اربعہ کہا جاتا ہے، ان کے نام یہ ہیں: عثمان بن سعید، محمد بن عثمان بن سعید، حسین روح اور ابو الحسن علی بن محمد سمری۔ ان نوابین کے بعد اکابر فقہاء مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا شخص مجتہد کہلاتا ہے، اور ان پر تقلید حرام ہے۔ بارہ اماموں کے بعد مجتہد کو حاکم شرع کی حیثیت حاصل ہے، اور ان کو بادشاہ کے محاسبہ کا حق ہوتا ہے۔

8.3.1 فقہ جعفری کے مناہج استنباط

فقہ جعفری میں احکام کے استنباط کے چار مصادر ہیں: 1. قرآن کریم، 2. سنت، 3. اجماع، اور 4. عقل۔

1. قرآن کریم

فقہ جعفری میں مسئلہ مستنبط کرنے کے لئے قرآن کریم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ البتہ قرآن کی تفسیر میں ان کے بارہ اماموں اور اہل بیت کے اقوال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ چنانچہ شیعہ کے نزدیک قرآن کریم کی تفسیر اسی وقت معتبر ہوگی جب وہ نبی اکرم ﷺ یا ائمہ اہل بیت کے اقوال کے مطابق ہو۔

2. سنت

قرآن کریم کے بعد دوسرا بنیادی مصدر سنت ہے۔

شیعہ حضرات کے نزدیک سنت سے مراد نبی کریم ﷺ اور امام کا قول، فعل اور تقریر ہے۔۔ چنانچہ آیت اللہ شہید استاد مرتضی مطہری سنت کی تعریف کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: سنت، یعنی پیغمبر وامام کا قول، فعل اور تقریر۔

3. اجماع

فقہ جعفری میں صرف وہ اجماع حجت ہے، جو پیغمبر یا امام کے قول کا انکشاف کرتا ہو۔ یعنی اگر اجماع سے یہ معلوم ہو کہ یہ پیغمبر یا امام معصوم کا حکم یا قول ہے تب وہ حجت ہو گا۔ ورنہ نہیں۔

چنانچہ آیت اللہ شہید استاد مرتضی مطہری لکھتے ہیں: اجماع بذات خود حقیقت واصالت نہیں رکھتا، یعنی اجماع اس لئے حجت نہیں ہے کہ وہ اجماع اور اتفاق نظر ہے، بلکہ اس لئے حجت ہے کہ وہ پیغمبر یا امام کے قول کا کاشف ہے، نیز صرف پیغمبر یا امام کے ہم عصر علما کا اجماع حجت ہے، پس اگر آج ہمارے دور میں تمام علما اسلام کسی ایک مسئلہ پر اجماع کر لیں تو وہ بعد کے علما کے لئے حجت نہ ہو گا۔

4. عقل

فقہ جعفری میں عقل انسانی استنباط احکام کا چوتھا مصدر ہے۔ چنانچہ آیت اللہ شہید استاد مرتضی مطہری لکھتے ہیں: اگر عقل کسی مسئلہ میں قطعی ویقینی حکم دیدے، تو چونکہ وہ قطعی ویقینی حکم ہے، لہذا حجت ہے۔

علامہ محمد رضا مظفر لکھتے ہیں: "ہم عقل پر اعتماد کرتے ہیں احکام کے استنباط میں۔ چنانچہ جو حکم شرعی بھی عقل قطعی سے ثابت ہو، وہ واجب الاتباع ہو گا"۔ علامہ محمد رضا مظفر نے عقلی دلیل کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہر وہ عقلی قضیہ جس کے ذریعہ حکم شرعی کے قطعی علم تک پہنچا جائے"۔

شیعہ علماء نے عقل کی دو قسمیں کی ہیں:

مستقلات عقلیہ اور دوسرا غیر مستقلات عقلیہ۔

مستقلات عقلیہ سے مراد یہ ہے کہ عقل کسی حکم شرعی کے واسطہ کے بغیر حکم شرعی تک پہنچ جاتی ہے، جیسے عقل بذات خود کہتی ہے کہ امانت کو واپس کرنا واجب ہو، یا یہ کہ ظلم اور جھوٹ بہت بری چیز ہے۔

عقل کی دوسری قسم غیر مستقلات عقلیہ ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ عقل اپنی ذات میں حکم شرعی تک نہیں پہنچ سکتی، بلکہ اس کے لئے کسی حکم شرعی کا سہارا لینا ضروری ہے، جیسے جب دو حکموں کے درمیان اختلاف ہو تو اہم حکم کو مقدم کرنے کا حکم دینا۔ اس سے عقل یہ حکم نکالتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اہم کام کو انجام دینا ہی واجب ہے۔

فقہ جعفری میں ان کو مصادر استنباط تسلیم نہیں کیا گیا ہے: 1. قیاس، 2. استحسان، 3. مصالح مرسلہ، 4. قول صحابی۔

8.3.2 فقہ جعفری کے ائمہ کرام (بارہ امام)

1. حضرت امام علیؓ

آپ کا نام علی بن ابی طالب ہے، کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ لقب المرتضیٰ، اسد اللہ، حیدر اور امیر المؤمنین ہے۔ آپ چوتھے خلیفہ راشد تھے، اورآپ نے 656 عیسوی سے 661 تک خلافت کے فرائض انجام دیے، آپ کو شیعہ کے نزدیک خلیفہ بلافصل، پہلا امام معصوم اور وصی رسول اللہ سمجھا جاتا ہے، آپ کی پیدائش 13/ رجب ہجرت سے 23 سال قبل 17/ مارچ 599ء کو مکہ میں جمعہ کے دن ہوئی۔ والد کا نام ابو طالب بن عبد المطلب اور والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد ہے۔ بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔ آپ کی شہادت 21/ رمضان 40ھ مطابق 29 جنوری 661ء کو ہوئی۔ آپ کی قبر نجف میں ہے۔

2. حضرت امام حسنؓ

آپ کا نام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب ہے۔ کنیت ابو محمد، لقب سید، سبط اکبر، ریحانۃ الرسول اور کریم اہل بیت ہے۔ آپ کے والد حضرت امام علیؓ اور والدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔ آپ کی پیدائش پندرہ رمضان سن 3ھ مطابق 625ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی شہادت 28/ صفر 50ھ کو ہوئی۔ آپ سات ماہ کے قریب منصب خلافت پر فائز رہے۔ آپ جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

3. حضرت امام حسینؓ

آپ کا نام حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالب ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ ہے اور لقب سبط رسول، ریحانۃ الرسول، سید الشہداء اور امام مظلوم ہے۔ آپ کے والد حضرت امام علیؓ اور والدہ حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ہیں۔ آپ چھوٹے لڑکے تھے، آپ کی ولادت 3/ شعبان 4 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی، اور آپ کی شہادت 10/ محرم 61 ہجری کو کربلا عراق میں ہوئی۔ آپ کا روضہ کربلا میں ہے۔

4. حضرت امام زین العابدینؒ

آپ کا نام علی بن حسین ہے۔ کنیت ابو محمد اور لقب زین العابدین اورامام الساجدین ہے۔ والد حضرت امام حسینؓ اور والدہ شہر بانو ہیں۔ آپ کی پیدائش 38 ہجری کو ہوئی اور شہادت 25/ محرم سنہ 95ھ کو ہوئی۔ آپ کی قبر جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔

5. حضرت امام محمد باقرؒ

آپ کا نام محمد بن علی ہے، کنیت ابو جعفر اور لقب الباقر ہے۔ آپ کے والد کا نام امام زین العابدین ہے، والدہ کا نام حضرت فاطمہ بنت حسن ہے۔ آپ کی ولادت 57ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور 7/ ذی الحجہ 114ھ کو مدینہ منورہ میں آپ کی شہادت ہوئی۔ آپ جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

6. حضرت امام جعفر صادقؒ

آپ کا نام جعفر بن محمد باقر بن علی ہے۔ کنیت ابو عبد اللہ ہے، اور لقب الصادق ہے۔ والد کا نام محمد بن علی الباقر ہے۔ والدہ کا نام ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابو بکر ہے۔ آپ کی ولادت 17/ ربیع الاول 80ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت 15/ شوال 148ھ

ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی قبر مدینہ منورہ میں جنت البقیع میں ہے۔

7. حضرت امام موسیٰ کاظمؒ

آپ کا نام موسیٰ بن جعفر بن محمد، کنیت ابوالحسن اور ابوابراہیم ہے، لقب الکاظم اور باب الحوائج ہے۔ والد کا نام امام جعفر صادق ہے اور والدہ کا نام حمیدہ ہے۔ آپ کی پیدائش 7/ صفر 128ھ کو ابواء (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے) میں ہوئی اور آپ کی شہادت 25/ رجب 183ھ کو ہوئی۔ آپ کا روضہ عراق کے شہر کاظمین میں ہے۔

8. حضرت امام علی رضاؒ

آپ کا نام علی بن موسیٰ الرضا ہے، کنیت ابوالحسن اور لقب الرضا ہے۔ والد کا نام امام موسیٰ کاظم ہے، اور والدہ کا نام نجمہ ہے۔ آپ کی پیدائش 11/ ذی قعدہ 148ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی شہادت 29/ صفر 203ھ مطابق 818ء کو طوس میں ہوئی۔ آپ کا روضہ مشہد ایران میں ہے۔

9. حضرت امام محمد تقیؒ

آپ کا نام محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر ہے۔ کنیت ابو جعفر ہے، لقب التقی اور الجواد ہے۔ آپ کے والد کا نام امام علی رضا ہے، اور والدہ کا نام حضرت سبیکہ ہے۔ آپ حضرت ماریہ قبطیہ کی نسل سے تھیں۔ آپ کی پیدائش 10/ رجب 195ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ آپ کی شہادت 29/ ذی قعدہ 220ھ کو میں بغداد میں ہوئی۔ کاظمین میں آپ کی قبر ہے۔

10. حضرت امام علی نقیؒ

آپ کا نام علی بن محمد بن علی ہے۔ کنیت ابوالحسن ہے اور لقب الہادی اور النقی ہے۔ والد کا نام امام محمد تقی اور والدہ کا نام حضرت سمانہ ہے۔ آپ کی پیدائش 15/ ذی الحجہ 212ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی، اور شہادت 3/ رجب 254ھ کو ہوئی۔ آپ کی قبر سامرہ (عراق) میں ہے۔

11. حضرت امام حسن عسکریؒ

آپ کا نام حسن بن علی بن محمد ہے، کنیت ابو محمد اور لقب صامت، ہادی وغیرہ ہے، امام حسن العسکری سے، مشہور ہیں۔ آپ کے والد کا نام حضرت امام علی نقی ہے اور والدہ کا نام حضرت سلیل ہے۔ آپ کی پیدائش 10/ ربیع الثانی 232ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی، اور آپ کی شہادت 8/ ربیع الاول 260ھ کو سامرا میں ہوئی۔ آپ کا روضہ سامرا (عراق) میں ہے۔

12. حضرت امام مہدیؒ

آپ کا نام محمد بن الحسن بن علی ہے۔ آپ کے والد حضرت امام حسن عسکری ہیں۔ آپ کی والدہ کا نام نرجس ہے۔ آپ کی پیدائش 15/ شعبان 255ھ کو عراق کے شہر سامرا میں ہوئی۔ شیعہ عقیدے کے مطابق وہ اللہ تعالی کے حکم سے آج تک زندہ ہیں اور پردہ غیب میں ہیں، جب اللہ کا حکم ہو گا تو ظاہر ہوں گے۔

8.3.3 فقہ جعفری کی اہم کتابیں

1. الکافی : شیخ کلینی (متوفی:329ھ)
2. من لا یحضرہ الفقیہ : شیخ صدوق (متوفی:381ھ)
3. الاستبصار : شیخ طوسی (متوفی:460ھ)
4. شرائع الاسلام : علامہ حلی (متوفی:676ھ)

فقہ جعفریہ کے مشہور فقہاء میں ابو النضر محمد بن مسعود عباسی اور ابو علی محمد بن احمد بن جنید ہیں، یہ دونوں ہی ابو جعفر محمد باقر کے اصحاب میں سے ہیں، ان کے علاوہ موسی کاظم (183ھ)، ان کے بیٹے علی رضا بن فروخ صفار اعرج قمّی (متوفی 290ھ) اور محمد بن یعقوب بن اسحاق کُلَینی رازی (328ھ) ہیں۔

8.4 فرہنگ

اجماع : اتفاق

نصوص : اس سے مراد قرآن و حدیث ہیں

مناہج استنباط : مناہج، منہج کی جمع ہے، جس کا معنی ہے، طریقہ، اور مناہج استنباط کا مطلب ہے، قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس سے نئے مسائل اخذ کرنے کے طریقے

8.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اہل الحدیث کی اصطلاح اسلام کے اولین عہد سے رائج ہے، لیکن مسلک اہل حدیث کا وجود منظم شکل میں ایک تحریک کی صورت میں بارہویں صدی میں رائج ہوا۔
- مسلک اہل حدیث میں بھی فقہ کے بنیادی مصادر قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس ہیں، البتہ ان کی تفصیلات میں اختلاف ہے۔
- فقہ جعفری سیدنا امام جعفر صادق کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے فقہ جعفری کہلاتا ہے۔
- فقہ جعفری میں فقہ کے بنیادی مصادر قرآن، سنت اجماع اور عقل ہیں۔
- فقہ جعفری میں سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کے علاوہ بارہ ائمہ جن کو وہ ائمہ معصومین کہتے ہیں، ان کا قول، فعل اور تقریر بھی سنت کی تعریف میں داخل ہے۔
- فقہ جعفری میں اجماع مستقل بالذات حجت نہیں ہے، بلکہ اجماع امام معصوم کے قول کو کشف اور واضح کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

8.6 نمونہ امتحانی سوالات

8.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. نواب صدیق حسن خان بھوپالی کہاں پیدا ہوئے؟

(a). بھوپال (b). اعظم گڑھ (c). قنوج (d). ان میں سے کوئی نہیں

2. شیخ الکل فی الکل کا خطاب کن کو دیا گیا؟

(a). ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسری (b). شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری (c). شیخ نذیر حسین محدث دہلوی

3. "عون المعبود" کس فن کی کتاب ہے؟

(a). تفسیر (b). حدیث (c). فقہ (d). تصوف

4. "مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" کے مصنف کون ہیں؟

(a). مولانا عبید اللہ رحمانی (b). مولانا عبد الرحمٰن مبارکپوری

(c). مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری (d). شمس الحق عظیم آبادی

5. سید سابق کس کتاب کے مصنف ہیں؟

(a). الروضۃ الندیہ (b). فقہ السنۃ (c). تحفۃ الاحوذی (d). اہلحدیث کا مذہب

6. نوابین اربعہ کس مسلک کی اصطلاح ہے؟

(a). اہل سنت (b). اہل حدیث (c). فقہ جعفری (d). معتزلہ

7. کس مسلک میں عقل مصدر شرعی ہے؟

(a). اہل حدیث (b). فقہ شافعی (c). فقہ جعفری (d). فقہ اباضی

8. الصادق کس امام کا لقب ہے؟

(a). امام باقر (b). امام جعفر (c). امام حسن عسکری (d). ثناء اللہ امر تسری

9. من لا یحضرہ الفقیہ کس مسلک کی کتاب ہے؟

(a). مسلک اہل حدیث (b). مسلک مالکی (c). فقہ جعفری (d). کوئی نہیں

10. امام مہدی کا نام کیا ہے؟

(a). محمد بن علی (b). حسن بن علی (c). محمد بن حسن بن علی (d). علی بن موسیٰ

8.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. اہل حدیث سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔
2. نواب صدیق حسن خان پر ایک مختصر مضمون لکھیے۔
3. اہل حدیث کی خصوصیات بیان کیجیے۔
4. فقہ جعفری میں اجماع کے حجت ہونے کے شرائط بیان کیجیے۔
5. عقل سے کیا مراد ہے؟ بیان کیجیے۔

8.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. مسلک اہل حدیث کے مناہج استنباط پر روشنی ڈالیے۔
2. فقہ جعفری میں مصادر استنباط کیا ہیں؟ تفصیل سے لکھیے۔
3. امام باقر اور امام جعفر صادق پر ایک مضمون لکھیے۔

8.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. اہل حدیث کا مذہب : ابو الوفاء ثناء اللہ امر تسری
2. اہل حدیث کا تعارف : ابو حماد عبد الغفار سلفی
3. اصول فقہ: فقہ جعفری و فقہ ظاہری : عرفان خان ڈھلون
4. چالیس علماء اہل حدیث : عبد الرشید عراقی
5. امامیہ دینیات : تنظیم المکاتب
6. فقہ اسلامی تعارف و تاریخ : پروفیسر اختر الواسع، محمد فہیم اختر ندوی
7. اہل حدیث فکر تجزیاتی مطالعہ (مقالہ برائے ایم علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، مقالہ نگار آصف جاوید، نگراں ڈاکٹر حافظ محمد عبد القیوم

معروضی سوالات کے جوابات

1. D	2. C	3. C	4.A	5. B
6.C	7. C	8.B	9.C	10. A

اکائی 9: تصوف کا تعارف اور ارتقاء

اکائی کے اجزا:

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 اسلام میں تصوف کا آغاز وارتقاء

9.3 تصوف کے معنی ومفہوم

9.4 تصوف کی تعریفات

9.5 تصوف کی بنیادی خصوصیات

9.6 آداب تصوف

9.6.1 تصوف کی اہم اصطلاحات

9.7 تصوف کا تجزیاتی نقطہ نظر

9.8 تصوف کے تاریخی ادوار

9.9 شاہ ولی اللہ کے مطابق تاریخی ادوار

9.10 دیگر مورخین کے اعتبار سے تصوف کے تاریخی ادوار

9.11 فرہنگ

9.12 اکتسابی نتائج

9.13 نمونہ امتحانی سوالات

9.13.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

9.13.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

9.13.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

9.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

9.0 تمہید

اسلام جب نمودار ہوا تو روحانی زندگی سے معمور تھا جس میں خوف خدا احساس بندگی علائق دنیاوی سے بے نیازی شامل تھی اور اس کی تعلیمات زہد و تقوی سے مزین تھیں۔ اسلام کا یہ رنگ ابتدائی زمانے میں سارے مسلمانوں کے درمیان عام تھا، کیوں کہ ان کے درمیان نبی کریم ﷺ کی ذات بہترین نمونہ کے طور پر موجود تھی۔ آپ ﷺ کے بعد صحابہ کرام کی ذات نے مسلمانوں کو اپنے قول و عمل سے متاثر کیا۔ لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر تک باقی نہ رہی اور کچھ ہی مدت بعد اجنبی عناصر نے اسلامی تعلیمات میں ایک قسم کا امتزاج پیدا کیا اور وہ سادگی و اخلاص جو اسلام کا خاصہ تھی باقی نہ رہی۔ اور اس طرح مقصد اور راستے بھی متعین ہونے لگے اور روحانی و قلبی سکون نیز تصفیہ قلب اور اپنے خالق سے رشتہ مضبوط کرنے کے لیے تصوف کا ایک نظام وجود میں آیا۔ تصوف کا آغاز نبی ﷺ کے دور سے ہی ہو گیا تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے دور میں صوفیا اور سلوک اور تربیت کا باقاعدہ سلسلہ پایا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ تصوف کی تعلیمات کتابوں کی شکل میں مرتب اور تصنیف کی گئیں اور آگے چل کر تصوف کے مختلف سلسلے وجود میں آئے۔ اس ارتقائی مراحل کو علما نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔

9.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اس بات سے واقف ہوں کہ تصوف یا صوفی ازم کی ابتدا ایک تحریک کے طور پر ہوئی تھی۔
- اس بات سے آگاہ ہوں کہ شریعت سے مراد محض اصول و ضوابط کا وہ مجموعہ نہیں ہے جو قرآن، سنت میں موجود یا اس سے مستنبط ہے بلکہ اس سے وہ پورا دین مراد ہے جو عقائد، عبادات اخلاق معاشرت معیشت اور حکومت سب کو محیط ہے۔
- عہد رفتہ کے ساتھ تصوف نے کس طرح اپنی ایک علاحدہ شناخت بنائی اور کس طرح تصوف کے بارے میں علما و مفکرین نے اثبات و اختلاف کیا اس پر نظریہ قائم کر سکیں
- جائزہ لیں کہ تصوف کے ارتقاء کے مختلف ادوار کیا ہیں اور ان کی خصوصیات کیا ہیں۔

9.2 اسلام میں تصوف کا آغاز و ارتقاء

انسانیت کی تاریخ میں تصوف یا صوفی ازم (Sufism) مختلف ناموں کے ساتھ، ایک عالمگیر تحریک رہی ہے۔ ابتدا ہی سے انسانوں میں دو رجحان بہت عام رہے ہیں۔ ایک رجحان دنیا پرستی کا ہے جس میں انسان مال و دولت، شہرت، اور لذت حاصل کرنے کے لئے اپنے دین و ایمان کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اس کے بالکل برعکس دوسرا رجحان دنیا سے گریز کا ہے جس میں انسان دنیا کو چھوڑ کر جنگلوں میں نکل جاتا ہے۔

قدیم دور سے یہ دونوں رجحان انسانوں میں موجود رہے ہیں۔ ایسے خواتین و حضرات جن میں دنیا سے گریز کا رجحان قوی تھا، انہوں نے ضروریات زندگی سے منہ موڑ کر جنگلوں صحراؤں کی راہ لی اور اپنا پورا وقت اپنے رب کی تلاش میں صرف کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں میں بھی تصوف یا صوفی ازم کو نمایاں مقام حاصل رہا۔

اسلام میں تصوف کا آغاز کب ہوا؟ اس سوال کے کئی جواب تاریخ میں آتے ہیں۔ اکثر علماء اسلام اور مفکرین کے مطابق تصوف عین اسلام ہے اور اس کا آغاز نبی کریم محمد مصطفی ﷺ کے عہد سے ہی ہو گیا تھا اور صحابہ اسلام کے اولین صوفی تھے۔ کیوں کہ وہ نبی ﷺ کے صحبت یافتہ تھے اور حب دنیا سے بے نیاز تھے ان کا جینا اور مرنا دنیا کے لیے نہیں تھا۔ ان میں ایمان کی قوت اور یقین کی حرارت بدرجہ اولیٰ موجود تھی۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں تصوف کی اصطلاح رائج نہیں ہوئی تھی۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں تصوف کی اصطلاح منظر عام پر آئی اور مخصوص وضع قطع کے لوگوں پر صوفی لفظ کا اطلاق ہونا شروع ہوا۔

9.3 تصوف کے معنی و مفہوم

لفظ ''تصوف،، کے اشتقاق کے بارے میں محققین کے درمیان کافی اختلاف رہا ہے، کیونکہ تصوف کا لفظ نہ قرآن میں موجود ہے اور نہ ہی صحاح ستہ میں آیا ہے۔ قبل اسلام کی عربی کی قاموس اور عربی ادب میں بھی یہ لفظ استعمال نہیں ہوا ہے۔ اگرچہ فی زمانہ لفظ ''صوف'' پر اکثر علماء کا ایک قسم کا اتفاق نظر آتا ہے، لیکن تمام علما اسلام اس کے کسی ایک اشتقاق و معنی پر متفق نہیں ہیں۔

- تصوف کا لغوی معنی

تصوف کی لغوی تحقیق میں علمائے اسلام کو ہمیشہ اختلاف رہا۔ عام طور پر صوفی لفظ کو کوصوف (پشمینہ) سے مشتق قرار دیا جاتا رہا۔ جس کا اصل مادہ ''صوف'' ہے، جس کا معنی ہے ''اون''۔ اور ''تَصَوُّف'' کا لغوی معنی ہے ''اون کا لباس پہننا'' جیسے ''تَقَمُّص'' کا معنی ہے قمیص پہننا۔ عربی لغت کے لحاظ سے تصوف کے معنی ہیں 'اس نے لباس صوف پہنا، اور ابن خلدون کے مظابق ابتدا میں صوفیا کو ان کی صوف پوشی کی وجہ سے صوفی کہنے لگے۔ امام علی ہجویری صاحب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں: الصفا من الله تعالى انعام واكرام والصوف لباس الانعام۔ چونکہ صوفیہ نے جلیل القدر انبیاء و رسل مثلاً حضرت موسیٰؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے عام لباس اور حضرت محمد مصطفی ﷺ کے لباس بوقت وصال کو اپنایا، شہرت سے گریز اور سادہ زندگی اختیار کی، اس لیے وہ صوفی کہلائے۔

بعض علما کی رائے میں صوفی لفظ صف سے مشتق ہے۔ یعنی صوفیہ اول صف میں نظر آتے ہیں، یعنی عبادات شاقہ، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ میں سب سے آگے آگے رہیں تا کہ اللہ کے نزدیک ان کا شمار مقربین و صالحین کی صف اول میں ہو۔ لیکن معنی کے اعتبار سے صف سے صفی لفظ بنتا ہے صوفی نہیں۔

اسی طرح بعض علما نے صوفی کو اصحاب صفہ (مسجد نبوی کے چبوترے صفہ) کی طرف نسبت دی ہے۔ اس کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ عہد نبی ﷺ میں تقریباً ستر صحابہ نے دنیوی تعلقات کو ترک کر دیا تھا۔ جو عہد رسالت میں مستقل ذرائع معاش کے نہ ہونے کے باعث

مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے شمالی جانب کے پیش دالان میں رہتے تھے، تلاوت قرآن مجید، ذکر اللہ اور عبادات کے ذریعہ اللہ کی خوشنودی وتوجہ کی امید رکھتے، رسول اللہ ﷺ سے علم کی تحصیل میں مصروف رہتے اور نو مسلموں کو مبادی اسلام اور فرائض دین وممنوعات شرعیہ کی بابت تعلیم دیتے، ان کی زندگی توکل علی اللہ کی مظہر تھی۔

صوفیہ بنو صوفہ کی طرف منسوب ہیں جو ایک ایسا بدوی قبیلہ تھا جس نے حرم کعبہ اور زائرین کی خدمت میں شہرت حاصل کی تھی۔

علامہ لطفی نے اپنی کتاب "تاریخ فلاسفہ الاسلام" میں اپنی تحقیق میں بیان کیا ہے کہ صوفی کا لفظ "شیو صوفیا، سے مشتق ہے جو ایک یونانی کلمہ ہے اور جس کے معنی 'حکمت الہی، کے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ صوفی وہ حکیم ہے جو حکمت الہی کا طالب ہوتا ہے اور اس کے حصول میں کوشاں رہتا ہے۔ البیرونی کے بموجب لفظ "سوفوس" اور لفظ "سیو سوفیا" کا حرف "س" تعریب کے بعد حرف "ص" سے بدل گیا۔

بعض علما کے مطابق یہ مادہ صوف سے باب تفعل کا مصدر ہے، اور اس کے معنی عادۃ اونی لباس کو پہن لینے اور دنیاوی نام ونمود، عیش وعشرت اور نفسانی لذات سے کنارہ کشی کر کے متصوفانہ زندگی کے لیے خود کو وقف کر دینے کے ہیں۔

- تصوف کے اصطلاحی معنی

اصطلاحی اعتبار سے صوفیا یا تصوف صرف صوف پوشی کے ساتھ ہی مختص نہیں ہیں نہ ہی اہل معرفت کو اس معنی تک محدود کرنا چاہیے۔ اس اعتبار سے صوفیا کی اصطلاح میں تصوف کے معنی ہیں: اپنے اندر کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا، یعنی اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور رذائلِ اخلاق سے پاک وصاف کرنا اور فضائلِ اخلاق سے مزین کرنا۔ اور صوفیا ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے اندر کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔

امام قشیری کے مطابق لفظ صوفی 200ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد جس لقب سے اس زمانے کے افاضل یاد کیے جاتے تھے وہ صحابہ تھا۔ انہیں کسی دوسرے لقب کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ 'صحابیت، سے بہتر کوئی فضیلت نہ تھی جن بزرگوں نے صحابی کی صحبت اختیار کی انہیں تابعین کا لقب ملا اور تابعین کے متبعین تبع تابعین کے قابل فخر لقب سے سرفراز تھے۔ اس کے بعد زمانے کا رنگ بدلا اور لوگوں کے احوال ومراتب میں نمایاں فرق پیدا ہونے لگا کچھ لوگوں کو زہاد اور عباد کے ناموں سے پکارا گیا۔ جب بدعات کا ظہور ہوا تو اہل سنت نے جن کے دل خشیت الہی سے معمور تھے اور اللہ کی یاد سے سرشار تھے انہوں نے اپنے زمانے سے علاحدگی اختیار کر لی اور ان کو ہی صوفیا کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

تصوف کی اصل

تعلیماتِ تصوف پر غور کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تصوف میں دو باتیں اصل کی حیثیت رکھتی ہیں: تزکیۂ نفس اور احسان۔ تزکیۂ نفس کا ذکر قرآنِ کریم میں بعثت نبوی کے مقاصد میں بار بار آیا ہے اور احسان کا ذکر حدیثِ پاک میں ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث جبریل کو تصوف کی اصل سمجھا جاتا ہے جس میں احسان کی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم

ﷺ ارشاد فرمایا کرتے: ”مجھ سے (دین کی باتیں) پوچھا کرو“۔ مگر بارگاہِ نبوی کے ادب اور اور غلبۂ ہیبت کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ کو سوالات کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ لہٰذا حقائقِ دینیہ سکھانے کے لیے اللہ عزوجل نے حضرت سیّدُنا جبریلؑ کو انسانی شکل میں بھیجا تاکہ وہ سوال کریں اور معلم کائنات جواب دیں اور صحابۂ کرام کو علم حاصل ہو جائے۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا۔ اس کے بال انتہائی سیاہ اور کپڑے انتہائی سفید تھے، اس پر سفر کے کوئی آثار نہیں تھے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ میں سے کوئی اُس سے واقف تھا. بہر حال وہ شخص بڑھتا چلا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے عین سامنے جا کر بیٹھ گیا، آپؐ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے ملا دیے اور آپؐ کے زانوؤں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے۔ اس شخص نے آپؐ سے کچھ سوالات کیے جن کے آپؐ نے جوابات دیے۔ جب وہ شخص روانہ ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ ”اے عمر! تمہیں معلوم ہے کہ یہ شخص کون تھا؟“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں“۔ آپؐ نے فرمایا: ”یہ جبریلؑ تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے“۔

حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اکرم ﷺ سے پہلا سوال کیا: ”یَا مُحَمَّدُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ!“ اے محمد ﷺ! مجھے بتایئے کہ اسلام کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اسلام یہ ہے کہ تم اللہ پاک کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاؤ اور اس کے فرشتوں کے وجود پر اور اس (اللہ) کی ملاقات کے برحق ہونے پر اور اس کے رسولوں کے برحق ہونے پر اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر ایمان لاؤ“۔ آپؐ نے جواب دیا تو جبریلؑ نے تصدیق و توثیق کرتے ہوئے کہا: ”صَدَقْتَ“ آپ ﷺ نے سچ فرمایا۔ انہوں نے دوسرا سوال کیا: ”فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ!“ مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ایمان یہ ہے کہ تنہا اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو اور فرض زکوٰۃ ادا کرو اور رمضان کے روزے رکھو“۔ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے تیسرا سوال کیا انہوں نے پوچھا: یارسول اللہ! احسان کیا ہے آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا تو انہوں نے کہا: ”صَدَقْتَ“ آپؐ نے سچ فرمایا۔: ”فَاَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِحْسَانِ!“ مجھے احسان کے بارے میں بتایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ”اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ، فَاِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ“۔ تمہارا اس کیفیت میں اللہ کی بندگی کرنا گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو. پس اگر تم اسے نہیں دیکھ رہے (یہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی) تو (یہ کیفیت تو پیدا ہو کہ) وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ احسان کے جواب میں آپ ﷺ اصلاحِ باطن کے حوالے سے جو ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ اللہ تعالی کو دیکھ رہے ہو اور اگر اس مقام کو نہ پا سکو تو یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالی تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔ یہی تصوف کی اصل ہے۔ بندہ کے دل میں اسی احسان کی کیفیت پیدا کرنے کا صوفیاؒ کی زبان میں دوسرا نام ”تصوف“ یا ”سلوک“ ہے۔ ”تصوف“ دراصل بندہ کے دل میں یقین اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔ حضرت حارثہؓ یقین و معرفت کے جس مرتبے پر فائز تھے اسی کا نام علم حال یعنی تصوف ہے۔

9.4 تصوف کی تعریفات

تصوف کے متعلق بزرگانِ دین سے بے شمار اقوال منقول ہیں، کیوں کہ ہر ایک نے اپنے مقام و مرتبہ اور حال کے اعتبار سے تصوف کی تعریف کی ہے۔ ان تعریفات کی تعداد بقول شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی ایک ہزار سے زیادہ ہے۔

چنانچہ، جنید بغدادی سے ایک مرتبہ پوچھا گیا تو فرمایا کہ تصوف یہ ہے کہ حق تعالیٰ تجھے تیری اپنی ذات سے (شعوراً) فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ (شعوراً) زندہ رکھے۔

امام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیریؒ (متوفی 465ھ) رسالہ قشیریہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت رویم بن احمدؒ سے تصوف کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؒ ارشاد فرمایا: تصوف یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کو اپنے رب کی مرضی پر چھوڑ دے کہ وہ جو چاہے اس سے کام لے اور جنید بغدادی سے تصوف کے متعلق پوچھا گیا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا: تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کسی سے بھی کوئی تعلق نہ رکھا جائے۔

حضرت ابو الحسن قنادؒ سے جب صوفی کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؒ نے ارشاد فرمایا: صوفی وہ ہوتا ہے جو اللہ کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتا ہے۔ شیخ ابو نصر سراج طوسیؒ مزید ایک قول نقل فرماتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں جو اللہ عَزَّوَجَلَّ کو خوب پہچانتے ہیں، اس کے احکام کا علم رکھتے ہیں، جو کچھ اللہ تعالی کے علم میں ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں، اللہ تعالی ان سے جو کام لینا چاہتا ہے یہ اس کو پورا کرنے کے لیے ثابت قدمی دکھاتے ہیں، پختہ عمل کی بدولت وہ اللہ تعالی سے کچھ پالیتے ہیں اور جو کچھ ملتا ہے اس کی وجہ سے فنا ہو جاتے ہیں اور ایسا ہوتا ہی رہتا ہے کہ ہر پالینے والا آخر کار فنا ہو جایا کرتا ہے۔

عمرو بن عثمان مکی سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ بندہ ہر وقت ایسے حال میں رہے جو اس کے لیے وقت کے مطابق (اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے) بہتر ہو۔ سمنون سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ نہ تو کسی چیز کا مالک بنے اور نہ کوئی (بجز اللہ) تیرا مالک بنے۔ یہی قول ابو الحسین نوری کی طرف بھی منسوب ہے۔

رویم سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ نفس کو کاملاً اللہ کے ساتھ چھوڑ دینا کہ وہ نفس پر جیسا چاہے تصرف کرے۔ ابو الحسین نوری نے فرمایا کہ تصوف نفس کی لذتوں کو چھوڑنے کا نام ہے۔ ابو علی رودباری نے فرمایا کہ تصوف عبارت ہے حبیب کے در پر ڈیرہ ڈال دینے سے، خواہ اس کی طرف سے جھڑکیاں اور دھکے ہی کیوں نہ سہنا پڑیں۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو اپنا خون معاف اور اپنی ملک (خلائق کے لیے) مباح کر دے۔

ابو محمد جریری نے فرمایا کہ تصوف اپنے احوال کی نگہداشت اور پاس ادب کے لزوم کا نام ہے۔ ابو تراب نخشبی نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جسے کوئی چیز مکدر نہیں کر سکتی بلکہ ہر چیز کو اس سے صفائی حاصل ہوتی ہے۔

ابن الجلا نے فرمایا کہ صوفی کی تعریف کسی علم میں نہیں پائی جاتی لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو فقیر (محتاج) ایسا ہو کہ اس نے اسباب

کی قید سے خود کو آزاد کر لیا ہو اور مکانیت کی قید کے بغیر اللہ کی معیت حاصل کر لی ہو اور حق سبحانہ و تعالیٰ اسے کسی مکان (وحال) کے علم سے غافل نہیں رہنے دیتے تو وہ صوفی کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔

ان تعریفات کا خلاصہ یہ کہ تصوف ادب، خاموشی، ذکر و وجد، فنا، صفائی یا صفاء باطن، صبر و تحمل، عطا و سخا، ترک آرزو، ترک شہوات، ترک اخلاق بد، حسن خلق، نیک اعمال، نفس و شیطان کے جال سے آزادی، جوانمردی، حقوق نفس کی ادائیگی، توجہ الی اللہ اور قرب حق کے شعوری احساس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہونے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایک جہد مسلسل سے عبارت ہے۔

ابو نصر سراج نے کتاب اللمع فی التصوف میں صراحت کی ہے کہ صوفیہ کرام کے تمام طبقے محدثین وفقہاء کے معتقدات سے کامل اتفاق کرتے ہیں اور ان کے علوم وفنون، مطالب و مفاہیم اور طریقوں سے کوئی اختلاف نہیں رکھتے بشرطیکہ ان میں لہو ولعب پر مبنی بدعات کی آمیزش نہ ہو اور خود ان محدثین وفقہاء پر پیروی رسول ﷺ کا غلبہ ہو۔

وہ صوفیہ جو علمی لحاظ سے محدثین وفقہاء کے مرتبے کے نہیں ہوئے، قوانین حدود شریعت کے مشکل مسائل کے حل کے لیے انہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور جس مسئلہ پر محدثین وفقہاء متفق ہوں اس کو تسلیم کر لیتے ہیں، اور جہاں محدثین وفقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہو وہاں صوفیہ کا طریقہ یہ ہے کہ احسن، اولیٰ اور اکمل صورت کو اختیار کیا جائے تاکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جو احکام صادر فرمائے ہیں ان پر انتہائی احتیاط کے ساتھ عمل ہو سکے۔ صوفیہ کے پاس امور دین کے سلسلے میں کسی قسم کے جھوٹ، تاویل، تحصیل آسائش اور شبہات کو راہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کے ماسوا صوفیہ کے پاس عمل کا ایک اور درجہ ہے، اور وہ ہے (اللہ کے قرب، خوشنودی اور دیدار کی خاطر) مراتب بلند کی طرف بڑھنا۔ سراج مزید لکھتے ہیں کہ صوفیہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جب "فرائض و حقوق کی ادائیگی اور افعال ممنوعہ سے احتراز کرتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے سے غیر متعلق چیزوں کو علیحدہ کر دیتے ہیں اور ہر اس تعلق کو ختم کر دیتے ہیں جو ان کے اور مطلوب و مقصود (اللہ سبحانہ) کے درمیان حائل ہو"۔

9.5 تصوف کی بنیادی خصوصیات

حضرت سید علی بن عثمان جلابی المعروف حضور داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب کے صفحہ 39 پر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیادی خصوصیات آٹھ ہیں: (1) سخاوت (2) رضا (3) صبر (4) اشارہ (5) غربت (6) گدڑی (لباس) (7) سیاحت اور (8) فقر۔ یہ آٹھ خصلتیں آٹھ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔

(1) سخاوت حضرت ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ کیوں کہ آپ نے راہِ خدا میں اپنے جگر گوشہ کی قربانی دینے سے بھی گریز نہ کیا۔

(2) رضا حضرت اسماعیلؑ کی سنت ہے۔ کیوں کہ آپ نے رب کی رضا کے لیے اپنی جان کو بھی بارگاہِ خداوندی میں پیش کر دیا۔

(3) صبر حضرت ایوبؑ کی سنت ہے کہ آپ نے بے انتہا مصائب پر صبر کا دامن نہ چھوڑا اور اپنے رب کی آزمائش پر ثابت قدم

رہے۔

(4)اشارہ حضرت زکریاؑ کی سنت ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان سے ارشاد فرمایا:"اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمزًا" (آل عمران: 41)ترجمہ: تین دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارہ سے۔ اور ایک جگہ ارشاد فرمایا:"اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" (مریم:3)ترجمہ: جب اسنے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔

(5)غربت حضرت سیّدُنا یحییٰؑ کی سنت ہے کہ انہوں نے اپنے وطن میں بھی مسافروں کی طرح زندگی بسر کی اور خاندان میں رہتے ہوئے بھی اپنوں سے بیگانہ رہے۔

(6)گدڑی (صوف کا لباس) حضرت سیّدُنا موسیٰؑ کی سنت ہے جنہوں نے سب سے پہلے پشمینی لباس زیبِ تن فرمایا۔

(7)سیاحت حضرت سیّدُنا عیسیٰؑ کی سنت ہے جنہوں نے تنہا زندگی گزاری اور ایک پیالہ و کنگھی کے سوا کچھ بھی پاس نہ رکھا۔ بلکہ ایک مرتبہ کسی کو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر پانی پیتے دیکھا تو پیالہ بھی توڑ دیا اور جب کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے بالوں میں کنگھی کر رہا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔

(8)فقر محسنِ کائنات، فخر موجودات محمد ﷺ کی سنت ہے جنہیں رُوئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عنایت فرمائی گئیں مگر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے خدا! میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں۔

9.6 آداب تصوف

صوفیہ کے کچھ مخصوص آداب ہیں مثلاً:

(1) زیادہ کے مقابلہ میں تھوڑی سی دنیوی دولت پر قناعت (2) قوت لایموت پر اکتفاء (3) ضروری لباس، بچھونا اور دیگر انتہائی ضروری چیزوں پر گزارہ (4) امیری پر فقیری کو ترجیح (5) شکم سیری پر بھوک کو ترجیح (6) انانیت، فخر اور علو مرتبت سے کنارہ کشی (7) چھوٹوں پر شفقت اور ہر ایک کے آگے تواضع (8) خلق خدا کے لیے قربانی دینے کا جذبہ (9) دنیا حاصل کرنے والوں پر رشک سے گریز (10) اللہ سبحانہ سے حسن ظن (11) امور اطاعت میں مسابقت (12) تمام نیکیوں کی طرف پیش قدمی (13) توجہ الی اللہ (14) آزمائشوں پر صبر (15) اللہ کے ہر فیصلہ پر قلبی رضامندی (16) مسلسل مجاہدہ نفس، خواہشات مذمومہ کی مخالفت اور نفس امارہ اور شیطان سے دشمنی (17) خوف خدا اور امید رحمت (18) تفکر بالاء اللہ (اللہ کے احسانات کے بارے میں غور کرنا) (19) حدیث نفس سے اجتناب (20) متشابہات قرآن و حدیث پر غور و فکر سے گریز اور ذکر الٰہی سے دور کرنے والی اشیا سے مکمل احتراز (21) اخلاص نیت (22) ارادۂ حق سے اپنے ارادے کو ہم آہنگ رکھنے کی کوشش (23) رسول کریم ﷺ کے خلق عظیم کو اپنانے کا شوق (24) اپنی اپنی بساط کے مطابق حقائق کا بیان (25) عرفان نفس (26) غیر اللہ سے قلب و روح کی حفاظت۔

محققین کے نزدیک قرآنی الفاظ **قٰنتین** (فرماں بردار مرد)، **قٰنتٰت** (فرماں بردار عورتیں)، **صٰدقین** (سچے مرد)،

صٰدقٰت(سچی عورتیں)، **خٰشعین** (انکساری کرنے والے مرد)**خٰشعٰت**(انکساری کرنے والی عورتیں)، **محسنین** (اللہ سبحانہ کے استحضار کے ساتھ بھلائی کرنے والے) **عٰبدون** (اللہ کی کثرت سے عبادت کرنے والے)، **حٰمدون**(ظاہر و باطن کو اللہ کی حمد میں مشغول رکھنے والے) ،**سآئحون** (زمین و آسمان میں ابداع و تخلیق کے دیکھنے کی غرض سے سیاحت کرنے والے) **الرٰکعون السٰجدون**(اللہ کی کبریائی کے پیش نظر کثرت رکوع و سجود میں مشغول)،**الآمرون بالمعروف والنٰاھون عن المنکر** (نیکی کی تلقین و ترغیب اور منکرات کے نتائج سے آگاہ کرنے اور ان کے ارتکاب سے روکنے والے) **الحٰفظون لحدود اللہ**(اللہ کی بتائی ہوئی حدود کی حفاظت کا اہتمام کرنے والے)،**اولیاء اللہ**(اللہ کے دوست)**ابرار**(نیکوکار)، **متقین** (اللہ سبحانہ کے استحضار کے ساتھ ظاہر و باطن کی غیر اللہ کے خوف، ہیبت اور محبت کے اثر سے حفاظت کرنے والے) **مقربین** (اللہ سبحانہ کی جانب سے تقرب خاص سے نوازے جانے والے) **متصدقین** (کثرت سے صدقہ دینے والے مرد)**متصدقٰت**(کثرت سے صدقہ دینے والی عورتیں)**صائمین** (کثرت سے روزے رکھنے والے مرد)**صائمات** (کثرت سے روزے رکھنے والی عورتیں)،**حٰفظین لفروجھم و الحافظات** (اپنی اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے)**الذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات**(اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے اور ذکر کے تقاضوں پر عمل کرنے والے) کے جامع مصداق صحابہ کرام کے بعد صوفیہ عظام ہی ہیں۔

9.6.1 تصوف کی اہم اصطلاحات

علمائے تصوف میں مختلف اصطلاحات رائج ہیں۔ ان میں سے کچھ اہم اصطلاحات کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

سالک: مرید (راہ سلوک کا مسافر)	تخلیہ: دل کا غیر اللہ سے خالی ہونا
پیر: مرشد، رہنما جسکی نگرانی میں سالک سلوک کی منازل طے کرتا ہے	ذکر جلی: با آواز بلند ذکر کرنا
حال : ایک خاص قسم کی کیفیت جن سے صوفی راہ سلوک میں دوچار ہوتے ہیں	ذکر خفی: خاموشی کے ساتھ ذکر کرنا
خرقہ : وہ لباس جو مرشد اپنے مرید کو اپنے سلسلے میں شامل کرتے وقت عنایت کرتے ہیں	ذکر قلبی: دل ہی دل میں اللہ کا ذکر کرنا
خلوت: سالک کا مخلوق سے کٹ کر ذات باری تعالی کے تصور میں محو ہو جانا	عارف: اس صوفی کو کہتے ہیں جس کو معرفت حاصل ہو
جذب: سالک کا خدا کی ذات میں گم ہو کر اپنی انفرادی شخصیت کا گم کر دینا، اور دوسرا معنی ہے خدا کا اپنے بندے کو اپنی طرف کھینچنا	کشف: کسی غائب چیز کا ظاہر ہو جانا
سکر: مدہوشی کی کیفیت (جو سالک کو ریاضات اور سلوک کے منازل کے دوران پیش آتی ہے)	سماع: ایک خاص قسم کی موسیقی

شطح: ایسے کلمات جو سالک کی زبان سے ایسے وقت نکلتے ہیں جب اس بر حال یا سکر کی کیفیت میں ہو	مراقبہ: سر جھکا کر خدا کا تصور جمانا
بقا باللہ : ایک کیفیت ہے یا ایک حال ہے، جو اپنی حقیقت کو ذات خداوندی کے ساتھ وابستہ کرنے سے پیدا ہوتا ہے	چلہ کشی: چالیس دن تک کسی بزرگ کے مزار پر عبادت کرنا
فنافی اللہ: عشق الٰہی میں اپنے نفس کو ختم کر دینا	وجد: ایک خاص کیفیت جس میں سالک پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے

9.7 تصوف کا تجزیاتی نقطہ نظر

تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ متعدد فقہی علمائے کرام بھی یہی مراد لیتے رہے لیکن بعد میں تصوف میں ایسے افکار ظاہر ہونا شروع ہوئے کہ جن پر شریعت و فقہ پر قائم علما کرام نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسکا رد کیا۔ اس طرح اسلامی علماو مفکرین تصوف کے بارے میں ہمیشہ دو حصوں میں بٹے رہے۔ امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور بھی بہت سے علمانے غیر اسلامی تصوف کے خلاف کتابیں رقم کیں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تصوف اسلام کی سرزمین پر ایک اجنبی درخت ہے۔

ان تمام تضادات کے باوجود مسلم اہل تصوف نے چند ایسی خدمات سرانجام دی ہیں جن کی مثال دوسری قوموں کے صوفیوں میں نہیں ملتیں۔ ہندو اور عیسائی صوفیا کے برعکس مسلم صوفیانے جنگلوں میں چھپ کر زندگی گزارنے کی بجائے معاشرے کے بیچ میں رہ کر اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ابتدائی صدیوں میں فقہ اور حدیث کی تدوین اور کلامی و فلسفیانہ بحثوں میں مشغولیت کے باعث اہل علم کی بڑی تعداد عوام الناس کی اخلاقی تربیت نہ کر سکی تھی۔ صوفیانے اس خلا کو پر کیا۔ انہوں نے انسانی نفسیات میں مہارت حاصل کی اور اس کو اپنے نظریات پھیلانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اخلاقی تربیت کے لئے استعمال کیا۔

مسلمانوں کے علمامیں بالعموم عوام سے دوری کا رجحان رہا ہے۔ انہوں نے عام طور پر دین کو دلوں میں اتارنے کی بجائے ڈنڈے کے زور پر اسے لوگوں پر مسلط کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے برعکس مسلم صوفیانے عوام سے قربت اختیار کی۔ انہوں نے اپنے لباس، رہن سہن اور نشست و برخاست کو عوامی بنایا۔

علمانے اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا طریقہ اختیار کیا۔ برصغیر کے علمانے عام طور پر مقامی زبانوں کی بجائے عربی و فارسی کو اپنے خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ اس طریقے سے وہ پڑھے لکھے طبقے تک تو اپنا پیغام پہنچانے میں کامیاب ہو گئے مگر عوام الناس تک ان کی رسائی ممکن نہ ہو سکی۔ اس کے برعکس صوفیانے عوامی طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے عوامی ذوق کے مطابق مقامی زبانوں میں اپنا پیغام پیش کیا۔ ہمارے ہاں پنجابی، پشتو اور سندھی زبان کی شاعری کا بڑا حصہ صوفیانہ کلام پر مشتمل ہے۔

صوفی بزرگ آسان آسان نظموں کی صورت میں اپنا پیغام لکھ دیتے۔ اس پیغام کو لے کر ان کے مرید گویے، بھانڈ اور میراثی گرد و

نواح کے دیہات میں پہنچ جاتے اور چوپالوں میں گا گا کر یہ پیغام لوگوں کے ذہنوں میں راسخ کر دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دیہاتی معاشرت میں صوفی ازم کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ علماء کے برعکس صوفیا میں رواداری کا عنصر بہت زیادہ تھا۔ تشدد اور سختی کے ذریعے اپنی بات منوانے کی بجائے ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ اپنی بات کو اعلیٰ ادبی شہ پاروں اور خوبصورت تمثیلات کی مدد سے منوایا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے صوفی ازم کے احیا کی بات کی جارہی ہے۔

ان سب معاملات کے ساتھ ساتھ صوفی بزرگ طب اور بعض پیرا سائیکالوجیکل علوم جیسے ہپناٹزم، ٹیلی پیتھی، تعویذ گنڈوں وغیرہ میں مہارت حاصل کرتے اور اسے عام لوگوں کے مسائل حل کرنے کے لئے استعمال کرتے۔ جس کا مسئلہ حل ہو جاتا، وہ ان بزرگ کا بے دام غلام بن جاتا اور جس کا مسئلہ حل نہ ہوتا، وہ اسے رضائے الٰہی پر صابر و شاکر رہنے کی تلقین کرتے۔ ان کی ان خدمات کے باعث انہیں معاشرے میں غیر معمولی مقام حاصل ہو گیا جو کہ اب تک باقی ہے۔

''تصوف،، اور اہلِ تصوف کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے کہا تھا کہ: ''ہندوستان کے سات کروڑ مسلمانوں میں سے چھ کروڑ (85 فیصد) مسلمان یقیناً اہلِ تصوف کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہیں،،۔

9.8 تصوف کے تاریخی ادوار

تصوف کا آغاز نبی ﷺ کے دور سے ہی ہو گیا تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے دور میں صوفیا اور سلوک اور تربیت کا باقاعدہ سلسلہ پایا گیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ تصوف کی تعلیمات کتابوں کی شکل میں مرتب اور تصنیف کی گئیں اور آگے چل کر تصوف کے مختلف سلسلے وجود میں آئے۔ اس ارتقائی مراحل کو علما نے مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ نکلسن نے Literary history of the Arabs، ص،83 میں کہا ہے کہ تصوف کی نشو نما کے دو ادوار ہیں۔ پہلا دور اسلام کی ابتدا سے نویں صدی عیسوی کے آغاز تک اور دوسرا نویں صدی سے بارہویں صدی تک ور اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی تصوف کی باقاعدگی سے شروعات ہوئی۔ شاہ ولی اللہؒ نے تصوف کے تاریخی ادوار کو چار مرحلوں میں تقسیم کیا ہے۔ عصر حاضر کے تصوف کے معروف محقق پروفیسر شاہد علی عباسی نے تصوف کی تاریخ کو چھ ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ ہم یہاں ان کا جائزہ لیں گے۔

9.9 شاہ ولی اللہ کے مطابق تاریخی ادوار

شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب 'ہمعات، میں جو تقسیم کی ہے اس میں وہ تصوف کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں.

شاہ ولی اللہ کے مطابق تصوف کا پہلا دور رسول اللہ ﷺ صحابہ کے زمانہ تک کا ہے وہ اسے احسان کے دور سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ: 'رسول اللہ ﷺ اور انکے صحابہ کے زمانے میں چند نسلوں تک اہل کمال کی بیشتر توجہ زیادہ تر شریعت کے ظاہری اعمال پر رہی۔ ان لوگوں کو باطنی زندگی کے ذیل ہی میں حاصل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کا 'احسان' یعنی تصوف کا حاصل یہ تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے تھے ذکر و تلاوت کرتے تھے روزے رکھتے تھے حج کرتے تھے صدقہ اور زکوۃ دیتے تھے اور جہاد کرتے تھے۔ ان میں سے کوئی شخص

ایسانہ ہوتا جو سر کو نیچے کر کے بحر تفکرات میں غرق نظر آتا یہ بزرگ خدا تعالی سے قرب، حضوری کی نسبت اعمال شریعت اور ذکر و اذکار کے سوا کسی اور ذریعہ سے حاصل کرنے کی سعی نہ کرتے'(ہمعات: ص46–45)۔ نیز آگے یہ بھی تحریر فرمایا کہ ان حضرات کو نہ کبھی وجد آتا نہ کبھی خرق عادت یا شطحات اور سکر کی کیفیت طاری ہوتی۔ اور اس زمانے کے اہل کمال کا غالب طور پر یہی حال نظر آتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ تصوف کا دوسرا دور حضرت جنید بغدادی کے زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کے زمانے میں یا ان سے کچھ پہلے تصوف کا نیا رنگ ظاہر ہوا جو کہ دور صحابہ سے مختلف تھا۔ اس زمانے میں اہل کمال میں سے عام طبقہ تو اسی طریق پر ت کاربند رہا لیکن ان میں سے جو خواص تھے انہوں نے بڑی بڑی ریاضتیں کیں اور دنیا سے بلکل قطع تعلق کر لیا اور مستقل طور پر ذکر و فکر میں لگ گئے۔ اس سے ان کے اندر ایک خاص کیفیت پیدا ہوئی کہ انہیں اس کے ذریعہ تعلق باللہ کی نسبت حاصل ہو جائے۔ اس کے لیے انہوں نے طویل مراقبے کرنے کے سلسلہ شروع کیا۔ ان اولیا سے تجلی، انس، وحشت جیسی کیفیات ظاہر ہوئیں۔ یہ اہل کمال صادق بزرگ وہ احوال اسی طرح بیان کرتے جیسے کہ ان پر ظاہر ہوئے۔ اس دور میں سماع کی بنیاد بھی پڑی جس سے ان پر بے خودی اور بے ہوشی طاری ہوتی اور اس دورانیہ میں کبھی وہ گریباں چاک کرتے تو کبھی رقص کرتے۔ یہ لوگ کشف و اشراف کے ذریعہ دوسروں کے دلوں کا حال بھی معلوم کر لیتے تھے۔ اکثر اولیا نے دنیا سے قطع تعلق کر کے جنگلوں اور صحراؤں کو اپنا مسکن بنایا۔ معمولی خوراک گھاس پھوس پر گذارا کرنے کو بہتر سمجھا اور گڈریوں کا لباس اختیار کیا۔

تصوف کا تیسرا دور شاہ صاحب کے مطابق سلطان الطریقی ابو سعید ابی الخیر اور شیخ ابو الحسن خرقانی کے زمانے سے ہوا۔ کیوں کہ اس زمانے میں طریق تصوف میں ایک اور تغیر رونما ہوتا ہے اس دور میں صوفیا کی تمام کوششوں کا مقصد یہ ہوتا کہ وہ باری تعالیٰ کی توجہ کی نسبت کی تکمیل میں اپنی کوششیں تمام کر دیں۔ توجہ کے علاوہ باقی نسبتوں کو یہ لوگ نورانی حجاب کہتے تھے اس عہد میں توحید وجودی اور توحید شہودی میں فرق نہیں کیا جاتا تھا در حقیقت ان بزرگوں کی اصل غایت یہ تھی کہ ذات الٰہی میں اپنے وجود کو گم کر کے اس مقام کی کیفیات سے لذت اندوز ہوں۔

تصوف کے چوتھے دور کا آغاز شیخ محی الدین ابن عربی کے دور سے کچھ عرصے قبل سے شروع ہوتا ہے۔ اس زمانے میں میں اہل کمال بزرگ کے ذہنوں میں مزید کشادگی اور وسعت پیدا ہوئی اور یہ لوگ کیفیت اور احوال کی منزل سے گزر کر حقائق تصوف کی بحث شروع کی اور ذات واجب الوجوب سے اس کائنات کے صدور اور اسکے مراحل موضوع بحث بن گئے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ تصوف کے چاروں ادوار میں جو بھی صوفیا اور اہل کمال بزرگ گزرے ہیں گو وہ اپنے ظاہری اعمال میں جدا نظر آتے ہوں لیکن انکی اصل اور باطن کے اعتبار سے سب ایک ہیں۔ اور تصوف کے یہ چاروں کے چاروں ادوار کے بزرگوں پر بحث کرتے وقت ہمیشہ اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ان بزرگوں کے ہر طبقے کے اقوال اور احوال کو ان کے زمانے کے ذوق کے مطابق جانچا جائے۔ اور یہ کسی بھی طور مناسب نہیں کہ ایک عہد کے ارباب تصوف کے اقوال اور احوال دوسرے عہد کے معیاروں سے ناپے جائیں۔

9.10 دیگر مورخین کے اعتبار سے تصوف کے تاریخی ادوار

عصر حاضر کے مورخین نے تصوف کی تاریخ کو چھ مختلف ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ یہاں پر ان کا تفصیلی تعارف دیا جارہا ہے۔

تصوف کی تاریخ: دوراول

تصوف کا پہلا دور رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر ختم ہوتا ہے یہ دور نزول قرآن کا دور ہے جس میں تدریجاً دینی احکام کا نزول ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کے مختلف قرآنی آیات کے ذریعہ کے اخلاق کے سائے میں امت کو اپنی فکر، اپنی حیات اور اپنے اخلاق کی تربیت کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے۔ حدیث جبریل میں ایمان و اسلام کے مبادی وارکان کے بعد احسان کی بابت سوال وجواب ہوئے۔

خلفائے راشدین کی سرپرستی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت اور اس کے معانی پر تدبر کرتے، خود کو اس کی میزان میں تولتے، ذکر واذکار اور صلوۃ وسلام علی النبی سے اپنی زبانیں تر رکھتے، اپنی دنیاوی ذمہ داریاں نبھاتے بشرطیکہ کسی معاملہ میں شریعت مقدسہ سے ٹکراؤنہ ہورہا ہو، اور اگر اپنے قلوب یا اعمال میں اللہ سے غفلت پاتے یا تکویناً کسی معصیت کے مرتکب ہوتے تو اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے، روتے، گڑگڑاتے اور عفو ودرگزر کی دعا کرتے اور نمازوں میں تلاوت کی مقدار ورکعات کی تعداد بڑھادیتے اور مالدار صحابہ صدقات وخیرات کی مقدار میں اضافہ فرمادیتے۔ ان کے سامنے ارشادات رسول ﷺ تھے۔ جن کا وہ حتی المقدور تقاضہ پورا کرنے کی کوشش کرتے۔

اس دور میں نہ کوئی بے قابو ہوکر چیختا، چلاتا، نہ بے ہوش ہوجاتا، نہ وجد کے عالم میں رقص کرنے لگتا، نہ کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اسرار وتجلیات پر تقریر کرتا، نہ ان کی زبان سے عادۃً وہ کلمات ادا ہوتے جو ظاہری معنی کے لحاظ سے قابل گرفت سمجھے جاتے (جن کو صوفیہ نے شطحات کا نام دیا) جہنم کے خوف اور جنت کی امید کے ماسوا اللہ تبارک وتعالیٰ سے ملاقات کا اشتیاق سے بھرپور ہوتی۔ ان کی زندگی اللہ واحدہ کی ذات وصفات پر غیر متزلزل یقین اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہر شعبہ حیات میں اطاعت اور حقوق اللہ، حقوق الرسول اور حقوق العباد کی ادائیگی میں توازن سے عبارت تھی۔

پروفیسر اختر الواسع لکھتے ہیں کہ 'خلیفہ اول حضرت ابو بکرؓ کا اختیاری فقر، تقویٰ، ورع، توکل، تسلیم، رضا، صدق اور تفرید جس طرح مسلم حقیقت ہیں۔ اسی طرح خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کا پیوند لگا لباس، کثرت تلاوت، تقویٰ، جمیع امت کی فکر، خاک آلودہ بدن، آہنی عزم، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت، شب نوردی، ذوق عبادت، احساس جوابدہی۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا صبر و تحمل، حیاء، استقامت وحزم ویقین، فیاضی، تمکن، کثرت تلاوت واذکار وعبادت، ایثار وقربانی اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کا صبر، عدل، علم، خوف، فقر، حصول ومقاصد شریعت اور معانی ومفاہیم قرآن پر عبور، کثرت تلاوت وعبادت، انکساری اور اصحاب صفہؓ کی متوکلانہ زندگی اور اشاعت دین وتعلیم وتعلم وتلاوت قرآن واذکار میں مشغولیت جس کی طرف قرآن حکیم نے "للفقراء الذين احصروا في سبيل الله" کہہ کر

اشارہ کیا ہے۔ آخر کیا پیغام دیتے ہیں؟ ان کے علاوہ معصب بن عمیر، عبد اللہ بن مسعود، بلال بن رباح، عمار بن یاسر، عثمان بن مظعون، جعفر الطیار، سلمان فارسی، عبد اللہ ابن عمر، ابو ذر غفاری، حذیفہ بن الیمان، ابو الدرداء، ابو ہریرہ، تمیم الداری رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے شب و روز قوشنجیؒ کے قول کی تائید کرتے ہیں'۔

تصوف کی تاریخ: دوسرا دور

تاریخ تصوف کا دوسرا دور تقریباً 61ھ یعنی حضرت حسن بصری کے عہد سے شروع ہوتا ہے اور تیسری صدی ہجری کے آغاز تک جاتا ہے۔ تقریباً دو سو برسوں پر محیط یہ دور تصوف کی تشکیل کا ابتدائی مرحلہ ہے، اس دور میں بنو امیہ کا پورا دور حکومت اور بنو عباس کا دور عروج شامل ہیں، اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں تحریک تصوف نے نہ تو باضابطہ کوئی شکل اختیار کی تھی نہ ہی تصوف کی اصطلاحات وضع ہوئی تھیں۔

اس دور میں جہاں مختلف علوم و فنون کے ماہر علماء و فضلاء اور فقہاء و مجتہدین قرآن و حدیث کے لفظ و معانی کی حفاظت اور دینی علوم کی اشاعت کے لیے کمر بستہ ہوئے وہیں نساک، زہاد اور صوفیہ نے باطن دین و شریعت اور احوال و کیفیات رسول ﷺ کے تحفظ کی ذمہ داری سنبھالی۔ اس دور میں اویس قرنی، حسن بصری، مالک بن دینار، فضل رقاشی، رباح بن عمر تمیمی، صالح اور عبد الواحد بن زید اپنی حقیقت پسندی، ناقدانہ رویے اور زہد و تقویٰ و علم کے لیے مشہور ہوئے اور ان حضرات نے تصوف کی بنیادوں کو استوار کیا جب کہ کوفے میں ربیع بن خثیم، ابو اسرائیل ملائی، منصور بن عمار، ابو العتاھیہ اور عبدک اپنی روایت پسندی، ظاہریت، زہد و تقویٰ اور فکر مثالی کے لیے جانے گئے۔ وہ زمانہ تھا جب ایسے لوگ سامنے آئے جن پر دنیا میں آلودگی کے باعث رقت قلبی، آہ و بکا اور یوم جزا اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں جوابدہی کے احساس کا غلبہ ہوا۔ حسن بصری کی خشیت کے بارے میں کہا گیا کہ ان کو دیکھنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا جہنم کی آگ عمر بن عبد العزیز اور حسن بصری ہی کے لیے بھڑکائی جا رہی ہے۔

فضیل بن عیاض (متوفی 803ء) نے رہزنی اور بدکاری سے توبہ کر کے ابو حنیفہ کی صحبت اختیار کی تو یہ عالم ہو گیا کہ خلیفہ ہارون رشید جب ان سے ملے اور اندھیرے میں خلیفہ کے بدن سے ان کا ہاتھ لگ گیا تو ان کی زبان سے یہ جملہ نکلا: کاش یہ نرم بدن جہنم کی آگ سے بچا رہے، خلیفہ بے اختیار رو پڑا اور اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ ابراہیم بن ادہم (متوفی 790ء) نے بلخ کی امارت ترک کی، گدڑیے سے لباس و سواری کا تبادلہ کیا، مکہ کی راہ لی، وہاں سے ابو حنیفہ کی مجلس میں پہنچے اور حصول علم کے بعد کاشت کاری کو ذریعہ روزگار بنایا۔ حتی کہ نصرانیوں کے خلاف ایک جہاد میں شہید ہو گئے۔ جنید بغدادی نے ان کی بابت فرمایا کہ وہ علم تصوف یا علم باطن کی چابی تھے۔ بشر حافی (متوفی 841ء) نے میکشی چھوڑنے کے بعد فضیل سے رشتہ جوڑا اور فکر و عمل میں کمال اخلاص حاصل کرنے میں لگ گئے۔ رابعہ بصریہ (متوفی 776ء) نے اللہ سبحانہ کی محبت میں کمال وحدانیت پیدا کی حتی کہ من احب للہ و ابغض للہ واعطی للہ و منع للہ فقداستکمل الایمان (جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے نفرت کی، اللہ کے لیے دیا، اللہ کے لیے روکا، اس نے ایمان مکمل کر لیا) کا مظہر بن گئیں۔

اسی دور میں حسن بصری کے صحبت یافتہ عبد الواحد بن زید نے اب تک کی معلومات کے مطابق، پہلی خانقاہ کی بنیاد ڈالی جس کی اصل

بظاہر صفہ مسجد نبوی سمجھا جاسکتا ہے، جس میں دین دار طبقہ کے خواص نے دولت، شہرت اور دنیاوی جاہ و مرتبت اور فنا ہونے والی آسائشوں سے رفتہ رفتہ خود کو دور کیا۔ اقتدار کے حصول کی سیاسی کوششوں کو ناپسندیدہ نظر سے دیکھا اور کسی بھی فریق کا عملاً ساتھ دینے کے بجائے، گوشہ نشینی اختیار کی اگرچہ ان کا رجحان اہل علم و عدل و تقویٰ کی خاموش تائید کی طرف رہا۔ مزید برآں محدثین کی نقد و جرح، فقہا کی موشگافیوں، اہل کلام و فلسفہ کے ماوراء عقل حساس موضوعات پر محکم اظہار خیال اور قرآن و حدیث پر بے باک و بے مہار آزاد خیالی میں انہوں نے عافیت اسی میں جانی کہ گوشہ نشینی اختیار کرلیں۔ اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت، احکام شریعت کی پابندی، عبادت و نیکوکاری میں مشغولیت، خود احتسابی، تلاوت و تدبر قرآن و اذکار مسنونہ میں زبان و قلب کا انہماک، علم کلام سے احتراز، فروعی مسائل میں زیادہ محتاط طریقے پر عمل، بعض میں خشیت اور بعض میں محبت کا غلبہ ان کی خصوصیات رہیں۔

یہ دور اس معنی میں سنہری دور سمجھا جاتا ہے کہ قرآن حکیم اور سنت مطہرہ کے سوتوں سے اس کی آبیاری ہوئی تھی۔ ظاہر و باطن شریعت یا حقیقت، طریقت اور شریعت کی تقسیم کا تصور ابھی جزو تصوف نہیں بنا تھا، صحابہ کرام کے عہد کی مجالس صحبت اور سنت بیعت احسان کا احیاء ہوا تھا، عبداللہ بن مبارک مروزی اور وکیع بن الجراح اور احمد بن محمد بن حنبل کی تصانیف بالترتیب کتاب الزہد والرقائق، کتاب الزہد اور، حارث محاسبی کی کتاب الرعایه لحقوق الله ، وصایا ، کتاب التوهم ، البعث والنشور ، آداب النفوس، محاسبة النفوس ، مسترشدین ، کتاب العلم ، الرزق الحلال ،الصبر والرضا ، التفکر و الاعتبار ، فہم الصلوٰة ، فہم القرآن ، الزهد ،العظمته وغیره اور سہل بن عبدالله کی تفسیر القرآن سامنے آنے لگی تھیں۔ لیکن ان کے علاوہ عمر بن عثمان المکی، ابویزید طیقور بن عیسیٰ بسطامی، جنید بغدادی، ابوسعید الخراز اور حسین بن منصور الحلاج کی ایسی تصانیف سامنے آنے لگیں جو عوام تو عوام خواص تک کے لیے معمہ بن گئیں۔

راسخ العقیدہ مسلمانوں کا ایک گروہ عقلی و منطقی اسلوب پر امام احمد بن محمد بن حنبل کے اظہار ناپسندیدگی پر حارث محاسبی کے مقاطعہ پر اتر آیا اور اس نے ایسا بے لچک و متشدد رویہ اپنایا کہ حارث محاسبی روپوش ہونے پر مجبور ہوگئے اور اسی روپوشی کے عالم میں ان کی وفات ہوئی۔ حنابلہ کے خوف سے جنازہ میں صرف چار افراد شریک ہوئے۔

تصوف کی تاریخ: تیسرا دور

تحریک تصوف کا تیسرا دور تیسری صدی ہجری کے بیشتر اور چوتھی صدی ہجری کے نصف اول پر محیط ہے، جس میں دیگر علوم کی ترتیب و تہذیب کے ساتھ علم تصوف کی بھی صورت گری ہونے لگی۔ یہ زمانہ مسلمانوں میں فلسفے اور عقلیت سے مرعوبیت کا زمانہ ہے، مسلمانوں کے اندر ان علوم کے فروغ کے سبب عقائد و مذہب سے متعلق مختلف طرح کے شکوک و شبہات بھی پیدا ہونے لگے تھے۔ اس دور کے بزرگان دین نے یونانی و ایرانی عقلیت پسندی کا مقابلہ عشق الٰہی سے کرنے کی کوشش کی۔

اس دور میں علم تصوف علم القلوب کے نام سے معروف ہوا اور شیخ التربیت کی رہنمائی میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی معرفت، محبت اور جذبہ اطاعت و عبدیت عادت ثانیہ میں تبدیل ہوئی اور مستحبات شریعت بالطبع محبوب اور مکروہات شریعت بالطبع مبغوض ہوئے۔ اس دور میں

دین دار طبقہ شریعت اور اس کے احکام پر قائم رہا، البتہ خواص نے تقرب و خوشنودی باری تعالیٰ کے لیے مجاہدے اپنائے، یکسوئی کے لیے جنگلوں، ریگستانوں، ویرانوں اور پہاڑوں کا رخ کیا تا کہ یکسوئی سے اذکار الہیٰ اور کائنات میں غور و فکر کے لیے وقت دے سکیں۔ بعض سماع حمد و نعت کی طرف جھکے تا کہ دل کی سخت زمین کاشت کے قابل بن سکے۔

پروفیسر شاہد علی عباسی کے مطابق اسی دور میں شقیق بلخی نے "توکل" (اللہ پر کامل بھروسہ)، معروف کرخی نے "فنائے حسی" سری سقطی نے "توحید" ذوالنون مصری نے "حال مقام اور معرفت و فنا" ابو یزید طیفور بن عیسیٰ نے "عشق الہیٰ و سکر شعوری" جنید بغدادی نے "عشق الہیٰ، عبدیت، رضا بر ضائے الہیٰ اور صحو شعوری" ابو صالح حمدون القصار نے ملامت" ابو سعید الخراز نے فنا و بقاء اور عین الجمع ابو عبد اللہ محمد ابن خفیف نے "حضور و غیبت" ابو العباس السیار نے "شوق و الم" حارث محاسبی نے "محاسبہ نفس و روح و وقت و توانائی اور حال و مقام سہل بن عبد اللہ تستری نے معصیات سے کلی اجتناب اور اطاعات میں کلی انجذاب" حکیم ترمذی نے "ولایت" ابو الحسین نوری نے "ترجیح صحبت بر عزلت و ایثار نفس" کے نظریات اپنے اپنے علم و احوال اور مخاطب کے فہم کے مطابق بیان کرنا شروع کیے۔

تصوف کی تاریخ کے اس دور میں ابو عبد الرحمن السلمی کے قلم سے حقائق التفسیر لکھی گئی جو صوفی طرز تفسیر کی اولین مثال ہے۔ اس کے علاوہ تصوف کے موضوع پر مختلف کتب تصنیف کی گئیں۔ جس میں کتاب اللمع از نصر سراج طوسی، قوت القلوب از ابو طالب مکی، التعرف لمذهب اهل التصوف از ابو بکر کلابازی، الرساله فی علم التصوف از ابو القاسم قشیری، صدمیدان اور منازل السائرین از ابو اسماعیل عبد اللہ انصاری حنبلی، کشف المحجوب از علی بن عثمان ہجویری، احیاء علوم الدین ، کیمیائے سعادت ، الاربعین ، معارج القدس، روضه الطالبین ، قواعد العقائد ، مشکوة الانوار از ابو حامد محمد الغزالی نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔

صوفیہ کے اقوال و احوال کو محفوظ کیا گیا اور عمرو بن عثمان المکی اور حسین ابن منصور الحلاج کی تصنیفات و مکتوبات سامنے آئے۔ اس دور میں شہاب الدین سہروردی ابو علی روذباری، قشیری، کلاباذی، ابو طالب مکی، ، غزالی، عبد القادر جیلانی وغیرہ کی تصوف سے وابستگی نے مذبذب علماء کے دل میں تصوف کی طرف ایک مثبت تاثر قائم کر دیا۔ ان کی مجالس کی شرکت نے ان کی تالیفات کے مشکل و مبہم مقامات کو صاف اور مبرہن کر دیا، اشکالات دور کر دیے اور وہ تاثیر پیدا کر دی جس نے ان کی زندگی میں ایک انقلاب کی راہ کھول دی۔ وہی قرآن، وہی حدیث لیکن معانی و مفاہیم کی بارش نئی جس کے قطرہ قطرہ نے یا تو ان کی روح کی پیاس بجھائی یا اللہ عزیز کے خوف و خشیت کے ساتھ اس کی محبت کے جذبات قوی سے قوی تر کر دیے، یا ان کی چشم باطن ایسے کھول دی کہ علمی اشکالات ہوا ہو گئے، یا شوق شہرت فنا ہو گیا، یا علماء دین مجسم دین بن گئے، چنانچہ اس دور سے اہل تفسیر، اہل حدیث اور اہل فقہ میں ایک معتد بہ تعداد ہمیں صوفیہ سے منسلک ہوتی دکھائی دیتی ہے۔

تصوف کی تاریخ: چوتھا دور

تحریک تصوف کا چوتھا دور چوتھی صدی ہجری کے آخر اور پانچویں صدی ہجری پر مشتمل ہے، یہ عباسی خلافت کا دور زوال ہے، اس دوران مسلم دنیا پورے طور پر انتشار کا شکار تھی، اس زمانے میں مسلم دنیا کے مختلف علاقوں میں ان کی چھوٹی چھوٹی خود مختار حکومتیں

وجود میں آگئی تھیں جو اکثر اوقات باہم دست و گریبان بھی رہتی تھیں، آپسی اختلاف و انتشار اور خانہ جنگیوں کے اس دور میں تحریک تصوف کو مزید جلا ملی، اور اس نے دنیاداری کے خلاف دنیا بے زاری کی باضابطہ تحریک کی شکل اختیار کرلی اور تصوف کی اصلاحات رائج ہوئیں۔

پروفیسر شاہد علی عباسی کہتے ہیں کہ چوتھے دور کا آغاز ابو سعید بن ابی الخیر اور ابو الحسن علی الخرقانی جیسے بزرگ کے ظہور سے ہوا جو امام قشیری ابو طالب مکی کے ہم عصر تھے لیکن ان کا طریقہ ان سب سے جداگانہ تھا۔ اس دور میں عوام ظواہر احکام شریعت پر قائم رہے، خواص نے تزکیہ و تہذیب نفس، تصفیہ قلب و روح، فضائل اخلاق میں رسوخ اور احوال میں ترقی کے ذریعہ اللہ سبحانہ کے تقرب و خوشنودی کے حصول کو نصب العین بنایا۔ اور خواص الخواص نے اعمال و احوال اور مقامات سلوک سے گزر کر "جذب" تک رسائی حاصل کرلی جس نے ان کے سامنے "توجہ" یعنی حقیقت احسان کا راستہ کھول دیا۔

تصوف کی تاریخ: پانچواں دور

بارہویں صدی کی لگ بھگ تیسری دہائی سے تصوف کا پانچواں دور شروع ہوتا ہے جو چودھویں صدی کے اواخر تک جاری رہتا ہے۔ اس دور میں تصوف نے باضابطہ اور منظم تحریک کی شکل اختیار کرلی اور یہ اپنے دور کے سماج کی اہم ضرورت بن گیا، چونکہ یہ دور بھی مسلم دنیا کا دور خلفشار ہے، اس میں مسلمانوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش نے انہیں اتنا زیادہ کمزور کردیا کہ منگولوں نے مسلم دنیا کے ایک بڑے حصے کو تاخت و تاراج کرکے رکھ دیا۔ اس سے پہلے مسلمانوں نے بلاد و امصار کی ایسی تباہی نہ دیکھی تھی اور نہ ہی ان میں اتنے بڑے پیمانے پر ہلاکتیں ہوئی تھیں، اس خون خرابے نے مسلم دنیا میں مایوسی اور دنیا کی بے ثباتی کا ایک ایسا ماحول پیدا کیا جو تحریک تصوف کے لیے انتہائی سازگار تھا؛ لہٰذا تصوف اور صوفی خیالات کو مسلم دنیا میں سب سے زیادہ فروغ اسی زمانے میں حاصل ہوا۔ ایک ایسے وقت میں جب مسلمانوں کا سیاسی نظام پورے طور پر بکھر چکا تھا اور ان کی سیاسی وحدت پارہ پارہ ہوچکی تھی، یہ صوفیاء کرام اور ان کی جماعت تھی جس نے مسلم معاشرے کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے کا بیڑہ اٹھایا، اس کے اندر اصلاح و درستی کی تحریک کو آگے بڑھایا اور صوفی سلسلوں کے باضابطہ قیام کے ذریعے ایک ایسا روحانی نظام جاری کیا جس میں مرید کی اصلاح و تربیت کی اور اس کو معاشرہ کا ایک بہتر فرد بنانے کی سعی کی گئی۔

1. شیخ عبد القادر جیلانی (متوفی 1166ء)... طریقہ قادریہ
2. ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی (متوفی 1168ء)... طریقہ سہروردیہ
3. سید احمد ابن الرفاعی (متوفی 1182ء)... طریقہ رفاعیہ
4. احمد الیسوی (متوفی 1166ء)... طریقہ یسویہ
5. نجم الدین کبری (متوفی 1221ء) طریقہ کبرویہ
6. معین الدین حسن سجزی (متوفی 1336ء)... طریقہ چشتیہ
7. ابو الحسن علی الشاذلی (متولی 1257ء)... طریقہ شاذلیہ (ابو مدین شعیب (متوفی 1197ء) کے خلفاء سے مستفیض)

8. احمد البدوی (متوفی 1276ء).....طریقہ بدویہ

9. جلال الدین رومی (متوفی 1273ء)...طریقہ مولویہ / جلالیہ

10. بہاء الدین محمد نقشبند (متوفی 1389ء) طریقہ نقشبندیہ

ہر طریقہ یا سلسلہ اپنے مخصوص اصول اور قواعد وضوابط رکھتا تھا، لیکن اللہ سبحانہ کی محبت، خوشنودی اور عبدیت کا حصول سب میں مشترک تھا۔ اجتماعی تعلیم اور باقاعدہ انفرادی تربیت سلوک کا سلسلہ اسی دور میں شروع ہوتا ہے۔ تصوف میں درآمد مبینہ انحرافات کو دور کرکے متصوفین کو قانون شریعت کا پابند بنایا جاتا ہے۔ شیخ کی موجودگی و نگرانی میں ذکر و سماع کی مجلسیں منعقد کرنے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اور ایسے اذکار، اشغال، مجاہدے اور مراقبے تجویز کیے جانے لگتے ہیں جو اہل شقاوت کو اہل سعادت میں تبدیل کر دیں۔

یکے بعد دیگرے مختلف مقامات پر خانقاہوں اور ان سے ملحق مسجدوں کی تعمیر ہوئی جس میں صاحب دل امراء و سلاطین بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان خانقاہوں اور ان کے مکینوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے زمینیں، جاگیریں وقف کی جاتی ہیں۔ تاکہ شیخ و مرید یکسوئی، مجاہدہ و تصفیہ باطن کے ذریعہ مشاہدۂ حق تک پہونچنے کی کوشش میں لگے رہیں۔

اس دور میں مشائخ و سالکین کی رہنمائی کے لیے سلوک / تصوف کے شرائط، ارکان و آداب پر متعدد رسالے و کتب لکھی جاتی ہیں۔ ان میں آداب المریدین از ضیاء الدین سہروردی، عوارف المعارف از شہاب الدین سہروردی، مرصاد العباد از نجم الدین دایہ رازی، اور الامر المحکم المربوط از شیخ اکبر ابن عربی حاتمی کا مقام نمایاں ہے۔ ان میں عوارف المعارف کو اتنی مقبولیت حاصل ہوتی ہے کہ نہ صرف خانقاہوں میں طالبان حق کے لیے یہ نصاب کا جزو بن گئیں بلکہ کثرت سے اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

تیرہویں صدی کی ابتدا میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اندلس سے مشرق کا رخ کیا۔ اور بکثرت مشائخین قرأت، تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، لغت و تصوف سے اکتساب فیض کرتے کرتے دمشق پہنچے جہاں ان کا والہانہ خیر مقدم کیا گیا۔ آپ نے چار سو سے زیادہ تصنیفات رقم کیں۔ تصوف میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم کو غیر معمولی شہرت ملی۔ اگرچہ فصوص الحکم شروع سے تنقید و تنازعہ کا شکار بنی۔ فتوحات مکیہ اپنی ندرت، جامعیت، تنوع، تحقیق، تدقیق، اسلوب اور حسن عبارت میں ہنوز بے مثال ہے۔ آپ کے افکار و تعلیمات نے پوری اسلامی دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔

اسی دور میں جلال الدین محمد رومی نے اپنی شہرہ آفاق مثنوی بزبان فارسی / پہلوی لکھی جس میں دین شریعت، توحید، رسالت، آخرت کے علاوہ تصوف و کلام کے مسائل دلکش اور عام فہم انداز میں بیان کیے ہیں۔ اس کی بھی تلخیصات، شروحات اور اصطلاحات کی توضیحات پر کام کیا گیا ہے۔

اسی دور میں شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی اپنے مشائی و اشراقی فلسفہ کو جو فیثا غورس، افلاطون، ارسطو طالیس، زرتشت اور رہبانیت کے امتزاج سے عبارت تھا؛ تصوف میں گوندھ کر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ عقلاء کی عقلیں ماؤف ہو جاتی ہیں۔ ان کی تصانیف

میں تلویحات ، مطارحات ، حکمته الاشراق، ہیکل النور ، اعتقادات الحکماء ، یزداں شناخت کے علاوہ علامتی زبان میں لکھی گئیں عقل سرخ ، رساله فی المعراج ،روزے بجماعت صوفیاں وغیرہ کے اثرات ایرانی / عجمی زہاد، حکما اور الہیین پر بڑی قوت سے مرتب ہوئے۔ اس سلسلہ میں جلال الدین دوانی، نصیر الدین طوسی، شمس الدین شہر زوری، قطب الدین شیرازی، میر داماد، ملا صدر الدین شیرازی، احمد احسالی اور ہادی سبزواری کے نام مشہور ہیں۔ شیخ الاشراق کو بھی مجد الدین بغدادی کی طرح زندقہ (گمراہی) کے الزام کا سامنا کرنا پڑا اور وہ 38 سال کی عمر میں بغدادی کی طرح قتل کر دیے گئے۔

منگولوں کے حملے اور قتل عام کے بعد ایسی تباہی آئی اور عالم اسلام پر ایسی اداسی چھائی کہ دولت عثمانیہ کی رفعت و سطوت بھی اسے دور نہیں کر پائی، ایسے میں صوفی خانقاہوں نے اپنا مفوضہ کام انجام دیا، سیف الدین باخرزی اور صدر الدین ابراہیم کے ہاتھ پر تاتاری بھاری تعداد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اسی دور میں وسطی ایشیا، جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا میں دین اسلام کی تبلیغ میں امانت دار تاجروں کے علاوہ صوفیہ کرام نے اہم کردار ادا کیا، ان کے ایثار و قربانی اور خدمت خلق کے جذبات سے سرشار دعوت اسلام نے نہ صرف زخمی دلوں پر مرہم رکھا بلکہ ذات پات میں بٹے سماج کو یکجا کیا اور تمام امتیازات سے بلند ہو کر عالم انسانیت کو الہٰ واحد کی بندگی اور قانون شریعت کے آگے خود سپردگی کی جانب متوجہ کیا۔

تصوف کی تاریخ: چھٹا دور

پندرھویں صدی عیسوی میں تصوف کا چھٹا دور شروع ہوا جو اٹھارہویں کے اواخر تک چلا۔ تصوف کے سلاسل قائم ہو جانے کے بعد تصوف محض طریقہ تربیت نہیں رہا؛ بلکہ باضابطہ ایک نظام بن گیا اور نظام کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی خرابیاں بھی اس میں درآئیں، ہر سلسلے کے اندر ان کے کچھ متبعین میں اختلافات رونما ہوئے اور یہ سلسلے مزید تقسیم ہوتے گئے، جن میں بیشتر وقت کی گرد بن گئے اور تاریخ کا حصہ بن گئے، بہت سے ابھی بھی موجود ہیں۔

مختلف سلاسل کے درمیان حریفانہ شکلیں بھی پیدا ہوئیں۔ باہمی رقابتیں بھی کبھی کبھار بے حجاب ہوئیں، بانیان سلاسل کی بابت افضل و مفضول کی بحثیں بھی چھڑیں جن سے دلوں میں غبار پیدا ہو گیا، محقق مشائخین نے اس کے حل کی یہ تدبیر کی کہ بذات خود مختلف طریقوں سے وابستہ ہو گئے، سلوک کی از سر نو تکمیل کی، مجاز بیعت ہوئے، پھر مریدین کے رجحانات اور صلاحیتوں پر نظر کرتے ہوئے ان سے مختلف سلاسل میں بیعت لی تاکہ کسی سلسلہ کی بابت ان کے دل میں تحقیر کا جذبہ نہ پیدا ہو، اور حسب صلاحیت مرید سلوک کی تعلیم دی۔ شیخ احمد سرہندی مثلاً اپنے والد گرامی شیخ عبد الاحد کے ہاتھ پر چشتی سلسلہ میں بیعت ہوئے، پھر والد کے حکم پر شاہ سکندر کیتھلی کے ہاتھ پر قادری سلسلہ میں بیعت کی، پھر دوسرے صوفیہ کے ہاتھ پر سہروردی اور کبراوی سلسلوں سے وابستہ ہوئے۔ تکمیل سلوک کے بعد حجاز کے ارادے سے وطن سے نکلے، لیکن دہلی میں حضرت باقی باللہ کی زیارت کی تو خود بخود نقشبندی سلسلہ میں بیعت ہونے اور راہ سلوک طے کرنے کا قوی جذبہ پیدا ہوا، حضرت باقی باللہ نے اپنے اصول کے برخلاف فوراً بیعت کر لیا۔ آگے شیخ احمد سرہندی کی شہرت نقشبندی شیخ کی حیثیت سے ایسے پھیلی کہ صرف انبالہ جیسے چھوٹے شہر میں بیک وقت آپ کے 42 خلفاء اشاعت حق میں لگے رہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی کے

ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا، اگرچہ ان کے پاس مختلف سلاسل کے درمیان توازن ملتا ہے۔ آگے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شخصیت مجمع البحار کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔ انہوں نے مختلف سلاسل سے اپنی وابستگی کی بابت 'الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ' کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا۔

9.11 فرہنگ

معتقدات: جمع ہے "معتقد" کی، اصطلاح میں معتقدات سے مراد وہ بنیادی نظریات، خیالات اور ایمانیات ہیں جنہیں کوئی انسان یا گروہ اٹل حقیقت تسلیم کرتا ہے۔

تکوینی: کائنات کا نظام

انجذاب: جذب ہونا، محو ہو جانا۔ تصوف میں "انجذاب" ایک خاص مقام ہے جہاں بندہ اللہ کی محبت اور یاد میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ اپنی خودی کو بھول جاتا ہے۔

9.12 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تصوف کے اشتقاق کے بارے میں مختلف علما کے مختلف اقوال ہیں۔ اکثر علما اسے صوف سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی اون کے آتے ہیں۔
- روزاول سے ہی تصوف کے معنی کی اصل کے بارے میں علماء کے درمیان مختلف آراء رہی ہیں۔ البتہ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تصوف، ادب، خاموشی، ذکر و وجد، فناء، صفاء باطن، صبر و تحمل، عطا و سخا، ترک شہوات، ترک اخلاق بد، حسن خلق، نیک اعمال، نفس کو شیطان کے جال سے آزادی، قرب و توجہ الی اللہ اور خوشنودی رب کے حصول کے لیے جہد مسلسل سے عبارت ہے۔
- حضرت سید علی بن عثمان جلابی المعروف حضور داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب کے صفحہ 39 پر سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ تصوف کی بنیادی خصوصیات آٹھ ہیں: (1) سخاوت (2) رضا (3) صبر (4) اشارہ (5) غربت (6) گدڑی (لباس) (7) سیاحت اور (8) فقر۔ یہ آٹھ خصلتیں آٹھ انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہیں۔
- تصوف کو قرآنی اصطلاح میں تزکیہ نفس اور حدیث کی اصطلاح میں احسان کہتے ہیں۔ متعدد فقہی علمائے کرام بھی یہی مراد لیتے رہے لیکن بعد میں تصوف میں ایسے افکار ظاہر ہونا شروع ہوئے کہ جن پر شریعت و فقہ پر قائم علما کرام نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اسکا رد کیا۔ اس طرح اسلامی علما و مفکرین تصوف کے بارے میں ہمیشہ دو حصوں میں بٹے رہے۔ امام ابن تیمیہ، ابن قیم اور بھی بہت سے علما نے غیر اسلامی تصوف کے خلاف کتابیں رقم کیں علامہ اقبال کہتے ہیں کہ تصوف اسلام کی سرزمین پر ایک اجنبی درخت ہے۔

- تصوف کا آغاز تو پہلی صدی میں ہی ہو گیا تھا اس کا ارتقا ہوتے ہوتے کئی صدیاں لگ گئیں۔ مورخین نے تصوف کی تاریخ کو مختلف زمانوں میں تقسیم کیا ہے۔ عموماً مورخین تصوف کی تاریخ کو چھ مختلف ادوار میں تقسیم کرتے ہیں، لیکن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تصوف کے ادوار کو صرف چار ادوار یا چار الوان میں تقسیم کیا ہے۔

9.13 نمونہ امتحانی سوالات

9.13.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. لفظ تصوف.....سے مشتق ہے۔

(a).صفا (b).اصحاب صفہ (c).صوف (d). سبھی

2. .....نے کہا کہ تصوف سرزمیں اسلام پر ایک اجنبی درخت ہے۔

(a).حسن بصری (b).جنید بغدادای (c).علی ہجویری (d).علامہ اقبال

3. اکثر علما کے مطابق تصوف تزکیہ اور.....کا دوسرا نام ہے۔

(a).احسان (b).سلوک (c).عبادت (d).جہاد

4. .....کے مطابق لفظ صوفی 200ھ کے کچھ پہلے مشہور ہوا۔

(a).علی ہجویری (b).ابو نصر سراج (c).امام قشیری (d). سبھی

5. تصوف کا پہلا دور رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے شروع ہوتا ہے اور.....کی شہادت پر ختم ہوتا ہے۔

(a).حضرت ابو بکرؓ (b).حضرت عمرؓ (c).حضرت عثمانؓ (d).حضرت علیؓ

6. تصوف کی بنیادی کتب.....دور میں تصنیف کی گئی۔

(a).دور اول (b).دور ثانی (c).دور ثالث (d).دور چہارم

7. تیسرے دور کے ایک اہم صوفی.....ہیں۔

(a).حسن بصری (b).بایزید بسطامی (c).ابن عربی (d).امام غزالی

8. سلاسل تصوف کا آغاز.....دور میں ہوا۔

(a).تیسرے (b).چوتھے (c).پانچویں (d).چھٹے

9. حسن بصری کے صحبت یافتہ.....نے پہلی خانقاہ کی بنیاد ڈالی۔

(a).بشر حافی (b).رابعہ بصریہ (c).عبدالواحد بن زید (d).جنید بغدادی

10. شیخ ابو نصر سراج کی تصنیف.....تصوف کی ابتدائی کتاب مانی جاتی ہے۔

(a).کتاب اللمع (b).الرعایہ فی حقوق اللہ (c).کشف المحجوب (d)فتوحات مکیہ

9.13.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. تصوف کے لغوی معنی اور مفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی مختلف تعریفات اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔
2. تصوف کے دور اول میں تصوف کے مفہوم پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. تصوف کے دوسرے دور میں تصوف کے احوال پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
4. تیسرے اور چوتھے دور میں تصوف کے ارتقائی مراحل اور افکار کا جائزہ لیجیے۔
5. عصر حاضر میں تصوف اور صوفیا کے احوال پر مختصر اتبصرہ کیجیے۔

9.13.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. تصوف کے معنی مفہوم بیان کرتے ہوئے تصوف کے آداب و تعلیمات پر ایک تجزیاتی بحث پیش کیجیے۔
2. تصوف کے ارتقائی ادوار کا جائزہ لیجیے۔
3. تصوف کے آغاز وارتقاء پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔

9.14 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. کشف المحجوب : سید علی ہجویری (اردو ترجمہ)
2. رسالہ قشیریہ : ابوالقاسم قشیری (اردو ترجمہ)
3. ہمعات : شاہ ولی اللہ (اردو ترجمہ)
4. قرآن و تصوف : ڈاکٹر میر ولی الدین
5. تذکرۃ الاولیاء : فرید الدین عطار (اردو ترجمہ)
6. تزکیہ واحسان : سید ابوالحسن علی ندوی
7. اردو دائرہ معارف اسلامیہ
8. Mystical Dimensions of Islam: Annemarie Schemmel

معروضی سوالات کے جوابات

1. D	2. D	3. A	4. C	5.D
6. B	7. C	8.C	9.C	10.A

اکائی 10: ابتدائی دور کے مشہور صوفیاء(حسن بصری، رابعہ بصری، جنید بغدادی)

اکائی کے اجزا:

10.0 تمہید

10.1 مقاصد

10.2 حسن بصریؒ (متوفی 110ھ)

10.2.1 حسن بصریؒ کی تعلیمات

10.3 حضرت رابعہ بصریہؒ (متوفیہ 185ھ)

10.3.1 رابعہ بصریہ کی تعلیمات

10.4 حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297ھ)

10.4.1 جنید بغدادی کی تعلیمات

10.5 فرہنگ

10.6 اکتسابی نتائج

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

10.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

10.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

10.0 تمہید

ذیل کی اکائی میں دور اول کے صوفیہ کے کچھ معروف اور بلند مرتبہ صوفیائے کرام کے احوال و کوائف اور تعلیمات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ان کے توسط سے اس دور کی صوفی روایت کے مختلف انداز و اطوار سامنے آجائیں۔ ساتھ ہی ہماری کوشش یہ بھی ہو گی کہ

اس اکائی میں ابتدائی دور کے صوفیوں کی کچھ تعلیمات کا احاطہ کریں تا کہ آپ ان سے استفادہ کر سکیں۔ ابتدائی دور کے صوفیاء میں حضرت حسن بصریؒ اولین صوفی شمار ہوتے ہیں۔ اسلامی تصوف کی تاریخ میں خواتین صوفیا بھی گزری ہیں جن میں حضرت رابعہؒ بصریہ نہایت معروف تابعی صوفیہ تھیں۔ اسی طرح جنید بغدادیؒ اولین طبقہ کے نہایت جلیل القدر صوفیا میں ہیں جنہوں نے تصوف کی ابتدائی تشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

10.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- اسلام کے ابتدائی دور کے اکابر صوفیائے کرام احوال و کوائف سے واقف ہو سکیں۔
- دور اول کے اہم صوفیا جیسے حسن بصریؒ، رابعہ بصریہؒ کے افکار و تعلیمات کا جائزہ لے سکیں۔
- جنید بغدادیؒ کے احوال اور اقوال اور ان کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا سکیں۔

10.2 حسن بصریؒ (متوفی 110ھ)

سعید حسن بن یسارؒ حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں سنہ 21 ہجری میں پیدا ہوئے، آپ کے والدین آزاد کردہ غلام تھے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے سایہ شفقت میں آپ پروان چڑھے۔ امہات المومنین کے گھروں میں بچپن میں برابر آتے جاتے رہتے تھے یہ سلسلہ بلوغ کے ساتھ رک گیا۔

علامہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ حسن بصری ایک بلند مرتبت عالم، رفیع منزلت فقیہ، غلطیوں سے پاک، عابد و زاہد اور وسیع العلم، فصیح و بلیغ اور حسین و جمیل، غرض جامع کمالات بزرگ تھے۔ ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ایک ایسے مشہور عالم تھے جن کی جلالت شان پر سب کا اتفاق تھا، تعلیمات اسلامی اور اخلاق نبوی کے مجسم نمونوں یعنی صحابہ کرام کی صحبت میں تاثیر ہی ایسی تھی۔ امام شعبی فرمایا کرتے کہ میں نے اس ملک (یعنی عراق) میں حسن سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ اور قتادہ کہتے حسن کا دامن پکڑو، میں نے رائے میں کسی کو اس شخص سے زیادہ عمر بن الخطاب کے مشابہ نہیں پایا۔ اور کبھی کہتے کہ حسن حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔ امام باقرؒ فرماتے کہ حسن کی باتیں انبیاء کے کلام کے مشابہ ہوتی ہیں۔

صحابہ کرام میں حضرات عثمانؓ، علیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، انس بن مالکؓ، جابر بن معاویہؓ، معقل بن یسارؓ، ابو بکرہؓ، عمران بن حصینؓ اور جندب بجلیؓ سے راست استفادہ کیا تھا، اور حضرت عمر بن الخطابؓ ابی بن کعبؓ سعد بن عبادہؓ، عمار بن یاسرؓ، ابو ہریرہؓ، ثوبانؓ، عثمان بن ابی العاصؓ اور معقل بن سنانؓ سے بالواسطہ۔ اکابر تابعین کی ایک بڑی جماعت سے بھی مستفید ہوئے۔ چنانچہ روایت بالمعنی کے قائل ہونے کے باوجود شائقین علم کا مرجع بن گئے۔ مکہ مکرمہ تک میں لوگوں کا ہجوم لگ جاتا، آپ کو تخت پر بٹھایا جاتا۔ مجاہد، عطا، اور طاؤس جیسے اکابر تابعین آپ سے احادیث سنتے اور یہ کہتے کہ ہم نے اس شخص کا مثل نہیں دیکھا۔

آپ نے تفسیر پر بھی کام کیا لیکن حدیث، فقہ اور عربیت میں امام سمجھے گئے۔ ایک مرتبہ مطر الوراق نے ایک فقہی مسئلہ میں آپ کی رائے دریافت کی۔ جواب ملنے پر کہا کہ فقہاء تو اس بابت آپ سے اختلاف کرتے ہیں۔ حسن بصری نے اس پر فرمایا"... تو نے فقیہ دیکھا بھی ہے؟ اور جانتا ہے کہ فقیہ کسے کہتے ہیں؟ فقیہ وہ ہے جو زاہد اور متورع ہو، اپنے سے اونچے مرتبہ والے سے مرعوب نہ ہوتا ہو نہ اپنے سے کم مرتبہ والے کا مذاق اڑاتا ہو، اور اللہ نے اس کو جو علم عطا کیا ہے اس سے قلیل دنیاوی نفع نہ حاصل کرتا ہو۔"

حضرت ابوبردہؒ جو ایک جلیل القدر تابعی تھے فرماتے تھے کہ میں نے کسی غیر صحابی کو حسن سے زیادہ اصحاب رسول ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ امام شعبی جنہوں نے ستر صحابہ کرام کو دیکھا تھا حسن بصری کی بڑی تعظیم کرتے، ان کے صاحبزادے نے پوچھا کہ جیسا برتاؤ آپ اس شیخ (حسن بصری) کے ساتھ کرتے ہیں، ایسا کسی دوسرے شخص کے ساتھ نہیں کرتے۔ شعبی نے جواب دیا۔"بیٹا میں نے رسول اللہ ﷺ کے ستر اصحاب کو دیکھا ہے اور حسن سے زیادہ کسی کو ان سے مشابہ نہیں پایا۔"

حسن بصریؒ پر ہمیشہ حزن و غم چھایا رہتا، قلبی سوز و گداز نے لبوں کو ہنسی سے اور قلب کو خوشی سے ناآشنا کر دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے، زیادہ ہنسنے سے دل مر جاتا ہے۔ قرآن عظیم کی جب تلاوت کرتے تو شدت تاثر سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔

خشیت الٰہی کا اس قدر غلبہ تھا کہ ہر آن لرزاں و ترساں رہتے، یونس بن عبید کا بیان ہے کہ حسن آتے تو معلوم ہوتا جیسے اپنے کسی قریبی عزیز کو دفن کر کے آرہے ہیں۔ بیٹھتے تو معلوم ہوتا کہ ایک قیدی بیٹھا ہے جس کی گردن مارنے کا حکم دیا جا چکا ہے۔ جہنم کا ذکر ہوتا تو معلوم ہوتا کہ گویا جہنم صرف انہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ ان کی مجلس میں شاذ و نادر ہی آخرت کے علاوہ کسی شئے کا ذکر ہوتا۔ ایک بار شعبی اجازت لے کر چند لوگوں کے ہمراہ ان کے گھر گئے تو ان کو تنہا قبلہ رو خود کلامی کرتا پایا۔ ایک عجیب عالم میں کہہ رہے تھے"ابن آدم تو نیست (معدوم) تھا، ہست (موجود) کیا گیا، تو نے مانگا، تجھے دیا گیا، مگر جب تیری باری آئی اور تجھ سے مانگا گیا تو تو نے انکار کر دیا، ہائے افسوس تو نے کیسا برا کام کیا" یہ کہتے اور بے ہوش ہو جاتے، ہوش آتا، پھر وہی کلمات دہراتے اور پھر بے ہوش ہو جاتے۔

اخلاص کے بغیر صوف پوشی اور حلقہ نشینی کو فریب نفس تصور کرتے۔ ایک مرتبہ آپ کے سامنے گلیم پوشوں کا تذکرہ کیا گیا، فرمایا۔"یہ لوگ دل کی گہرائی میں تکبر کے بت چھپائے ہیں اور ظاہری لباس سے تواضع و خاکساری ظاہر کرتے ہیں۔ بخدا یہ اپنی گلیم گدائی میں بیش قیمت رداء پوشوں سے زیادہ متکبر ہیں۔" ایک بار یمنی جبہ اور رداء (چادر) اوڑھ کر نکلے، ایک ساتھی نے اعتراض کیا تو جواب دیا۔"تم کو یہ معلوم نہیں کہ دوزخیوں کا بڑا حصہ گلیم پوشوں میں سے ہوگا"۔ آپ خوش لباس اور جامہ زیب تھے، یمن کی رداء اور پھول دار چادر زیب بدن ہوتے، جبہ، چادر اور عمامہ کا اتنا اہتمام تھا کہ بغیر عمامہ کے گھر سے نہ نکلتے۔

فریب نفس سے اتنے خائف تھے کہ ہمیشہ دعا فرماتے۔"اے اللہ! شرک، تکبر، نفاق، ریا، فریب دہی، شہرت طلبی اور اپنے دین میں شک و شبہ سے ہمارے قلوب کو محفوظ رکھ، اے مقلب القلوب! ہمارے دلوں کو اپنے دین پہ قائم رکھ اور اسلام کے سیدھے راستے کو ہمارا دین بنا۔"

جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ دل میں موجزن تھا، کابل، اندقان اور ازبکستان کی مہمات میں آپ کی شرکت کی صراحت ملتی ہے، شہرت سے نفور نے ممکن ہے تذکرہ نگاروں کو دیگر مہمات میں شرکت سے بے خبر رکھا ہو۔ حکام کے ظلم کا جواب صبر سے دینے کی تلقین کرتے، خروج کے خلاف تھے، مگر حکام کے روبرو اظہار حق میں کوئی تذبذب نہ کرتے۔

جوانی میں جواہر و موتیوں کی تجارت کرتے تھے۔ تجارتی سفر میں ایک مرتبہ روم گئے۔ وزیر کے ایما پر اس کے ساتھ ایک جنگل میں گئے۔ دیکھا کہ دیبائے رومی کا ایک خیمہ استادہ ہے جس کی طنابیں ریشم کی اور میخیں سونے کی ہیں۔ ایک بڑی فوج اور امراء کو دیکھا، حکماء، دبیروں اور منشیوں کو دیکھا، خوبصورت کنیزوں کو زر و جواہر کی کشتیاں لیے دیکھا۔ یہ سب خیمہ کے گرد پھرے، کچھ کہا اور رخصت ہوئے پھر قیصر روم اور اس کا وزیر خیمہ کے اندر گئے، باہر نکلے اور رخصت ہو گئے۔ تجسس جاگا تو وزیر سے پوچھ بیٹھے، پتہ چلا کہ قیصر روم کا چہیتا ایک خوش جمال لڑکا بیمار ہوا، اطباء، اہل دانش، اہل حکمت سے علاج کرایا گیا، دولت حکومت کی مدد لی گئی، غرض جو جو تدبیریں کی جاسکتی تھیں کی گئیں لیکن سب بے کار ثابت ہوئیں اور شہزادہ چل بسا، اس واقعہ نے حسن پر ایسا اثر کیا کہ تجارت دنیا چھوڑ کر تجارت آخرت میں لگ گئے۔

10.2.1 حسن بصریؒ کی تعلیمات

1. لوگوں نے کہا کہ بعض افراد کہتے ہیں کہ خلق کو نصیحت اس وقت کرنا چاہیے جب اپنی ذات کو پاک صاف بنالیا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ شیطان چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کی تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائے۔

2. لوگوں نے ایک رات حسن کو دیکھا کہ گھر میں بیٹھے روئے جا رہے ہیں۔ پوچھا کہ ہماری نظر میں تو آپ جیسا عابد و متقی کوئی اور نہیں، آپ کیوں اس طرح رو رہے ہیں؟ حسن نے فرمایا کہ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ خدا نہ کرے نادانستگی میں یا بھول میں مجھ سے کوئی کام ایسا ہو گیا ہو یا کوئی قدم غلطی سے ایسی جگہ پڑ گیا ہو کہ اللہ کی نظر میں ناپسندیدہ ہو اور باری تعالیٰ حسن سے کہہ دے کہ جا، ہماری بارگاہ میں اب تیرا کوئی مقام نہیں، اب ہم تیری کوئی عبادت قبول نہ کریں گے۔

3. ایک روز آپ بہت روئے اور آپ کے آنسو کسی کے بدن پر لگ گئے اس نے پوچھا کہ یہ پانی پاک ہے یا ناپاک۔ حسن نے فرمایا کہ بھائی اسے دھو ڈالو کیوں کہ یہ ایک گنہ گار بندے کے آنسو ہیں۔

4. ایک مرتبہ امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ نے آپ کو خط لکھا اور درخواست کی کہ کوئی ایسی نصیحت فرمایئے جسے میں ہمیشہ یاد رکھوں۔ حسن نے لکھا کہ اگر اللہ تیرے ساتھ ہے تو خوف کس کا رکھتا ہے اور اگر اللہ تیرے ساتھ نہیں تو امید کس سے رکھتا ہے۔

5. حسن نے کسی اور روز عمر بن عبد العزیزؒ کو خط لکھا کہ اس دن کو آیا ہوا جان کہ اس دن کے بعد کوئی نہ جیے گا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب میں لکھا کہ اس دن کو آیا ہوا جان کہہ دینا خود ہی نہ ہو گی اور یوم آخرت ہو گا۔

6. حضرت ثابت بنانی نے ایک روز حسن کو خط لکھا، میں نے سنا ہے کہ آپ حج کے لیے جارہے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میں بھی حج میں آپ کے ساتھ چلوں۔ حسن نے جواب میں لکھا، ہمیں معاف رکھیے اور تنہا چھوڑیے کہ اللہ کی ستاری میں زندگی بسر کریں، اکٹھے ہونے سے ایک دوسرے کے عیب پر نظر پڑے گی اور ایک دوسرے کو برا خیال کریں گے۔

7. حسن نے سعید بن جبیر کو نصیحت فرمائی کہ تین کام کبھی مت کرنا۔ ایک تو یہ کہ بادشاہ کے بچھونے پر ہرگز قدم نہ رکھنا اگرچہ وہ تیرے حال پر مہربانی فرمائیں۔ دوسرے یہ کہ کسی سے اپنا راز ظاہر نہ کرنا اگرچہ وہ رابعہ ہی کیوں نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ راگ اور گانا ہرگز نہ سننا اگرچہ مردانگی کا درجہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو، اس لیے کہ راگ اور گانا آفت سے خالی نہیں اور آخر کار اپنا اثر بتا کر رہتا ہے۔

8. مالک بن دینار نے نقل کیا کہ میں نے حسن سے پوچھا کہ لوگوں کی خرابی کس چیز میں ہے؟ آپ نے فرمایا دل کے مرنے میں۔ میں نے پوچھا دل کا مرنا کیا ہے؟ کہا دنیا سے محبت کرنا۔

9. ایک بار اپنے مخاطبین سے کہا: تم لوگ صورت و شکل میں تو صحابہ کے مشابہ ہو لیکن عمل اور کردار میں ان سے جدا۔ اگر تم ان کو دیکھتے تو سب کو دیوانہ سمجھتے اور اگر وہ تم کو دیکھتے تو کسی کو مسلمان نہ کہتے۔

10. ایک بدوی حسن کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ صبر کس کو کہتے ہیں۔ حسن نے فرمایا کہ صبر دو قسم کا ہے: ایک بلا اور مصیبت پر، اور ایک ان چیزوں پر جن کے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو روک دیا ہے۔ آگے آپ نے مزید تفصیل بتائی جس سے بدوی بے حد متاثر ہوا اور کہہ اٹھا کہ حضرت! نہ میں نے آپ کے مثل کوئی زاہد دیکھا نہ آپ سے بڑھ کر صابر سنا۔ حسن نے متانت سے کہا کہ اے بدوی! میرا زہد تمام خواہش اور میرا صبر بے صبری کے سبب ہے، بدوی بڑا حیران ہو، اور اس نے کہا کہ اپنا مطلب صاف صاف بیان فرمایئے، کیوں کہ آپ کے کلمات سے میرا دل متردد ہو گیا ہے۔ حسن نے فرمایا کہ میرا صبر بلا اور مصیبت پر یا اطاعت الٰہی پر جو ہے وہ خود بتا رہا ہے کہ دراصل دوزخ کی آگ کا ڈر اس کا سبب ہے جسے جزع کہتے ہیں، رہا زہد سو جنت کی رغبت اس کا سبب ہے۔ صبر اور زہد تو حقیقتاً اس شخص کے قوی ہیں جو صبر اور زہد دونوں کو خالصتاً اللہ کے لیے اختیار کرے۔ نہ جنت کی نعمتوں کا حصول اس کا محرک ہو اور نہ دوزخ کا ڈر۔

10.3 حضرت رابعہ بصریہؒ (متوفیہ 185ھ)

حضرت رابعہ بنت اسمٰعیل العدویہ القیسیہ البصریہ ایک تنگ حال گھرانہ میں بصرہ میں پیدا ہوئیں۔ اپنی بہنوں میں چوتھی ہونے کے باعث ان کا نام رابعہ رکھا گیا۔ ان کے بڑے ہوتے ہوتے ان کے والدین انتقال کر گئے۔ شہر بصرہ میں اسی زمانے میں قحط پڑا اور بہنیں منتشر ہو گئیں۔ رابعہ کو ایک ظالم نے پکڑ کر زبردستی اپنی خادمہ بنالیا اور پھر چند درہم کے عوض ان کو بیچ ڈالا۔ خریدار گھر لے گیا اور آپ سے سخت محنت کے کام لینے لگا۔ ایک روز راستہ میں جارہی تھیں کہ اچانک ایک غیر محرم سامنے آگیا۔ رابعہ گھبرا گئیں اور گھبراہٹ میں ایک طرف بھاگ پڑیں۔ راستہ میں گریں، آپ کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ آپ نے اپنا منھ خاک پر رکھا اور کہا۔ ”باراالٰہا! میں غریب، یتیم، قیدی اور ہاتھ ٹوٹی باندی ہوں لیکن مجھے ان باتوں کا غم نہیں، ہاں تیری رضا (خوشنودی) کی طالب ہوں، مجھ پر فضل فرما اور آگاہ کر کہ تو مجھ سے راضی ہے یا

نہیں ؟" آپ نے غیبی آواز سنی کہ تو غم مت کھا کہ کل بروز قیامت تیرا وہ رتبہ ہو گا کہ مقرب فرشتے تجھ پر فخر کریں گے۔ رابعہ مطمئن اپنے مالک کے گھر لوٹ گئیں۔

حضرت رابعہ بصریہ کا دن روزہ میں اور مالک کی خدمت میں گزرتا اور رات قیام نماز میں۔ ایک رات مالک کو کوئی ضرورت آن پڑی، اس نے رابعہ کو آواز دی لیکن رابعہ کہیں اور مشغول تھیں۔ وہ کمرہ سے نکلا، رابعہ کے حجرہ کی طرف چلا۔ دیکھا کہ دروازہ اندر سے بند ہے اور رابعہ کسی سے ہم کلام ہیں۔ تجسس کے تحت اس نے اپنی آنکھ دروازے کی جھری سے لگادی۔ دیکھا کہ رابعہ سجدے میں گری کہہ رہی ہیں۔ "الٰہی !تو جانتا ہے میرے دل کی آرزو تیرے فرامین کی بجاآوری ہے، میری آنکھوں کی روشنی تیری بارگاہ میں حاضری ہے۔ اگر میں مختار ہوتی تو ہر دم تیری عبادت میں لگی رہتی لیکن تو نے مجھے اپنی مخلوق کا ماتحت کیا ہے۔ اسی سبب تیری خدمت میں آنے میں تاخیر ہو جاتی ہے۔" مالک نے دیکھا کہ سارا حجرہ بقعہ نور بنا ہوا ہے اور ایک قندیل نور بغیر کسی ڈور وزنجیر کے ہوا میں معلق ہے۔ مالک نے یہ کیفیت دیکھی تو رابعہ کے مقام ولایت کا اسے اندازہ ہوا۔ صبح ہوتے ہی اس نے رابعہ کو آزاد کیا اور درخواست کی کہ اگر آپ یہاں رہیں گی تو ہم سب آپ کی خدمت کریں گے اور اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو آپ مختار ہیں۔ رابعہ اجازت لے کر باہر آئیں اور مٹی کی ایک جھونپڑی کو عبادت خانہ بنا کر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

رابعہ نے عجز و نیاز کے ساتھ بصرہ سے مکہ معظمہ تک کا راستہ طے کیا اور اسی عجز و نیاز سے حج ادا کیا، پھر زار و قطار رونے لگیں اور کہنے لگیں۔ 'الٰہی !تو نے حج پر بھی وعدہ اجر فرمایا ہے اور مصیبت پر بھی۔ اب اگر میرا حج مقبول نہیں تو یہ بڑی مصیبت ہے پس میری مصیبت کا اجر کہاں ؟"

رابعہ نے دوسرا حج ادا فرمایا تو رب البیت کے دیدار کی آرزو کی، جب پتہ چلا کہ اس کی برداشت نہیں تو رتبہ فقر کی خواہش کی۔ جب پتہ چلا کہ وہ بھی ناقابل برداشت ہے تو بے قرار ہو کر کہہ اٹھیں۔ "الٰہی !تو مجھے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت نہیں دیتا تو کم از کم بصرہ میں رہنے کی اجازت دے دے، بے شک میں تیرے گھر میں رہنے کے قابل نہیں کیوں کہ تیرے گھر پہنچنے سے پہلے ہی میں نے تیرے دیدار کی آرزو کی جسارت کی، اس لیے سزاوار اس محرومی کی ہوں۔"

حسن بصری نے ایک بار رابعہ سے کہا کہ کسی سے نکاح کر لو۔ رابعہ نے فرمایا "عقد نکاح اس شخص کے لیے مناسب ہے جو جسم و ہستی رکھتا ہو، یہاں تو نہ اپنا جسم ہے نہ اپنی ہستی، میں تو رب کائنات کی مملوکہ ہوں، نکاح کی بابت بات کرنی ہو تو مالک سے کی جائے۔"

اسی طرح چند لوگوں نے آپ سے نکاح کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے تین چیزوں کی فکر ہے، اگر تم مجھے ان چیزوں سے بے فکر کر دو تو میں نکاح کر لوں۔ پہلے یہ کہ بتاؤ میری موت ایمان پر ہو گی یا نہیں ؟ لوگوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ فرمایا: دوسرے یہ کہ میرا اعمال نامہ داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا یا نہیں ؟ لوگوں نے پھر کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ فرمایا: تیسرے یہ کہ ایک جماعت داہنی طرف سے بہشت لے جائی جائے گی اور دوسری بائیں طرف سے جہنم میں بھیجی جائے گی۔ میں کس جماعت کے ساتھ چلوں گی ؟ لوگوں نے سہ بارہ کہا کہ ہم نہیں جانتے۔ رابعہ نے فرمایا کہ جب مجھ کو یہ فکر و رنج والم درپیش ہیں تو بتاؤ کس طرح خاوند کی آرزو کروں ؟

رابعہ بصریہ اکثر روتی رہتیں، لوگوں نے پوچھا کہ آپ آخر اس قدر روتی کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں اس کی جدائی سے ڈرتی ہوں، اس لیے کہ اس کی خوگر ہو گئی ہوں، ڈرتی ہوں کہ کہیں موت کے وقت ندانہ آئے کہ تو ہماری بارگاہ کے لائق نہیں۔

لوگوں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ گنہگار جب توبہ کرتا ہے تو توبہ قبول بھی ہوتی ہے یا نہیں؟ فرمایا کہ جب تک حق تعالیٰ گنہگار کو توبہ کی توفیق نہ دے گنہگار توبہ نہیں کر سکتا۔ جب توبہ کی توفیق ملی تو حق تعالیٰ قبول بھی فرمائے گا۔ ایک اور مرتبہ فرمایا کہ جو توبہ خود بینی کے ساتھ ہو وہ خود توبہ کی محتاج ہے، اور فرمایا کہ محض زبان سے استغفار کرنا جھوٹوں کا کام ہے۔

ایک بار جب فصل بہار شباب پر تھی رابعہ نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ آپ کی خادمہ نے عرض کیا۔ "سیدہ! باہر تشریف لائیے تاکہ حق تعالیٰ کی صنعت کے آثار دیکھیں۔" رابعہ نے فرمایا۔ "ذرا تو یہاں اندر آجا کہ خود صانع ہی کا مشاہدہ کر لے۔" پھر فرمایا۔ "میرا شغل صانع کا مشاہدہ ہے نہ کہ صنعت کا مطالعہ۔"

ایک مرتبہ چند بزرگ رابعہ کی خدمت میں آئے۔ رابعہؒ نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص بتائے کہ وہ حق تعالیٰ کی عبادت کس غرض سے کرتا ہے۔ ایک نے کہا کہ جہنم کے سات طبقے ہیں اور سب خوف و دہشت سے پُر، سب کو ان پر سے گزرنا ہے اس لیے خوف و دہشت سے حق تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ بہشت کے آٹھ درجے ہیں اور بہشت کے مکینوں کو طرح طرح کی نعمتوں اور آسائشوں کا وعدہ کیا گیا ہے، چنانچہ بہشت کی امید میں حق تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ رابعہ یہ سن کر جلال میں آگئیں اور کہنے لگیں کہ وہ بڑا برا بندہ ہے جو کسی چیز کے ڈر کے سبب یا مزدوری کی امید پر حق تعالیٰ کی عبادت کرے۔ ان بزرگوں نے پوچھا کہ آپ کی عبادت کا مقصد کیا ہے؟ فرمایا۔ "پہلے مکین، پھر مکان۔ عبادت ہمارے لیے فرض عین ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر جہنم و بہشت نہ ہوتے تو کیا ہم اس کی عبادت نہ کرتے؟ کیا حق تعالیٰ کا یہ حق نہیں کہ اس کی عبادت بلا غرض کی جائے؟"

ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ رابعہ ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں پانی بھرا برتن لیے راستہ میں تیزی سے چلی جا رہی ہیں، پوچھا کہ سیدہ! یہ مشعل اور یہ پانی کس غرض سے اٹھا رکھے ہیں؟ اور کہاں جا رہی ہیں؟ فرمایا کہ مشعل جنت کو جلانے اور پانی جہنم کو بجھانے کی غرض سے ساتھ لیے جا رہی ہوں۔ جس کسی سے پوچھتی ہوں کہ عبادت و اطاعت کا محرک کیا ہے؟ تو کوئی بتاتا ہے جنت کی نعمتوں کی آرزو، اور کوئی بتاتا ہے جہنم کی آگ کا خوف، چاہتی ہوں کہ جنت کو جلا ڈالوں اور جہنم کو بجھا ڈالوں کہ خلق محض حق تعالیٰ کی محبت کی غرض سے اس کی عبادت و اطاعت کرے۔

حضرت مالک بن دینار ایک بار رابعہ کی قیام گاہ گئے، دیکھا کہ ایک ٹوٹی بدھنی رکھی ہے جس سے رابعہ وضو کرتی ہیں اور اسی سے پانی پیتی ہیں، ایک پرانا بوریہ پڑا ہے جس پر کچھ آرام کر لیتی ہیں، اور ایک اینٹ رکھی ہے جسے تکیہ کے طور پر سر کے نیچے رکھتی ہیں۔ مالک کو بڑا رنج ہوا، انہوں نے ادب سے رابعہ سے عرض کیا کہ میری چند دولت مندوں سے دوستی ہے اگر آپ اجازت دیں تو ان سے آپ کے واسطے کچھ مانگ لوں۔ رابعہ نے فرمایا کہ مالک! آپ نے بڑی غلطی کی، کیا میرا اور ان کا روزی دینے والا ایک ہی نہیں ہے؟ مالک نے کہا کہ کیوں نہیں! بے شک وہی سب کا رزاق ہے۔ فرمانے لگیں "تو پھر کیا وہ درویشوں کی روزی ان کی درویشی کے سبب بھول گیا اور دولت مندوں کی روزی ان

کی دولت مندی کے سبب یاد رکھی؟" مالک نے کہا کہ نہیں! ایسا نہیں ہے۔ رابعہ نے فرمایا۔ "تو جب وہ ہر ایک کا حال جانتا ہے کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کو یاد دلائیں۔ اس کو جس حال میں رکھنا پسند ہے ہم بھی وہی پسند کرتے ہیں"۔

لوگوں نے رابعہ سے پوچھا کہ کیا آپ شیطان سے دشمنی رکھتی ہیں؟ فرمایا کہ رحمن کی دوستی سے مجھے فرصت کہاں کہ شیطان کی دشمنی میں مشغول ہوں؟

10.3.1 رابعہ بصریہ کی تعلیمات

اپنی ایک مناجات میں رابعہ کہتی ہیں۔ "الٰہی! جو کچھ تو نے دنیا سے ہمارا حصہ مقدر کیا ہے، وہ اپنے دشمنوں کو دے دے، اور جو کچھ آخرت میں ہمارا حصہ مقرر کیا ہے، وہ اپنے دوستوں کو دے دے ہمارے لیے تو بس تو ہی کافی ہے۔"

ایک اور مناجات میں کہتی ہیں۔ "الٰہی! اگر میں جہنم کے خوف سے تیری عبادت کروں تو مجھ کو جہنم میں ڈال دے، اور اگر جنت کی آرزو میں تیری عبادت کروں، تو جنت کو مجھ پر حرام کر دے۔ اور اگر خاص تیرے لیے ہی تیری عبادت کروں تو اپنے جمال بے نہایت سے مجھے بے نصیب نہ کر۔"

ایک اور مناجات میں کہتی ہیں۔ "الٰہی! میرا کام اور میری آرزو دنیا میں فقط تیری یاد اور آخرت میں فقط تیرا دیدار۔ میری آرزو و خواہش تو یہی ہے۔ باقی تو مالک ہے جو چاہے سو کر۔"

ایک رات کہنے لگیں۔ "اے پروردگار! یا تو میرا دل حاضر کر یا میری بے دلی کی نماز قبول فرما۔"

جب وقت وفات آیا تو اطراف میں بیٹھے بزرگوں سے فرمایا کہ تم سب اٹھ جاؤ اور اللہ کے سفیروں کے لیے جگہ خالی کر دو، لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، باہر آئے اور دروازہ بند کر دیا ایک آواز سنی۔ پھر دیر تک کچھ آواز نہ آئی، دروازہ کھولا، اندر گئے، تو دیکھا رابعہ آخرت کی جانب سفر کر گئیں۔

10.4 حضرت جنید بغدادیؒ (متوفی 297ھ)

ابوالقاسم جنید بن محمد قواریری بغدادی کی پیدائش بعض محققین کے نزدیک نہاوند میں اور بعض کے نزدیک عراق میں ہوئی۔ آپ کے والد کانچ کا کاروبار کرتے تھے اسی لیے قواریری کہلائے جانے لگے۔ جنید بغدادی کے بچپن ہی میں آپ کے والد بغداد منتقل ہو گئے اور وہاں بھی وہی کاروبار جاری رکھا۔ جنید بغدادی کی تعلیم و تربیت ان کے خالو یا ماموں سری سقطی کی نگرانی میں ہوئی جنھوں نے باتوں باتوں میں جنید بغدادی کے دل پر حسن اخلاق کی اہمیت نقش کر دی۔ سات (7) برس کی عمر ہی سے جنید بغدادی کی زبان سے ایسے کلمات جاری ہونے لگے جن سے حکمت کی کرنیں پھوٹتیں۔ مثلاً ایک مرتبہ جنید بغدادی سے سری سقطی نے شکر کی بابت سوال کیا آپ نے جواب دیا: "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اس طرح فائدہ اٹھانا کہ کسی معصیت (گناہ) میں ان سے مدد نہ لی جائے۔" سری سقطی کو یہ جواب سن کر تعجب ہوا اور انہوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ باتیں تمہیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟ جنید بغدادی نے عرض کیا۔ "جناب کی صحبت سے"۔

جنید بغدادی نے مسائل فقہ کے علم کے حصول کے لیے امام ابو ثور کے حلقہ کا رخ کیا اور اتنی یکسوئی سے علم حاصل کیا کہ بیس سال کی عمر میں امام ابو ثور کی موجودگی میں فتوے دینے لگے۔ جنید بغدادی کے ایک ساتھی ابو حفص حداد کہا کرتے کہ اگر عقل انسانی پیکر اختیار کرے تو وہ جنید ہی کا پیکر ہو گا یعنی جنید "مجسم عقل" تھے۔ سری سقطی کے علاوہ جنید بغدادی نے حارث محاسبی اور محمد بن علی قصاب کی صحبتوں سے بھی بڑا فیض اٹھایا ایک بار خود فرمایا کہ میں نے دوسو (200) مشائخ کی خدمت کی ہے جو عجیب صاحبان قدرت تھے۔

ایک مرتبہ سری سقطی سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا کوئی مرید اپنے پیر سے بلند تر مقام حاصل کر سکتا ہے؟ تو سری سقطی نے جواب دیا "کیوں نہیں؟ جنید بغدادی کو دیکھ لو! جنید بغدادی کا مقام مجھ سے بلند تر ہے۔" اس جواب کے پیچھے سری سقطی کی تواضع وانکساری بھی تھی اور جنید بغدادی میں پوشیدہ کمالات کی نشاندہی بھی۔ علی ہجویری نے نقل کیا ہے کہ جنید بغدادی باوجود لوگوں کے اصرار کے اپنے شیخ کی موجودگی میں مجلس وعظ میں خطاب سے عذر فرماتے۔ ایک رات جنید بغدادی نے خواب میں رسول اکرمؐ کو دیکھا کہ آپؐ نے جنید بغدادی کو لوگوں سے خطاب شروع کرنے کا حکم فرمایا۔ جب بیدار ہوئے تو وسوسہ آیا کہ میرا درجہ میرے شیخ کے درجہ کے برابر ہو گیا تبھی رسول اکرمؐ نے مجھے دعوت و تبلیغ کا حکم فرمایا۔ فجر کی نماز کے فوری بعد سری سقطی کا قاصد پہنچا کہ تم نے مریدین کی خواہش مشائخ بغداد کی سفارش بلکہ میرا پیغام بھی رد کر دیا' اب جب کہ نبی اکرمؐ نے حکم دے دیا ہے تو حکم بجالاؤ۔ جنید بغدادی کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے جانا کہ شیخ میرے ظاہری و باطنی حالات سے باخبر ہیں۔ میں شیخ سری سقطی کی مجلس میں پہنچا اور میں نے دریافت کیا کہ ان کو میرے خواب کے بارے میں کیسے پتہ چلا؟ انہوں نے فرمایا کہ میں نے خواب میں رب العزت کو دیکھا جس نے مجھ سے فرمایا کہ اس نے نبی اکرمؐ کو جنید بغدادی کے پاس بھیجا ہے کہ وہ جنید بغدادی کو وعظ و تبلیغ کا حکم کریں۔

جنید بغدادی کے دل میں ایک بار ابلیس کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ مسجد کے دروازہ کے باہر کھڑے تھے کہ کچھ فاصلہ پر بھیانک شکل کا ایک بوڑھا نظر آیا۔ بوڑھا قریب آیا تو جنید بغدادی اس سے پوچھ بیٹھے کہ تو کون ہے؟ تیری مہیب شکل سے مجھے وحشت ہو رہی ہے۔ بوڑھے نے کہا کہ میں وہی ابلیس ہوں جسے دیکھنے کی تو نے تمنا کی تھی۔ جنید بغدادی نے اس سے پوچھا کہ حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے باز رکھا؟ ابلیس نے جواب میں پوچھا کہ بھلا میں غیر اللہ کو کیسے سجدہ کر لیتا؟ جنید بغدادی ہکا بکا رہ گئے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اتنے میں غیب سے ایک ندا سنی کہ اس سے کہو کہ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اگر تو اللہ کا فرماں بردار بندہ ہوتا تو بغیر کسی تامل کے اس کا حکم بجالاتا انکار نہ کرتا اور اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے دوری اختیار کرتا یہ ندا ابلیس نے بھی سنی اور چیخ مار کہنے لگا۔ "واللہ تو نے مجھے جلا دیا۔" اور غائب ہو گیا۔

جنید بغدادی نے شہر بغداد میں رہتے ہوئے چالیس سال مجاہدہ کیا جس میں تیس (30) سال ایسے گذرے کہ عشا کی نماز کے بعد خلوت میں تقریباً صبح کاذب تک کھڑے کھڑے اللہ کا ذکر کرتے رہتے اور اسی وضو سے فجر کی نماز باجماعت ادا کرتے۔ ذکر اللہ کی مشغولی قیام کی تھکان کا احساس نہ ہونے دیتی۔ ایک بار فرمایا کہ ہم نے تصوف قیل و قال سے نہیں بلکہ فاقہ کشی بے خوابی ترک دنیا اور ترک مرغوب سے حاصل کیا ہے۔ یہاں فاقہ کشی سے روزہ اور بے خوابی سے نماز شب مراد ہیں۔

10.4.1 جنید بغدادی کی تعلیمات

فرماتے کہ تصوف میں ایسا شخص چاہیے جو کتاب اللہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت مصطفوی ؐ کو بائیں ہاتھ میں تھام کر دو شمعوں کی روشنی میں راستہ طے کرتا رہے کہ شبہات کے گڑھوں اور بدعات کی تاریکیوں سے بچ سکے۔

فرماتے کہ اگر اس آسمان کے نیچے کوئی علم علم تصوف سے بڑھ کر ہوتا تو میں اس کی اور اس کے جاننے والوں کی طرف دوڑتا ہوا جاتا اور سیکھ لیتا اور اگر کوئی وقت صوفیہ کے اوقات (گذاری) سے بہتر ہوتا تو میں اس کو حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ اور فرماتے کہ میں نے کوئی گروہ علماء کا ایسا نہیں دیکھا جو گروہ صوفیہ سے زیادہ فضیلت رکھتا ہو ورنہ میں ہرگز صوفی علماء کی صحبت اختیار نہ کرتا۔

فرماتے کہ یہ بڑی خست و کمینگی ہے کہ کوئی شخص دین کو حصول طعام کا ذریعہ بنالے۔

اپنے مریدین سے فرمایا کرتے کہ اگر میں جانتا کہ دو رکعت نفل کی ادائیگی میرے لیے تمہارے ساتھ بیٹھنے سے افضل ہے تو میں تمہارے پاس نہ بیٹھتا۔

جعفر خلدی کہتے ہیں کہ ایک شخص جنید علیہ الرحمہ کے پاس آیا اور ان سے کہا۔ ”میں اپنی تمام ملکیت چھوڑ کر فقر اختیار کرنا اور فقراء کے ساتھ زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں۔“ جنید بغدادی نے جواب میں فرمایا ”نہیں! تمام ملکیت مت چھوڑو بلکہ اس قدر باقی رکھو کہ تمہاری ضرورتیں پوری ہو سکیں اور طلب حلال کے لیے جدوجہد کرتے رہو اس طرح یہ خدشہ نہیں رہے گا کہ نفس اپنا حق مانگے (اور حق ادا نہ ہو) رسول اللہ ؐ کی یہ عادت تھی کہ جس کسی کام کا ارادہ کر لیتے تو اس پر ثابت قدم رہتے“۔

جنید بغدادی سے سوال کیا گیا کہ حکایات سے مریدین کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟ آپ نے کہا کہ حکایات اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں جو دلوں کے لیے باعث تقویت ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ تو کہا ہاں اور قرآنی آیت پڑھی۔ ”**نحن نقص**“ **الخ**

(ترجمہ: اور سب کچھ جو ہم تمہیں رسولوں کے واقعات سناتے ہیں ان کی غرض تمہاری ثبات قلبی ہے۔)

فرماتے کہ سلامتی اس کی دوست ہوتی ہے جو اس کا طلب گار ہو صوفی مخالفت کو ترک کرتا اور جس چیز کا علم حاصل کرنے سے شریعت روکے اس سے خود کو روک لیتا ہے۔

فرماتے کہ سماع کے لیے تین شرائط ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو سماع اختیار نہیں کرنا چاہیے پوچھا گیا کہ وہ شرائط کیا ہیں؟ فرمایا:
(1) زمان (2) مکان اور (3) (ہم مشرب) اخوان

فرماتے کہ جن چیزوں سے تمہارے ہاتھ خالی ہوں ان سے دل کے خالی ہونے کا نام زہد ہے۔

فرماتے کہ ہر سانس کے ساتھ سزا کا اندیشہ رکھنا خوف ہے مجھے خوف بستگی میں لاتا ہے اور رجا (امید) کشادگی دیتی ہے۔

فرماتے کہ علام الغیوب کے سامنے دلوں کو ذلیل رکھنا خشوع ہے اور آیت پڑھتے۔"**عباد الرحمن**" الخ (ترجمہ: رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں)

فرماتے کہ عبودیت دو خصلتوں سے عبارت ہے (1): ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ صدق اختیار کرنا (2) رسول اکرم ﷺ کی (ظاہراً و باطناً) مکمل پیروی کرنا۔

فرماتے کہ صدیق ایک روز میں چالیس (40) بار انقلاب احوال سے گذرتا ہے اور ریاکار چالیس (40) برس تک ایک ہی حال میں رہتا ہے۔

فرماتے کہ میں خوش خلق فاسق کی صحبت کو بد خلق عابد کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

فرماتے کہ توبہ کے تین مراحل ہیں (1) شرمندگی (2) ترک گناہ کا پختہ ارادہ (3) ظلم و خصومت سے پاکی۔

آپ سے پوچھا گیا کہ توحید کیا ہے؟ فرمایا کہ بندے کی صفت عجز و انکساری اور خواری و فروتنی ہے۔ حق تعالیٰ کی صفت غلبہ مطلقہ، بزرگی مطلق اور قدرت مطلقہ ہے۔ صفات بندگی (کے شعور) کو صفات حق تعالیٰ (کی یکتائی کے استحضار) میں فنا کر دینا توحید ہے۔

آپ فرماتے کہ حجاب تین ہیں (1) نفس (2) خلق (3) دنیا۔ آپ سے ان کی بابت پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ تو عام لوگوں کی نسبت تذکرہ کرتا ہوں۔ خواص کے لیے دیگر تین حجاب ہیں (1): عبادت پر نظر رکھنا (2) ثواب کے حصول کا قصد کرنا (3) کرامت کا دیکھنا۔

فرماتے کہ اگر ہزار برس تک جیتا رہوں اعمال میں ذرہ برابر کمی نہ کروں الا یہ کہ وہ (یعنی حق تعالیٰ) خود مجھے باز رکھے۔

جنید بغدادی سکر (مدہوشی) کو محل آفت سمجھتے کیوں کہ سکر میں احوال پراگندہ ہوش مفقود اور علایق گم ہوتے ہیں جب کہ صحو (ہوش) مشاہدہ حق اور مقام عبدیت اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی میں سرگردانی سے عبارت ہے۔

جنید سے تفکر کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا ایک تفکر اللہ کی آیات میں ہے جس سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔ ایک تفکر حق تعالیٰ کی نعمتوں اور احسانات پر ہے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے ایک تفکر حق تعالیٰ کے وعدوں میں ہے اس سے ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ اور ایک تفکر نفس کی صفات اور نفس پر حق تعالیٰ کے احسانات پر ہے اس سے حیا (شرم) پیدا ہوتی ہے:

حریری کہتے ہیں کہ میں نے جنید کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا فرمایا کہ رحمت کی اور بخش دیا کوئی چیز کام نہ آئی سوائے ان دو رکعت نماز کے جو آدھی رات کو پڑھتا تھا۔

10.5 فرہنگ

مُشَابِہ : ملتا جلتا، مانند، مثل، مطابق، ہم شکل، یکساں

گلیم پوش : کمبل پوش فقیر، درویش، جو کمبل اوڑھے ہو

نَفُور : بھاگنے والا، بھاگ جانا، فرار ہو جانا

جَزع : ناشکیبائی، بے صبری، اضطراب، گھبراہٹ

خود بینی : اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اپنی ذات پر ضرورت سے زیادہ نظر رکھنا، غرور۔ گھمنڈ

صانع : بنانے والا، پیدا کرنے والا، خالق، موجد، خالقِ کائنات، اللہ تعالیٰ

مجاہدہ : جدوجہد، جانفشانی، محنت، مشقت، نفس کشی، ریاضت

خِسَّت : کمینگی، گھٹیاپن، ذلالت

پَراگَنْدَہ : بکھرا ہوا، متفرق، پریشان، منتشر

10.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- اسلام کے دور اول کی صوفی روایت میں ایسی برگزیدہ ہستیاں رہی ہیں، جو اپنے زمانہ میں تو بلند مرتبہ تھی ہی انہوں نے بعد کی صوفی روایت پر بھی اپنے لازوال اثرات چھوڑے۔ جن ہستیوں نے صوفی روایت پر اپنے لازوال اثرات چھوڑے ان میں حسن بصریؒ، رابعہ بصریہؒ اور جنید بغدادیؒ بہت معروف ہیں۔
- حضرت حسن بصریؒ پر ہمیشہ حزن و غم چھائے رہتے، قلبی سوز و گداز نے لبوں کو ہنسی سے اور قلب کو خوشی سے ناآشنا کر دیا تھا۔ فرماتے تھے کہ مومن کی ہنسی قلب کی غفلت کا نتیجہ ہے، زیادہ ہنسنے سے دل مر جاتا ہے۔ قرآن عظیم کی جب تلاوت کرتے تو شدت تاثر سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی۔
- حضرت رابعہ بصریہ کا ماننا تھا کہ اللہ کی عبادت جنت کے شوق اور جہنم کے خوف سے نہ کی جائے اور محض اللہ کی محبت میں کی جائے۔ اس سلسلے میں آپ کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے کہ ایک روز لوگوں نے دیکھا کہ رابعہ ایک ہاتھ میں مشعل اور دوسرے ہاتھ میں پانی بھرا برتن لیے راستہ میں تیزی سے چلی جارہی ہیں، پوچھا کہ سیدہ! یہ مشعل اور یہ پانی کس غرض سے اٹھا رکھے ہیں؟ اور کہاں جارہی ہیں؟ فرمایا کہ مشعل جنت کو جلانے اور پانی جہنم کو بجھانے کی غرض سے ساتھ لیے جارہی ہوں۔ جس کسی سے پوچھتی ہوں کہ عبادت و اطاعت کا محرک کیا ہے؟ تو کوئی بتاتا ہے جنت کی نعمتوں کی آرزو، اور کوئی بتاتا ہے جہنم کی آگ کا خوف، چاہتی ہوں کہ جنت کو جلاڈالوں اور جہنم کو بجھاڈالوں کہ خلق محض حق تعالیٰ کی محبت کی غرض سے اس کی عبادت و اطاعت کرے۔
- جنید بغدادی کی تعلیمات میں ہے کہ: عبودیت دو خصلتوں سے عبارت ہے ، اولاً ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کے ساتھ صدق اختیار کرنا اور دوسرا رسول اکرم ﷺ کی (ظاہراً و باطناً) مکمل پیروی کرنا۔ اسی طرح فرماتے کہ ہیں کہ صدیق ایک روز میں چالیس (40)

بار انقلاب احوال سے گذرتا ہے اور ریاکار چالیس (40) برس تک ایک ہی حال میں رہتا ہے۔ آپ یہ بھی فرماتے کہ میں خوش خلق فاسق کی صحبت کو بد خلق عابد کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

- حضرت جنید بغدادی کے مطابق توبہ کے تین مراحل ہیں (1) شرمندگی (2) ترک گناہ کا پختہ ارادہ (3) ظلم و خصومت سے پاکی۔ حضرت جنید بغدادی سے کسی نے توحید کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ بندے کی صفت عجز و انکساری اور خواری و فروتنی ہے۔ حق تعالیٰ کی صفت غلبہ مطلقہ، بزرگی مطلق اور قدرت مطلقہ ہے۔ صفات بندگی (کے شعور) کو صفات حق تعالیٰ (کی یکتائی کے استحضار) میں فنا کر دینا توحید ہے۔

10.7 نمونہ امتحانی سوالات

10.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. ابو سعید حسن بن یسار حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں سنہ.....میں پیدا ہوئے"۔

(a).10ہجری (b). 21ہجری (c).35ہجری (d). 40ہجری

2. حضرت حسن بصری.....تھے۔

(a).صحابی (b). تابعی (c). تبع تابعی (d) .کوئی نہیں

3. حضرت رابعہ بصریہؒ.....کی وفات ہوئی۔

(a).185ھ (b).100ھ (c).205ھ (d). 605ھ

4. .....سکر (مدہوشی) کو محل آفت سمجھتے کیوں کہ سکر میں احوال پراگندہ ہوش مفقود اور علایق گم ہوتے ہیں۔

(a).حسن بصری (b).رابعہ بصری (c).ذوالنون مصری (d). جنید بغدادی

5. حضرت.....کا ماننا تھا کہ اللہ کی عبادت جنت کے شوق اور جہنم کے خوف سے نہ کی جائے۔

(a) حسن بصری (b). رابعہ بصریہ (c). سری سقطی (d) . جنید بغدادی

6. حضرت جنید بغدادی کے مطابق توبہ کے.....مراحل ہیں۔

(a).پانچ (b).چار (c). تین (d).دو

7. حضرت سری سقطی، جنید بغدادی کے.....تھے

(a).بیٹے (b).والد (c).چچا (d).ماموں

8. حضرت جنیدؒ بغدادی بہت بڑے .....تھے۔

(a).عالم (b).فقیہ (c).صوفی (d). سبھی

9. حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں.....کے لیے تین شرائط ضروری ہیں۔

10. حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ خوش خلق۔۔۔۔۔۔کی صحبت کو بد خلق عابد کی صحبت سے بہتر سمجھتا ہوں۔

10.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت رابعہ بصریہؒ کے ملفوظات اور تعلیمات کا تذکرہ کیجیے۔
2. حضرت حسن بصریؒ کی ابتدائی زندگی پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
3. حضرت حسن بصریؒ کے بارے میں علما کی آراء تحریر کیجیے۔
4. حضرت جنید بغدادیؒ کی صوفیانہ تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔
5. ابتدائی دور کے صوفیا کرام کے دور کا اجمالی جائزہ پیش کیجیے۔

10.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت حسن بصریؒ کی زندگی پر ایک نوٹ لکھیے۔
2. حضرت رابعہ بصریہؒ پر اپنی معلومات قلم بند کیجیے۔
3. حضرت جنید بغدادیؒ کا تعارف کراتے ہوئے ان کے افکار اور احوال کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے۔

10.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. کشف المحجوب : سید علی ہجویری (اردو ترجمہ)
2. ہمعات : شاہ ولی اللہ (اردو ترجمہ)
3. تلبیس ابلیس : عبد الرحمن ابن الجوزی (اردو ترجمہ)
4. تذکرۃ الاولیاء : فرید الدین عطار (اردو ترجمہ)
5. تزکیہ واحسان : سید ابوالحسن علی ندوی

معروضی سوالات کے جوابات:

1. B	2. B	3. A	4. D	5.B
6. C	7. D	8.C	9.سماع	10.فاسق

اکائی 11: مشہور صوفی سلسلے (سلسلہ قادریہ اور سلسلہ سہروردیہ)

اکائی کے اجزا:

11.0 تمہید

11.1 مقاصد

11.2 سلسلہ قادریہ

11.2.1 سلسلہ قادریہ کی تعلیمات

11.2.2 ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی تاریخ

11.3 سہروردیہ

11.3.1 ہندوستان میں سلسلہ سہروردیہ

11.3.2 سلسلہ سہروردیہ کی نصابی کتب

11.3.3 سلسلہ سہروردیہ کی تعلیمات

11.4 فرہنگ

11.5 اکتسابی نتائج

11.6 نمونہ امتحانی سوالات

11.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

11.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

11.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

11.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

11.0 تمہید

آپ نے پچھلی اکائیوں میں تصوف کے تاریخی ارتقا اور اس کے ادوار کا مطالعہ کیا اور آپ نے جانا کہ تصوف کے سلسلوں کا آغاز

چھٹی صدی ہجری میں ہوا اور ساتویں صدی ہجری میں یہ سماج کی ایک اہم ضرورت بن گیا۔ یہ وہ دور ہے جس میں اندرونی اور بیرونی سطح پر اسلامی دنیا ایک سیاسی اور سماجی خلفشار میں مبتلا تھی۔ لیکن اس وقت سلسلے کسی خاص نام سے معنون نہیں ہوتے تھے بلکہ یہ سلسلے صوفیا کی طرف منسوب ہوتے تھے جیسے کہ شیخ جنید بغدادی کی طرف منسوب سلسلہ جنیدیہ، حارث محاسبی کی طرف منسوب سلسلہ محاسبیہ بایزید بسطامی کی طرف طیفوریہ وغیرہ۔ مشہور صوفی شیخ علی ہجویری نے سب سے اول اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان سلاسل کا ذکر کیا ہے۔ اس اکائی میں مشہور سلاسل میں سے سلسلہ قادریہ سہروردیہ کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

11.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- تصوف کے مشہور سلسلوں میں سے سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کا تفصیلی تعارف حاصل کر سکیں۔
- اس سلسلے کے بانیین اور مختلف ممالک میں ان سلسلوں کے نشو نما میں کردار ادا کرنے والے صوفیا کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔
- ان دونوں سلسلوں کی خصوصی تعلیمات اور انفرادیت کا تقابل کر سکیں۔
- ان سلاسل کی ہندوستان میں حیثیت اور اس کے ارتقاء پر تبصرہ کریں۔

11.2 سلسلہ قادریہ

سلاسلِ تصوف میں سلسلۂ قادریہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ مشہور و مستند سلسلۂ روحانیت مانا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ برصغیر کے علاوہ ترکی، مشرقی اور مغربی افریقہ کے ممالک میں زیادہ بہت مقبول ہے۔ یہ سلسلہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی طرف منسوب ہے۔

حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی کا نام عبد القادر اور لقب محی الدین تھا، غوث پاک یا غوث اعظم کے نام سے معروف ہیں، آپ ابھی بچے ہی تھے کہ والد ابو صالح موسی جنگی دوست کا انتقال ہو گیا، والدہ ماجدہ امۃ الجبار فاطمہ نے تعلیم و تربیت کی ذمہ داری سنبھالی اور ابتدائی تعلیم کے بعد مزید تعلیم کے حصول کے لیے بغداد بھیجا جہاں مدرسہ نظامیہ میں آپ نے آٹھ سال تعلیم حاصل کی، حصول علم کے بعد باطنی تربیت آپ نے ابو الخیر حماد بن مسلم اور ابو سعید مبارک بن علی مخرمی سے حاصل کی، کئی سال سخت محنت و ریاضت میں تکمیل تربیت کے بعد بغداد میں وعظ و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے وعظ میں ایسی تاثیر تھی کہ بہت جلد آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی اور لوگ آپ کا وعظ سننے کے لیے پیدل اور سوار دونوں طرح آنے لگے، اور آپ کی مجلس وعظ جگہ کی تنگی کی وجہ سے کئی مرتبہ تبدیل کرنی پڑی۔

سلسلہ قادریہ کی اشاعت آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو گئی تھی چنانچہ آپ کے مریدین میں محمد البطائحی نے اس طریقہ کی اشاعت شام میں کی، علی بن مراد اس طریقہ کو لے کر یمن کے علاقے میں گئے، تقی الدین محمد البونین نے مختلف علاقوں میں اس سلسلہ کو پھیلایا،

بعض تذکروں میں محمد بن عبد الصمد نام کے ایک شخص کا بھی ذکر ملتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ کو مصر میں پھیلایا تھا۔ اس طرح اس سلسلہ کی توسیع واشاعت خود حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے عہد مبارک میں ہی شروع ہو گئی تھی، آپ کی وفات کے بعد آپ کی اولاد امجاد نے اس سلسلہ کو مزید فروغ بخشا اور اسے دور دراز علاقوں تک پھیلایا۔

تصوف کے سلاسل میں یہ واحد سلسلہ ہے جس کا مرکزی مقام ابھی تک وہی ہے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا اور ابھی تک اسی مرکزی مقام سے سارے علاقے وابستہ ہیں، بغداد کے نقیب الاشراف ہندوستان اور دیگر علاقوں میں مستقل آمد ورفت رکھتے ہیں۔ یہ سلسلہ برصغیر میں نہایت مقبول ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی کے ارشادات

حضرت سیدنا غوث پاکؒ نے اپنی کتاب "فتوح الغیب" میں اس سلسلہ کی تعلیم دی ہے۔ اسی کتاب کے باب نمبر 75 میں اپنے فرزند حضرت سید سیف الدین عبد الوہاب کو وصیت فرمائی اور عارف کامل کا دستور العمل بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا: "میں وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اور اطاعت اختیار کرو۔ احکام شرع کی پابندی لازم رکھو، سینہ کو خیانت نفس سے پاک رکھو، نفس میں جواں مردی رکھو، کشادہ رو رہو، جو چیز عطا کرنے کے قابل ہو اسے عطا کرتے رہو، آداب دوستی نگاہ میں رکھو، بزرگوں کی بزرگی کی نگہداشت کرتے رہو، برابر والوں سے حسن معاشرت رکھو، چھوٹوں کو نصیحت کرتے رہو، اپنے رفیقوں سے جنگ نہ کرو، وفا کو اپنے اوپر لازم کرلو، ذخیرہ مال فراہم کرنے سے بچو"۔

عام مسلمانوں کے لئے ہدایت فرمائی: مومن کے لئے ہر حال میں یہ تین چیزیں لازمی ہیں: "ایک یہ کہ حکم_الٰہی پر راضی رہے، دوسرے یہ کہ ممنوعات سے بچتا رہے، تیسرے یہ کہ قضائے الٰہی پر راضی رہے.... پس مومن کے لئے کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ ان تینوں چیزوں سے خالی نہ ہو"۔ (فتوح الغیب)

آپ فرماتے تھے کہ اگر ساری دنیا کی دولت میرے قبضے میں ہو تو میں بھوکوں کو کھانا کھلا دوں۔

علم کی نسبت میں آپ نے فرمایا: پہلے علم حاصل کر، پھر گوشہ نشین بن۔ جو شخص بغیر علم کے عبادات الٰہیٰ میں مشغول ہو جاتا ہے، اس کے جملہ کام بہ نسبت سدھرنے کے زیادہ بگڑتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ مومن کو چاہیے کہ پہلے فرائض ادا کرے، پھر ادائیگی سنن میں مشغول ہو، پھر نوافل و مستحبات میں۔ فرائض کی تکمیل سے پہلے سنن و نوافل و مستحبات میں مشغول ہونا حماقت ہے۔ کیونکہ فرائض کی تکمیل کے بغیر وہ قبول نہیں ہوں گی۔

11.2.1 سلسلہ قادریہ کی تعلیمات

قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تینوں کتابیں، فتوح الغیب، الفتح الربانی اور غنیۃ الطالبین کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر فتوح الغیب، سب سے زیادہ مقبول ہے، اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے، بلکہ یہ کتاب

اس سلسلہ کے باہر بھی بہت مقبول ہے، امام ابن تیمیہ نے اس کے ایک حصہ کی شرح بھی لکھی ہے جو ان کے فتاوی کی گیارہویں جلد میں شامل ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ الفیوضات الربانیہ بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے، سلسلہ قادریہ چونکہ بہت وسیع علاقے میں پھیلا ہوا ہے اس لیے اس میں طریق کار کے اختلافات بھی بہت ہیں، لیکن الفیوضات الربانیہ کے اوراد اور وظائف پر تقریباً ہر جگہ کے لوگ اتفاق رکھتے ہیں۔

سلسلہ قادریہ کو ام السلاسل بھی کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں تقویٰ وطہارت کے علاوہ شریعت کی سختی سے پابندی ہے اور باطن کی آراستگی کے لئے ظاہر کی اصلاح پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ خود سیدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ نے نہ صرف اس کی تعلیم دی بلکہ عملی طور پہ اس روش پر سختی سے کاربند رہے کہ شریعت کے عمل سے ایک شمہ برابر کوئی تضاد ہوا تو طریقت سے اس عمل کو دور رکھا، یہی وجہ ہے کہ سلسلہ قادریہ کی روش بہت زیادہ محتاط ہے۔

اس سلسلہ میں شریعت کی پابندی پہ بطور خاص توجہ دی گئی ہے مگر دنیا سے کنارہ کشی، ریاضت ومجاہدہ اور تسلیم ورضا کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

سلسلہ قادریہ میں رائج اوراد واذکار بالعموم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے تلقین کردہ تھے، ان کے یہاں نوافل کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے، ذکر خفی ہمہ وقتی ذکر ہوتا ہے اور ذکر جہری وہ ذکر ہوتا ہے جو مخصوص اوقات میں کیا جاتا ہے، اس سلسلہ میں یہ دونوں ذکر رائج ہیں، ان کے علاوہ درود شریف کے ورد پر اس سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔

سالک کے اندر کیفیات باطن کے پیدا کرنے کے لیے اس سلسلہ میں بعض اور چیزیں بھی اختیار کی گئیں، جیسے صلوۃ غوثیہ، یا بعض وظائف وغیرہ۔ سلسلہ قادریہ میں سماع کو ناپسند کیا جاتا ہے، اور سجدہ تعظیمی، طواف مزار اور خواتین کے لیے زیارت قبور کو ناپسند کرتے ہیں۔

اس سلسلے کی بابت بعض مستشرقین (مثلاً مارگولیتھ اور ٹرمنگھم) نے شبہات کا اظہار کیا ہے اور لکھا ہے کہ سولہویں صدی عیسوی تک اس سلسلہ کی موجودگی کی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ لیکن یہ شبہ غلط ہے۔ ان حضرات نے نہ صرف "فتوح الغیب"، "الفتح الربانی"۔ "سر الاسرار" بلکہ "عوارف المعارف" تک سے صرف نظر کیا ہے جس میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی نے از خود صراحت فرمائی ہے کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمہ کے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرنے سے کلام اور علم کلام کی محبت ان کے قلب سے محو ہوگئی۔ بہر حال اس اختلاف سے قطع نظر خود "فتوح الغیب" میں سلسلہ قادریہ کی بنیادوں کا ذکر ملتا ہے جس کو نظر انداز کرنا عین نصف النہار میں سورج کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے ان کے صاحبزادوں عبد الوہاب اور عبد الرزاق کے علاوہ حضرت علی حدادنے یمن، محمد بطائحی نے شام اور محمد ابن عبد الصمد نے مصر میں سلسلہ قادریہ کی تعلیمات کی اشاعت کی۔

11.2.2 ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی تاریخ

ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک بزرگ شخصیت حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی لے کر

آئے خراسان ہوتے ہوئے ہندوستان کا سفر کیا، اور اُچ کے مقام پر فروکش ہوئے، وہاں کا حاکم حضرت کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا، اور چند دن آپ کی صحبت میں رہ کر ایسا معتقد ہوا کہ مرید ہو گیا، مثل مشہور ہے الناس علی دین ملوکھم لہٰذا وہاں کی رعیت بھی حضرت کی ایسی گرویدہ ہوئی کہ جوق در جوق حضرت کی خدمت میں آکر مرید ہو گئی، ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور کی زندگی ترک کر کے دین و تقوی کی راہ اختیار کی۔ اس سلسلے کی عظمت اس وقت کے مغل سلطان جہانگیر اور وزیر ابو الفضل علامی دونوں نے اس سلسلہ کی بزرگی اور عظمت کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا ہے۔

حضرت شیخ عبد القادر جو شیخ محمد حسینی کے صاحبزادے تھے وہ اپنے والد کے بعد ان کے جانشین ہوئے، اور اپنی گوناگوں خوبیوں کی وجہ سے وہ عبد القادر ثانی کہلاتے تھے، آپ کی توجہات اور اصلاح و تربیت سے ہزاروں لوگوں نے فسق و فجور سے توبہ کی اور راہ استقامت اختیار کی، کہتے ہیں آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر ہی کفار و فساق ایسے گرویدہ ہو جاتے تھے کہ لہو و لعب اور کفر و فسق کو چھوڑ کر توبہ و انابت کی راہ اختیار کر لیتے تھے، آپ نے ایک عرصہ تک سلسلہ قادریہ کی اشاعت کی، اور فقر و توکل کا نمونہ بن کر زندگی بسر کی، آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے حضرت شیخ عبد الرزاق آپ کے جانشین ہوئی، انہوں نے بھی اس سلسلے کو آگے بڑھایا ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مخدوم شیخ حامد جانشین مقرر ہوئے اور انہوں نے سلسلہ عالیہ قادریہ کو بہت توسیع و اشاعت سے ہم کنار کیا۔

شیخ عبد القادر ثانی

حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی جیلانی (793 تا 894)، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے تھے، سلسلہ قادریہ کی نسبت و برکت کو آپ ہی ہندوستان لے کر آئے اور اوچ میں قیام فرمایا، حضرت کے ساتھ آپ کے حشم و خدم کی ایک بڑی تعداد تھی اور دنیاوی اسباب و احوال کی بھی بڑی فراوانی۔ اوچ کا حاکم آپ سے مل کر آپ کا معتقد ہو گیا، اس وقت اوچ علماء و فضلاء کا مرکز تھا، بادشاہ کی ارادت سے عوام اور علماء دونوں میں آپ کی مقبولیت ہو گئی اور اس طرح آپ کا فیضان تمام لوگوں میں جاری ہو گیا۔ آپ نے ایک لمبے عرصے تک اوچ میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کا کارنامہ انجام دیا اور پورے ہندوستان میں اس سلسلہ عالیہ کی داغ بیل ڈالی، جو اگرچہ مسلکاً ایک حنبلی عالم یعنی شیخ عبد القادر جیلانی سے شروع ہوا تھا لیکن اس کو غیر معمولی مقبولیت حنفی مسلک کے پیروکاروں میں ملی اور پورے ہندوستان میں اس کے اثرات مرتب ہوئے۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی داغ بیل تو حضرت شاہ محمد حسینی جیلانی نے ڈالی تھی، لیکن اس بابرکت سلسلہ کو اصل فروغ ان کے لائق صد افتخار فرزند حضرت مخدوم شیخ عبد القادر (862 تا 940) کے زمانے میں حاصل ہوا، حضرت مخدوم جو اپنے جد اعلیٰ کے ہم نام بھی تھے اور برصغیر میں اس سلسلہ کی اشاعت میں آپ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کی وجہ سے حضرت عبد القادر ثانی کہلاتے تھے، شخصی طور پر آپ کی زندگی صاحبزادوں کی زندگی تھی، دولت کی فراوانی نے بے فکری عطا کی اور معاشرے میں عزت و وقار نے اعتماد و حوصلہ دیا، جوانی کا زمانہ زیادہ تر لہو و لعب اور محفل سماع یا شکار میں بسر ہوا، اسی اثناء میں ایک دن ایک تیتر کی صدا سنی، رحمت حق کس کی طرف کس بہانے سے متوجہ ہو جائے اس کا کوئی ریاضیاتی اصول نہیں ہے، تیتر کی دل نشیں آواز نے وہ کام کیا جو حضرت واعظ کے دفتر لغت ہائے حجازی نہ کر سکے،

اس وقت آلات لہو و لعب توڑ ڈالے، تمام عیش و آرام سے توبہ کی اور اپنے جد اعلیٰ کے طریقہ پر تن من دھن سے گامزن ہو گئے، اس درمیان والد محترم کا وصال ہو گیا اور یہ ان کی جگہ جانشین مقرر ہو گئے، دل کی لگی جب لگتی ہے تو ہر لگاوٹ ختم ہو جاتی ہے، حضرت کے لئے بھی دنیا کے سارے لگاؤ بے معنی ہو چکے تھے، شاہی وظیفہ جو حضرت کے والد کو ملتا تھا وہ حضرت کے نام جاری ہوا۔ لیکن آپ نے اس کو لینے سے سختی سے منع کر دیا اور ساری زندگی توکل اور فقر کا نمونہ بن کر بسر کی۔

تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ ہمہ وقت ایک خاص طرح کے جذب کے زیر اثر رہتے تھے، یک گونہ سکر کی کیفیت رہتی تھی، اپنے اوراد واشغال، مریدین کی تربیت اور سلسلہ قادریہ کی اشاعت کے علاوہ آپ کو کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی، چہرے پر ایسا نور موجزن رہتا تھا کہ کفار و فساق آپ کا دیدار کرتے ہی تائب ہو جاتے اور آپ کے حلقہ ارادت میں شامل ہو جاتے تھے، فقر و توکل، جذب و سرمستی میں آپ نے پوری عمر بسر کی۔ آپ فرماتے تھے کہ اگر ساری دنیا کی دولت میرے قبضے میں ہو تو میں بھوکوں کو کھانا کھلا دوں۔ علم کی نسبت میں آپ نے فرمایا: پہلے علم حاصل کر، پھر گوشہ نشین بن۔ جو شخص بغیر علم کے عبادات الٰہی میں مشغول ہو جاتا ہے، اس کے جملہ کام بہ نسبت سدھرنے کے زیادہ بگڑتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مومن کو چاہیے کہ پہلے فرائض ادا کرے، پھر ادائیگی سنن میں مشغول ہو، پھر نوافل و مستحبات میں۔ فرائض کی تکمیل سے پہلے سنن و نوافل و مستحبات میں مشغول ہونا حماقت ہے۔ کیونکہ فرائض کی تکمیل کے بغیر وہ قبول نہیں ہوں گی۔

شیخ عبد القادر ثانی نے سلسلہ قادریہ کی توسیع و اشاعت کے لئے ایسی بنیادیں فراہم کر دیں کہ پھر یہ سلسلہ پورے ملک میں پھیل گیا۔ مخدوم شیخ حامد کے صاحبزادے اور ان کے بعد ان کے جانشین شیخ موسیٰؒ نے بھی قادریہ سلسلہ کو فروغ دینے میں خصوصی کردار ادا کیا، اور شمالی ہند کے چشتیہ خطوں میں قادریہ سلسلہ کی اشاعت انہی کی سعی جمیل کی مرہون منت ہے۔

بنگال اور مشرقی علاقے میں قادریہ سلسلہ کو شاہ فیض اللہ نے پھیلایا، دہلی میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اسے فروغ دیا، ان کے علاوہ شیخ نعمت اللہ قادری، سید محمد غوث گوالیاری، شاہ محبوب الہ، شاہ ندیم اللہ، شاہ عبد اللطیف قطب ویلور، شاہ شاہد اللہ وغیرہ بزرگوں نے اس سلسلہ کو ہندوستان کے مختلف گوشوں تک پہنچایا، شاہ کمال کیتھلی اور شیخ تقی قادری کے متعدد مریدوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو بھکتی تحریک میں شامل ہوئے، خاص طور پر شیخ تقی قادری جن سے کبیر کو بڑی ارادت تھی اور کبیر نے اپنی شاعری میں بھی اس ارادت کا ذکر کیا ہے، ان کے اثرات بڑے دور رس رہے اور عوام کا ایک بڑا طبقہ ان سے متاثر ہوا، اس سلسلہ کے دیگر اہم مشائخ میں شیخ اسحاق قادری، سید اسماعیل گیلانی، شیخ بہلول دریا، شیخ حسن لاہوری، شیخ مادھو اور شیخ ابو الفتح وغیرہ ہیں۔

ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی اشاعت کا تذکرہ ادھورا ہے جب تک میاں میر کا ذکر نہ ہو، حضرت میاں میر نے اس سلسلے کو پنجاب میں فروغ دیا، مغل شہزادہ داراشکوہ ان کا مرید تھا، اور اس نے ان کا ایک مفصل تذکرہ بھی لکھا ہے۔ اس ارادت کے علاوہ میاں میر کی عوامی مقبولیت بہت تھی، مسلمانوں کے علاوہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے، سکھ گرو ارجن دیو کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ جب انہوں نے دربار صاحب بنانے کا ارادہ کیا تو جگہ تو اکبر اعظم سے حاصل کی لیکن سنگ بنیاد رکھنے کے لیے اس فقیر بے

نوامیاں میرؒ کو زحمت دی۔

اس موقع پر ایک بات کا ذکر کر دینا بے محل نہ ہو گا کہ سلسلہ قادریہ جو بلا دا سلامیہ کے اکثر حصوں میں پھیلا اور خاص طور پر ہندوستان کے علاوہ شمالی افریقہ کے ممالک میں اس کی اشاعت زیادہ ہوئی، لیکن مختلف وجوہات کی بنا پر اس سلسلہ میں حضرت غوث اعظم کی شخصیت کے گرد عقیدت کا ایک ہالہ تعمیر ہو گیا ہے اور یہ تصورات ظاہر ہے، عوام کا اضافہ ہیں ان میں صاحب سلسلہ اور اکابر سلسلہ کا کوئی دخل نہیں ہے۔

11.3 سہر وردیہ

سلسلہ سہر وردیہ کا بانی بالعموم شہاب الدین ابو حفص عمر بن عبد اللہ سہر وردی (1145ء-1234) کو مانا جاتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ اس سلسلہ کی توسیع واشاعت میں بھی ان کا غیر معمولی کر دار ہے، اور منجملہ تصوف کی تاریخ پر ان کے بڑے دور رس اثرات ہیں؛ لیکن اس سلسلہ کے بانی حقیقتاً ان کے چچا ابو نجیب ضیاء الدین عبد القاہر سہر وردی ہیں۔ ابن خلکان کے مطابق 15 واسطوں سے آپ کا نسب خلیفۃ الرسول سیدنا ابو بکر صدیقؓ سے مل جاتا ہے۔

شیخ عبد القاہر سہر وردی نے ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی اس کے بعد بغداد تشریف لے گئے اور وہاں فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کی، تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسہ نظامیہ میں استاد ہو گئے، اور علوم باطن کی تکمیل کے لیے شیخ ابو علی فارمذی کی صحبت میں رہ کر استفادہ کرنے لگے، رفتہ رفتہ ان کا رجحان تصوف وسلوک اور باطنی علوم کی طرف بڑھنے لگا اور ان پر ان حالات کا ایسا غلبہ ہوا کہ انہوں نے نظامیہ کی تدریس ترک کر دی اور گوشہ گیر ہو گئے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین نے خلوت نشینی کرنا پسند فرمایا ہے، ان کا استدلال یہ تھا کہ خلوت سے شہرت ملتی ہے اور شہرت بسا اوقات حصول مقصد میں رکاوٹ بن جاتی ہے، شیخ عبد القاہر کی زندگی میں ان کی دلیل کا اظہار نظر آتا ہے، شیخ نے خلوت نشینی اختیار کی تو رفتہ رفتہ ان کی شہرت ہونے لگی اور کچھ ہی دن میں اتنی شہرت ہو گئی کہ ان کی زیارت اور ان سے استفادہ کے لیے ایک مخلوق امڈ امڈ کر آنے لگی، دجلہ کے کنارے جہاں وہ خلوت نشین تھے ایک عظیم رباط تعمیر کی گئی، جہاں ان کے زیر تربیت افراد مستقل آتے اور قیام پذیر ہوتے، انہوں نے ایک مدت تک بے شمار لوگوں کی تربیت کی اور تعلیم وتربیت کے وسیع تجربہ کے بعد انہوں نے ایک کتاب آداب المریدین لکھی، جو راہ سلوک کے آداب میں ایک معرکہ آراء کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔

اس خانقاہ میں روز بہاں بقلی صاحب شطحات الصوفیہ نے ان سے اکتساب فیض کیا، اور اس محفل میں ان کے بھتیجے ابو حفص عمر نے بھی ان کی خدمت میں وقت گذارا، سعادت مند بھتیجے میں علم وسلوک کی بڑی صلاحیتیں دیکھ کر ان کو ہی جانشین تسلیم کر لیا گیا۔

جس وقت شیخ شہاب الدین سہر وردی جانشین بنے اس وقت یہ خانقاہ عروج پر تھی اور عراق میں اس وقت یہ سب سے بڑی خانقاہ مانی جاتی تھی، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات کے بعد تو طالبان حق کا رجوع اس طرف بہت بڑھ گیا تھا، اور ہر جگہ سے لوگ اس خانقاہ کی

طرف رجوع ہونے لگے، غوث پاک کے دو سال بعد شیخ عبد القاہر کا بھی وصال ہو گیا اور اب اس خانقاہ کی پوری ذمہ داری شیخ شہاب الدین سہر وردی کے ذمہ آگئی۔

حضرت شہاب سہر وردی نے ایک طرف تو طالبان حق کی تربیت کی دوسری طرف ایسے انتظامات کیے کہ یہ فیضان مستقل جاری ہو جائے اور اس کا دائرہ بھی وسیع ہو جائے، آپ نے اس کے لیے ایک معرکہ آراء کتاب "عوارف المعارف" لکھی جس کو ہر زمانے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی دوسرا کام یہ کیا کہ حکومت وقت کو بندگان خدا کی اصلاح وتربیت کے لیے استعمال کیا، خود بھی بادشاہ کو متاثر کیا کہ وہ خود بھی راہ حق پر گامزن ہو اور جب حکمران وقت کا مزاج دینی ہوتا ہے تو عوام پر بھی اس کے اثرات زیادہ ہوں گے، حضرت شہاب الدین سہر وردی خلیفہ وقت کی طرف سے خوارزم شاہ کے یہاں سفیر بھی بن کر گئے اور دیگر علاقوں کے اسفار بھی کئے، اس طرح ان کو موقع ملا کہ اپنے افکار اور اپنے طریقہ تربیت کو عالم اسلام کے دیگر گوشوں تک خود پہنچا سکیں، آپ جہاں بھی گئے طالبان حق کی رہنمائی کرتے رہے۔

11.3.1 ہندوستان میں سلسلہ سہر وردیہ

سہر وردیہ سلسلہ کی اشاعت کا مرکز بغداد تھا۔ سہر وردیہ سلسلہ بھی عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پھیلا، ہندوستان کے حصہ میں یہ دولت چار عظیم شخصیات کے ذریعہ آئی یعنی صوفی حمید الدین ناگوری، شیخ جلال الدین تبریزی، شیخ نور الدین مبارک غزنوی اور شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی، یہ چاروں شیخ شہاب الدین کے خلفاء تھے، ان میں سے اول الذکر نے تو ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے بیعت کرلی، اور سلسلہ چشتیہ میں شامل ہو گئے۔

سہر وردیہ سلسلہ کو ہندوستان میں اصل فروغ شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی کے ذریعہ حاصل ہوا اور پنجاب، یوپی، بہار اور بنگال میں خوب پھیلا۔ حضرت اصلاً ملتان کے قریب ایک گاؤں کے رہنے والے تھے، حصول علم کے لیے بلاد اسلامیہ کا سفر کیا، اور بغداد میں حضرت شہاب الدین سہر وردی کی خدمت میں رہ کر اس سلسلے کی اجازت حاصل کی۔ ملتان واپس آکر انہوں نے ہندوستان میں سہر وردی سلسلہ کی پہلی خانقاہ تعمیر کی اور لوگوں کی اصلاح وتربیت میں مشغول ہو گئے، ان کے دو خلفاء حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اور حضرت لعل شہباز قلندر کے اثرات پنجاب اور سندھ میں اب بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

حضرت جلال الدین تبریزی نے پہلے پنجاب میں قیام کیا، پھر دہلی اور بدایوں ہوتے ہوئے بنگال چلے گئے، اور وہاں سلسلہ سہر وردیہ کی اشاعت کی، بنگال میں آپ کی خانقاہ صدیوں تک مرکز فیض وہدایت بنی رہی اور طالبان حق طریقہ سہر وردیہ کے مطابق دینی اصلاح کرتے رہے۔

حضرت بہاء الدین زکریا کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف ان کے جانشین مقرر ہوئے، شیخ صدر الدین کا طریقہ سہر وردیہ کے بر خلاف چشتیہ کے مشرب سے قریب تر تھا، ان کے یہاں وہی توکل اور فقر کی روشنی تھی جو چشتیہ کا طرہ امتیاز ہے، لیکن ان کے جانشین ان کے صاحبزادے ابو الفتح رکن الدین نے اپنے سلسلہ کی روایتی شناخت کو بحال کیا، حکومت سے بھی روابط استوار کیے

اور عوام کی دادرسی میں وہ ایک طرح حکومت اور عوام کے درمیان پل کا کام کرتے تھے، ذاتی زندگی کی سادگی اور فقیر میں کوئی فرق نہیں آیا لیکن شاہی دربار سے خلعتیں لے کر غریبوں میں تقسیم کرنا، اپنے سرکاری عہدے جن کا تعلق براہ راست عوام کی فلاح و بہبودی سے ہوتا تھا، جیسے صدر الصدور یا شیخ الاسلام کا عہدہ یا قاضیوں کا تقرر، ان پر اثر انداز ہوئے اور ان مناصب کے لیے بہتر لوگوں کا انتخاب کرنے میں حکومت کا تعاون کیا۔

سہر وردیہ سلسلے کے ایک اور بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جو سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے پوتے اور ابوالفتح رکن الدین کے مجاز تھے انہوں نے سلسلہ سہر وردیہ کو پورے شمالی ہند میں پھیلایا، اور آپ کے خلفاء نے ہندوستان کے دیگر حصوں میں اس کی اشاعت کی، سلسلہ سہر وردیہ کی ہندوستان کے اندر توسیع واشاعت میں جن دوسرے بزرگوں کا اہم کردار رہا ان میں شیخ فخر الدین نے دکن میں اور سید برہان الدین قطب عالم نے گجرات میں اس سلسلے کی توسیع کی۔

11.3.2 سلسلہ سہر وردیہ کی نصابی کتب

سلسلہ سہر وردیہ میں دو کتابوں کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، ایک شیخ ضیاء الدین عبد القاہر کی کتاب آداب المریدین جو اس سلسلہ میں نصاب کا درجہ رکھتی ہے، اس کے علاوہ دوسری اہم ترین کتاب عوارف المعارف ہے جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے میراث اسلامی کی مشہور ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور اس میں تصوف، سلوک کے آداب، اور خانقاہی نظام پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔

ان دو کتابوں کے علاوہ کچھ ملفوظات اور دوسری کتابوں کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے، تاہم اصل نصاب کی کتاب یہی دونوں ہیں۔

سہر وردیہ سلسلہ کی بنیادی تعلیمات بالعموم وہی ہیں جو چشتیہ سلسلہ کی ہیں، دونوں سلسلوں کی بنیادی کتابیں بھی ایک ہی ہیں، لیکن کچھ امور میں اختلاف بھی ہے، مثلاً وحدۃ الوجود کا رویہ چشتی صوفیہ کے بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے؛ لیکن سہر وردی صوفیہ بالعموم وحدۃ الوجود کا انکار کرتے ہیں، چند صوفیہ نے اس کو تسلیم کیا ہے لیکن سلسلہ میں بالعموم اس کو قبول حاصل نہیں ہوا۔

دوسرا بڑا اختلاف حکومت کے معاملے میں ہے، سہر وردی صوفیہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور عوام کی فلاح و بہبودی کے لیے اس تعلق کو استعمال کرتے ہیں، حکمرانوں سے خلعت بھی لیتے ہیں جب کہ چشتی صوفیہ حکومت سے دور رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔

11.3.3 سلسلہ سہر وردیہ کی تعلیمات

اس سلسلہ طریقت میں اتباعِ اور محبت الٰہی کی تعلیم دی گئی ہے اور پیروی رسول اللہ ﷺ کو عین محبتِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے۔

شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ لکھتے ہیں: "پس جو جتنا متبع رسول ﷺ ہے، اسی قدر محبتِ الٰہی کا حصہ دار ہے اور صوفیا نے اسلامی گروہ میں سب سے بڑھ کر اتباعِ رسول ﷺ کی ہے"۔

اس سلسلہ تصوف میں علم و عمل دونوں پر توجہ دی جاتی ہے لیکن پیروی رسول ﷺ اور محبتِ رسول ﷺ پر زیادہ زور ہے۔

پیروی راہِ حق اور اتباعِ مسلک خاص اصول ہیں۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین رحمت اللہ علیہ اکثر فرماتے تھے کہ:"میرا فرزند وہی ہے جو میرے طریقے پر چلے اور میری راہِ ہدایت اختیار کرے"۔

سلسلہ سہر وردیہ کی دیگر تعلیمات میں سانس بند کر کے اللہ کے نام کا ورد کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے ان کے یہاں ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں جائز ہیں، اس سلسلے میں قرآن کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، سہر وردیہ سلسلے میں فقر وفاقہ اور ترک دنیا کی بھی زیادہ اہمیت نہیں ہے، نفس کشی اور زہد وریاضت پر بھی اس سلسلہ میں زیادہ زور نہیں دیا جاتا، بلکہ عام طور پر رمضان المبارک کے روزے رکھے جاتے ہیں اور نفل روزوں میں صرف کچھ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

مال ودولت کمانے کو اس سلسلہ میں راہ سلوک کے منافی نہیں سمجھا جاتا اور سالکین کو اپنے ہاتھ کی کمائی کھانے پر ابھارا جاتا ہے، اور درباروں سے خلعت وانعام لینے کو بھی سلوک کے منافی نہیں سمجھا جاتا، سماع کے سلسلے میں ان کا موقف کافی سخت ہے، اول تو اس کی اجازت ہی نہیں دیتے اور اگر اجازت ہے بھی تو اتنی شرائط کے ساتھ ہے کہ اس کو اجازت شمار کرنا ہی مشکل ہے، سماع کی جگہ وہ تلاوت قرآن مجید کی تلقین کرتے ہیں۔

سہر وردی سلسلہ میں شعر ونغمہ کا ذوق بھی رہا ہے، اس سلسلہ کے بہت سے شیوخ شعری ذوق رکھتے تھے اور ابن الفارض جیسے عظیم صوفی شاعر کا تعلق بھی اسی سلسلہ سے تھا، شیخ سعدی شیرازی بھی اس سلسلہ سے وابستہ تھے۔ سہر وردی سلسلے میں سیر و سیاحت کو بھی خصوصی اہمیت حاصل ہے، اس سلسلہ کے بہت سے شیوخ نے بکثرت اسفار کیے، خود شیخ شہاب ابو حفص نے متعدد ملکوں کا سفر اختیار کیا، ہندوستان میں اس سلسلہ کے ایک بزرگ حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت اپنی سیاحت اور جہاں نوردی کے لیے ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے سہر وردی صوفیہ بالعموم سلاطین وحکام سے قریبی تعلق رکھتے تھے، تاکہ مبادی ومسائل دین ان کے ذہن نشین کراتے رہیں، سلطان عادل کا مقام اور اس کی ذمہ داریاں یاد دلاتے رہیں، امانتوں کو ان کے مستحق تک پہنچانے میں سلاطین کی مدد کریں، امور سلطنت کی دینی اہمیت اور نوافل وکثرت عبادت پر موثر اور پر امن نظم ونسق کی برتری ذہن نشین کراتے رہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی، دینی عہدے مثلاً صدر الصدور یا شیخ الاسلام یا مفتی شرع یا قاضی یا محتسب پر مناسب لوگوں کے تقرر کی سفارش کریں، بیت المال اور اوقاف کے نظام کو حدود شرع کے مطابق امانت داروں کے سپرد کریں، وہ کبھی کبھی سماع کی محفل میں بھی شریک ہوتے تھے، لیکن یہ ان کا وطیرہ نہیں تھا، اور اس کو شعار بنانے کی انہوں نے سخت مخالفت کی ہے۔

مریدین کو علو ہمت کی طرف ترغیب دلاتے، ان کو اذکار واشغال، مجاہدہ، محاسبہ، مراقبہ، مشاہدہ، معائنہ اور مرتبہ احسان کے حصول کی طرف توجہ دلاتے، ساتھ ساتھ اپنی خانقاہوں میں اتنا اناج اور اتنا مال محفوظ رکھتے کہ ہنگامی حالات میں حوائج انسانی پوری ہوتی رہیں، بیش تر ہدایہ پر ممتاز ترین علماء کی خدمات برائے تدریس حاصل کی جاتیں تاکہ وہ یکسوئی سے ذی استعداد طلبہ کو درجہ تحقیق تک پہنچا

دیں۔

11.4 فرہنگ

شَمَّہ : بہت تھوڑا، بہت مختصر،

فُسّاق : بدکار مرد، گناہ گار، فسق وفجور کے عادی لوگ

حَشَم وخَدَم : نوکر چاکر کی بھیڑ، لاؤلشکر، بہت سے خادم اور خادمائیں

اِرادَت : مریدانہ اطاعت کا جذبہ، اعتقاد، عقیدت مندی

بے مَحَل : بے وقت، بے موقع

عُلُوہِمَّت : بلند حوصلگی، بلند ارادہ، عالی مقصد، بلند ہمتی، بلند عزم

حوائج : ضروریات، لوازم

خلوت نشینی : گوشہ گیری، تنہائی پسندی، عزلت نشینی

رَباط : سرائے، مسافر خانہ

طُرَّۂ اِمتیاز : وہ صفت جو دوسروں سے ممتاز کرے

شَرح وبَسط : توضیح اور تفصیل،

11.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- سلسلہ قادریہ صوفی سلاسل کا سب سے معروف اور قدیم سلسلہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی جانب منسوب ہے۔ تصوف کے سلاسل میں یہ واحد سلسلہ ہے جس کا مرکزی مقام ابھی تک وہی ہے جہاں سے یہ شروع ہوا تھا یعنی بغداد۔
- ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی اولاد میں سے ایک شخصیت حضرت مخدوم شیخ محمد حسینی لے کر آئے۔
- قادریہ سلسلہ میں حضرت شیخ القادر جیلانیؒ کی تینوں کتابیں، فتوح الغیب، الفتح الربانی اور غنیۃ الطالبین کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خاص طور پر فتوح الغیب، سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ الفیوضات الربانیہ بھی اس سلسلہ کی اہم کتاب ہے۔
- سلسلہ قادریہ میں رائج اور ادواذکار بالعموم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کے تلقین کردہ ہیں، ان کے یہاں نوافل کا بڑا اہتمام کیا جاتا ذکر خفی اور ذکر جہری کے ساتھ ساتھ درود شریف کے ورد پر اس سلسلہ میں خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔
- سالک کے اندر کیفیات باطن کے پیدا کرنے کے لیے اس سلسلہ میں بعد میں بعض اور چیزیں بھی اختیار کی گئیں، جیسے صلوۃ غوثیہ۔

سلسلہ قادریہ میں سماع کو ناپسند کیا جاتا ہے، اور سجدہ تعظیمی، طواف مزار اور خواتین کے لیے زیارت قبور کو ناپسند کرتے ہیں۔

- ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کی داغ بیل تو حضرت شاہ محمد حسینی جیلانی نے ڈالی تھی، لیکن اس بابرکت سلسلہ کو اصل فروغ ان کے فرزند حضرت مخدوم شیخ عبدالقادر کے زمانے میں حاصل ہوا، حضرت مخدوم جو اپنے جد اعلیٰ حضرت غوث پاک کے ہم نام بھی تھے اور برصغیر میں اس سلسلہ کی اشاعت میں آپ نے جو کارنامہ انجام دیا اس کی وجہ سے حضرت عبدالقادر ثانی کہلاتے تھے۔
- سلسلہ سہروردیہ کے بانی ابو نجیب سہروردی ہیں۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ ان کے بھتیجے شیخ شہاب الدین سہروردی لے کر آئے۔ اس سلسلے کے اہم بزرگوں میں بہاؤالدین زکریا ملتانی اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت شامل ہیں۔
- سلسلہ سہروردیہ میں دو کتابوں کی سب سے زیادہ اہمیت ہے، ایک شیخ ضیاء الدین عبدالقاہر کی کتاب آداب المریدین جو اس سلسلہ میں نصاب کا درجہ رکھتی ہے، اس کے علاوہ دوسری اہم ترین کتاب عوارف المعارف ہے جو اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے میراث اسلامی کی مشہور ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور اس میں تصوف، سلوک کے آداب، اور خانقاہی نظام پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔
- سہروردی صوفیہ حکومت سے تعلق رکھتے ہیں اور عوام کی فلاح وبہبودی کے لیے اس تعلق کو استعمال کرتے ہیں، حکمرانوں سے خلعت بھی لیتے ہیں۔ سماع کو جائز سمجھتے ہیں۔ دیگر تعلیمات میں سانس بند کرکے اللہ کے نام کا ورد کرنے پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں مطلوب ہیں، اس سلسلے میں قرآن کی تلاوت پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔

11.6 نمونہ امتحانی سوالات

11.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. تصوف کے سلسلوں کا آغاز صدی ہجری میں ہوا۔

(a). پہلی صدی ہجری (b). دوسری صدی ہجری (c). چوتھی صدی ہجری (d). پانچویں صدی ہجری

2. شیخ عبدالقادر جیلانی کی طرف منسوب سلسلہ ہے۔

(a). قادریہ (b). چشتیہ (c). سہروردیہ (d). نقشبندیہ

3. ہندوستان میں قادریہ سلسلہ بزرگ لے کر آئے۔

(a). شیخ عبدالقادر ثانی (b). شیخ محمد الحسینی (c). شیخ عبدالقاہر (d). ان میں کوئی نہیں

4. سلسلہ قادریہ کے نصاب میں کتاب کو نہایت اہمیت حاصل ہے۔

(a). عوارف المعارف (b). آداب المریدین (c). مکتوبات امام ربانی (d). فتوح الغیب

5. سلسلہ سہروردیہ کے بانی.....ہیں۔

(a) . باقی باللہ (b) . محمد بہاؤالدین (c) . شیخ شہاب الدین (d) . ابو نجیب ضیاء الدین

6. عوارف المعارف ------ سلسلے کی ایک اہم تصنیف ہے۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہر وردیہ (d) . نقشبندیہ

7. بہاوالدین زکریاملتانیؒ کا تعلق ------ سلسلے تھا۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہر وردیہ (d) . نقشبندیہ

8. ..... سلسلے کے بزرگ سلاطین اور حکمراں سے قریبی تعلقات رکھتے ہیں۔

(a) . قادریہ (b) . چشتیہ (c) . سہر وردیہ (d) . نقشبندیہ

9. آداب المریدین کس صوفی بزرگ کی تصنیف ہے؟

(a) . شیخ شہاب الدین (b) . شیخ ضیاء الدین (c) . شیخ عبد القادر (d) . سب صحیح

10. حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا تعلق کس سلسلے سے تھا؟

(a) . قادریہ (b) . سہر وردیہ (c) . چشتیہ (d) . نقشبندیہ

11.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. سلسلہ قادریہ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
2. سلسلہ سہر وردیہ کے مشہور صوفیا پر تبصراتی مضمون لکھیے۔
3. عوارف المعارف پر ایک معلوماتی مضمون تحریر کریں۔
4. ہندوستان میں سلسلہ قادریہ کے فروغ کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کریں۔
5. سلسلہ قادریہ کی نصابی کتب کا کا تعارف پیش کیجیے۔

11.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. سلسلہ قادریہ کے آغاز وارتقا اور اسکی تعلیمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔
2. سلسلہ سہر وردیہ پر ایک جامع مضمون قلمبند کیجیے۔
3. سلسلہ قادری اور سلسلہ سہر دردیہ کی تعلیمات کا تقابلی جائزہ پیش کیجیے۔

11.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام : عبد الماجد دریابادی

2. عوارف المعارف (ترجمہ) : شیخ شہاب الدین سہروردی

3. فتوح الغیب (ترجمہ) : شیخ عبد القادر جیلانی

4. تزکیہ، احسان : مولانا ابوالحسن علی الندوی

5. نزہۃ الخواطر : عبد الحیٔ

معروضی سوالات کے جوابات:

1. D	2. A	3. B	4. D	5.C
6.C	7.C	8.C	9.B	10. B

اکائی 12: مشہور صوفی سلسلے (سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ)

اکائی کے اجزا:

12.0 تمہید

12.1 مقاصد

12.2 سلسلہ چشتیہ

12.2.1 ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا ارتقاء

12.2.2 خواجہ معین الدین چشتی

12.2.3 سلسلہ چشتیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات

12.3 سلسلہ نقشبندیہ

12.3.1 ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کا ارتقاء

12.3.2 سلسلہ نقشبندیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات

12.4 فرہنگ

12.5 اکتسابی نتائج

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

12.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

12.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

12.0 تمہید

پچھلی اکائی میں ہم نے تصوف کے مشہور سلسلوں سلسلہ قادریہ اور سہروردیہ کے بارے میں پڑھا اور اس سلسلے کی تعلیمات اور

ہندوستان میں اس سلسلے کے ارتقا کے بارے میں گفتگو کی۔ اس اکائی میں ہم تصوف کے دو اور مشہور سلسلوں سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کے آغاز وارتقا کی تاریخ بتانے کے ساتھ ان صوفی سلسلوں کی اہم تعلیمات سے روشناس ہوں گے۔

12.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- تصوف کے مشہور سلسلوں میں سے سلسلہ چشتیہ اور نقشبندیہ کے بارے میں آگاہی حاصل کر سکیں۔
- اس سلسلے کے بانیین اور مختلف ممالک میں ان سلسلوں کے نشو نما میں کردار ادا کرنے والے صوفیا کے بارے میں گفتگو کر سکیں۔ ان دونوں سلسلوں کی خصوصی تعلیمات اور انفرادیت کا تقابل کر سکیں۔
- ان سلاسل کی ہندوستان میں حیثیت اور اسکے ارتقا کے بارے میں جانیں۔

12.2 سلسلہ چشتیہ

سلسلہ چشتیہ کا انتساب کسی بزرگ ذات سے نہیں بلکہ یہ خراسان کے ایک مشہور شہر "چشت" سے منسوب ہے، جہاں صوفیا نے اصلاح وتزکیہ کا مرکز قائم کیا تھا، جس کو اس قدر شہرت ملی کہ یہ سلسلہ اس شہر کی نسبت سے "چشتیہ" کہلانے لگا، جن کے ذریعہ باقاعدہ یہ سلسلہ شروع ہو، وہ ابو اسحاق شامی ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب نو واسطوں سے حضرت علیؓ سے جاملتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق یہ بزرگ افغانستان کے شہر چشت میں مقیم ہوئے اور بعد میں شام میں اقامت پذیر ہوئے اور وفات پر وہیں دفن ہوئے۔ حضرت خواجہ اسحاق چشتی حضرت ممشاد علوی دینوری کے خلیفہ تھے، جو خواجہ شمشاد علی دینوری سے کسبِ فیض کے بعد چشت پہنچ کر امدادِ حق اور ارشادِ حق کا ایسا مستحکم نظام قائم کیا کہ آج تک سلسلہ چشتیہ ضوفشانی کر رہا ہے۔

سلسلہ چشتیہ کو افغانستان اور ہرات کے علاقہ میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے بہت سے بڑے بڑے صوفیہ وابستہ رہے۔ ابو اسحاق شامی چشتی کے بعد سلسلہ چشتیہ کا فروغ خواجہ مودود چشتی کے ذریعہ بہت زیادہ ہوا ان کے زمانے میں سلسلہ چشتیہ بلخ سے بغداد وہند تک پہنچ چکا تھا اس لیے آپ کو سلسلہ چشتیہ کے امام طریقت اور شیخ الشیوخ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ایک خلیفہ خواجہ عثمان ہارونی ہوئے اور ان کے خلیفہ مجاز خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اس سلسلہ کو ہندوستان لے کر آئے۔

12.2.1 ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کا ارتقاء

صوفیہ کے جن سلاسل کو ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت ملی ان میں سلسلہ چشتیہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ تحریر فرماتے ہیں: خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مخلص اور پرزور ہاتھوں سے یہاں چشتی سلسلہ کی مضبوط بنیاد پڑی، اس کے بعد خاص وعام سبھی نے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کیا۔

12.2.2 خواجہ معین الدین چشتی

خواجہ اجمیری کا اصل وطن ایران ہے۔ 13 سال کی عمر میں یتیم ہو گئے، ایک باغ ایک چکی وراثت میں ملی، آپ اس باغ کی نگہبانی کرنے لگے، لیکن اللہ نے آپ کو انسانوں کی نگہبانی کے لیے بنایا تھا اور اس کا انتظام بھی خود فرمایا، ہوا یہ کہ ایک دن ان کے باغ میں ابراہیم قلندر نامی ایک بزرگ وارد ہوئے، خواجہ نے امکان بھر ان کی خدمت کی، بزرگ نے خوش ہو کر ان کو دعا دی اور کھلی کو دانتوں سے چبا کر خواجہ صاحب کو کھلا دیا، کھلی کا کھانا تھا کہ دل انوار الٰہی کی تجلیات سے جگمگا اٹھا اور دنیا کی ہر چیز بے وقعت ہو گئی، اور اس کے بعد بھلا ایسے شہباز کو باغ کی نگہبانی کب تک مقید رکھتی، انہوں نے وہ باغ اور چکی فروخت کر کے راہ خدا میں خرچ کر دی اور توکلاً علی اللہ گھر سے نکل پڑے۔ سمرقند پہنچے یہاں کلام پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل میں لگ گئے۔

علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد مرشد کامل کی تلاش میں قصبہ ہرون کا رخ کیا اور شیخ عثمان ہرونی کی خدمت میں حاضر ہوئے، ڈھائی سال مرشد کی خدمت میں رہنے کے بعد مرشد کے ساتھ سیاحت کے لیے نکل پڑے، دس سال بلاد اسلامیہ کی سیاحت کی، اس سیاحت میں حرمین شریفین کی زیارت کی۔ مشہور ہے کہ بارگاہ رسالت میں حاضری دی تو ندا آئی کہ 'معین الدین ہمارا دوست ہے، ہم نے اس کو قبول کر لیا اور برگزیدہ بنالیا' اور واقعہ یہ ہے کہ خواجہ کو جو قبول حاصل ہوا اس نے فرمان رسالت کو حرف بحرف ثابت کر دیا۔

مرشد سے رخصت لے کر بغداد گئے، سنجان پہنچ کر شیخ نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں رہے پھر بغداد میں چلہ کشی کی، سلسلہ سہروردیہ کے بانی شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے۔ بغداد سے ہمدان آئے، پھر تبریز پہنچ کر شیخ جلال الدین تبریزی کی خدمت میں رہے، وہاں سے پھر مختلف بلاد و امصار کی سیاحت کرتے ہوئے ہندوستان کا رخ کیا۔ خواجہ صاحب کو جو پیغام محبت سرزمین ہند میں پھیلانا تھا، اس کے لیے ضروری تھا کہ وہ یہاں کی مقامی زبان سے واقف ہوتے، اس لیے انہوں نے مقامی زبان سیکھی اور پھر دہلی میں فروکش ہوئے، اس کے بعد اجمیر میں بود و باش اختیار کی۔ جہاں یک سوئی سے عبادت و ریاضت اور خلق خدا کی فیض رسانی میں لگ گئے۔

اجمیر میں اس وقت رائے پتھورا کی حکومت تھی، فقیرِ بے نوا سے صاحب شوکت راجا کو خوف کھانے کی کیا ضرورت تھی، لیکن خواجہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے راجہ کو حسد ہونے لگا اور آخر وہ خواجہ کے درپے آزار ہو گیا، لیکن اجمیر کا حکمراں اس پردیسی فقیر کو وہاں سے نہ نکال سکا اور دست قدرت نے خود اس راجہ کو ہمیشہ کے لیے اجمیر سے باہر کر دیا۔

خواجہ کے مرشد نے وقت رخصت ان کو نصیحت کی تھی: 'اے معین الدین اب جب کہ تم نے فقیری اختیار کر لی ہے تو فقیروں کی طرح عمل کرنا، وہ اعمال یہ ہیں: غریبوں کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آنا، ناداروں کی خدمت کرنا، برائیوں سے اجتناب کرنا اور ابتلا و مصائب میں ثابت قدم رہنا'۔ خواجہ کی زندگی اس نصیحت کی عملی تفسیر بن گئی، خواجہ نے ہر مصیبت کو ثابت قدمی سے برداشت کیا اور ہر برائی سے اجتناب کیا، غریبوں کی دست گیری، ناداروں کی خدمت اور بے سہارا لوگوں کی حوصلہ افزائی کو اپنا وطیرہ بنالیا، حکمرانِ وقت کا استبداد بھی ان کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ پیدا کر سکا اور ہر مصیبت کے سامنے جرأت و استقلال کا کوہِ گراں ثابت ہوئے۔

ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب اور مذہب سے قطع نظر مشترکہ اقدار، بلا تفریق مذہب و ملت باہمی الفت و یگانگت اور کمزوروں اور

ناداروں کی دادرسی کی جو روایت خواجہ اجمیری نے قائم کی تھی وہ ہندوستان کی شناخت بن گئی۔ ان کے مریدوں نے مستقل سلسلہ قائم کر کے ان کے فیض کو پورے ہندوستان میں پھیلایا، ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی بنا آپ نے ڈالی اور اس کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کر دیا۔

خواجہ اجمیری انسانوں کے محسن تھے، انہوں نے ایسے رجال کار تیار کئے، جنہوں نے ان کے پیغام کو پورے ملک میں پھیلایا۔ ان کے بعض مریدوں نے ان کے ملفوظات اور ارشادات کو بھی جمع کر لیا تھا، اس طرح ان کے ملفوظات پر مشتمل تین کتابوں میں ان کے افکار بھی ہمارے سامنے موجود ہیں، یہ رسالے ہیں: 1. انیس الارواح، 2. رسالہ در کسب نفس، 3. دلیل العارفین۔

خواجہ نے ان میں بتایا ہے کہ سلوک کی راہ کیسے طے کی جائے اور سلوک کی غایت کیا ہے، انہوں نے فرمایا کہ تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم، بلکہ ایسے اخلاق کا نام ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو، سالک کی غایت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے صوری و معنوی اخلاق و محاسن کا جامع ہو، اس کی زندگی شریعت کی آئینہ دار ہو اور اس کا کردار اخلاق کا اعلیٰ نمونہ ہو، غریبوں کا حامی ہو، ناداروں کا معاون ہو اور کمزوروں کا خیر خواہ ہو۔

خواجہ فرماتے تھے کہ سلوک کے مراتب میں ارباب طریقت کے لیے مندرجہ ذیل دس شرائط کا ہونا لازمی ہے:

1. طلب حق، 2. طلب مرشد کامل، 3. ادب، 4. رضا، 5. محبت، 6. لایعنی چیزوں کا ترک کرنا، 7. تقویٰ، 8. استقامت، 9. کم کھانا اور کم سونا، 10. خلوت اختیار کرنا۔

اسی طرح راہ سلوک میں ان دس اعمال کا انجام دینا بھی ضروری قرار دیا:

1. کسی کو رنج نہ پہنچانا، 2. کسی کی برائی نہ کرنا، 3. تواضع اختیار کرنا، 4. ہر شخص سے محبت کرنا، 5. کسی کو حقیر نہ سمجھنا، 6. ہر کام میں تسلیم و رضا کا رویہ اختیار کرنا، 7. ہر مصیبت میں صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا، 8. قناعت اختیار کرنا، 9. توکل کرنا، 10. سوز و گداز اپنانا۔

اس طرح آپ نے اپنی شخصیت کے ذریعے اور اپنے ملفوظات کے ذریعے اپنے متوسلین کی ایسی تربیت کی جنہوں نے پورے ہندوستان میں ایک نئی روشنی پھیلا دی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ نظام الدین اولیاء، حضرت صابر کلیری، طوطیٔ ہند امیر خسرو، چراغ دہلی خواجہ نصیر الدین، اردو نثر کے بانی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اور غرض ایک طویل سلسلہ ہے جس نے حضرت خواجہ اجمیری کے چشمہ فیض سے سیراب ہو کر کتنے ہی تشنگان طریقت و معرفت کو سیراب کیا اور ملک میں ہم آہنگی، یک جہتی اور مشترکہ اقدار کو فروغ دیا، جن کی روایت آج بھی زندہ و تابندہ ہے، ان کا پیغام محبت آج بھی عام ہے اور ان کے چشمہ فیض کا فیضان آج بھی جاری ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ ایک طویل سیاحت کر کے لاہور ملتان اور دہلی ہوتے ہوئے اجمیر میں قیام پذیر ہوئے اور مدت العمر اسی شہر میں مقیم رہے، یہاں رہ کر آپ نے اس سلسلہ کو برصغیر میں پھیلایا، اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ دکھی دلوں کے لیے مرہم کا کام کیا۔

حضرت خواجہ معین الدین کے بہت سے خلفاء و مجازین ہیں؛ لیکن چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں دو خلفاء کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے، ایک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور دوسرے حضرت صوفی حمید الدین ناگوریؒ۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے اس سلسلہ کو دہلی اور دیگر مرکزی شہروں میں پھیلایا اور صوفی حمید الدین ناگوری نے راجستھان کی سرزمین میں خاص طور پر دیہات میں اس سلسلہ کی اشاعت کی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے عہد تک یہ سلسلہ دہلی اور اجمیر تک محدود تھا؛ لیکن پھر اس سلسلہ کی اشاعت میں ایک انقلاب آیا، حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید ہوئے اور انہوں نے اس سلسلہ کو پنجاب میں پھیلایا اور انہی کی ذات سے اس سلسلہ کی دو شاخیں نکلیں جنہوں نے اس سلسلہ کی روایت کو آج تک جاری رکھا ہے۔

حضرت بابا فرید الدین شکر گنج کے ایک خلیفہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء ہوئے جن سے اس سلسلہ کی شاخ چشتیہ نظامیہ کا آغاز ہوا، دوسرے خلیفہ مخدوم علاؤالدین صابر کلیری ہوئے ان سے اس سلسلہ کی شاخ چشتیہ صابریہ کا آغاز ہوا۔ ان دونوں شاخوں نے ہی اس سلسلہ کی اشاعت میں بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ تاہم زیادہ خدمات چشتیہ نظامیہ کی ہیں۔

حضرت محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء کا مستقل قیام دہلی میں تھا، اور یہاں آپ نے اس سلسلہ کی اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں، آپ کے مریدین و تلامذہ ہندوستان کے مختلف گوشوں میں گئے اور سلسلہ چشتیہ کو مختلف صوبوں میں پھیلایا۔

حضرت محبوب الٰہی کے خلفاء میں شیخ سراج الدین المعروف بہ اخی سراج بنگال تشریف لے گئے اور وہاں اس سلسلہ کی اشاعت کی، ان کے خلیفہ شیخ علاء الحق بن اسعد ہوئے، ان کے دو خلفاء سید اشرف جہانگیر سمنانی اور سید نور قطب عالم کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور انہوں نے اس سلسلہ کو بنگال، بہار اور مشرقی یوپی میں پھیلایا، اور ان کے اثرات اب بھی اس علاقے میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ کو گجرات میں خواجہ قطب الدین اور شیخ حمید الدین نے پھیلایا، ان کے بعد سید حسام الدین ملتانی اور شیخ بارک اللہ نے اس کی اشاعت کی لیکن گجرات میں اس سلسلہ کو زیادہ مقبولیت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے بھتیجے علامہ کمال الدین کے ذریعہ ملی۔

شیخ برہان الدین غریب نے اس سلسلہ کو دکن میں پھیلایا ان کے مرید شیخ زین الدین علاؤالدین کو دکن میں بڑی قبولیت حاصل ہوئی، بہمنی سلطنت میں ان کو بڑا رسوخ حاصل تھا، ان کے بعد خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ایک خلیفہ سید محمد گیسو دراز کے ذریعہ اس سلسلہ کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی، آپ نے دکن میں پہلگام تک سلسلہ چشتیہ اور اسلام کی اشاعت کی، گلبرگہ میں انہوں نے ایک عظیم الشان مرکز قائم کیا، جس کی ضیاپاشی آج بھی روزافزوں ہے۔

سید محمد گیسو دراز جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے بھی معروف ہیں ان کا کارنامہ صرف چشتیہ سلسلہ کی اشاعت نہیں تھا، بلکہ تاریخ میں وہ اپنے دیگر کارناموں کی وجہ سے بھی معروف ہیں، خاص طور پر اردو نثر کی پہلی کتاب لکھ کر انہوں نے اردو نثر نگاری کا آغاز کیا، ان کی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے، دکن کے علاوہ مالوہ اور مدھیہ پردیش کے علاقوں میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت شیخ وجیہ الدین اور مولانا کمال الدین وغیرہ نے کی، مالوہ کے علاقہ مانڈو میں مولانا مغیث الدین جاے اور شیخ وجیہ الدین چندیری میں آباد ہوگئے۔

اس طرح حضرت محبوب الٰہی اور ان کے مرید حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے خلفاء نے بالکل شروع میں ہی اس سلسلہ کو ہندوستان کے اکثر گوشوں میں پہنچا دیا تھا، اور اس کے مراکز رشد وہدایت کا مرکز بن گئے، جہاں سے ہر علاقے میں فیضان علم ورشد جاری ہوا۔

سلسلہ چشتیہ کی خانقاہیں صدیوں تک لوگوں کی رہنمائی کے مرکز بنی رہیں؛ لیکن اس سلسلہ میں پھر اس پائے کی کوئی شخصیت کئی صدیوں تک پیدا نہیں ہوئی، دور آخر میں اس سلسلہ میں ایک عظیم شخصیت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی نے اس سلسلہ میں نئی روح پھونکی، اور انہوں نے بعض نئے اضافے بھی کیے ان کے بعد میں شاہ فخر الدین نے بھی اس سلسلے کو مزید فروغ دیا۔

سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت ہندوستان میں سب سے زیادہ ہوئی، اس سلسلے کی دوسری شاخ سلسلہ چشتیہ صابریہ بھی یہاں پھیلی، خاص طور پر شمالی ہند میں اس سلسلہ کی اشاعت ہوئی، شیخ عبد القدوس گنگوہی اس سلسلہ کے سب سے مشہور فرد تھے، انہوں نے سب سے پہلے رودولی میں مرکز قائم کیا تھا، اس کے بعد دہلی کے نواح میں شاہ آباد میں قیام کیا اور مغلوں کی فتح کے بعد انہوں نے گنگوہ میں قیام کیا، اور وہیں مدفون ہوئے، اس پورے علاقے میں ان کے غیر معمولی اثرات ہیں۔ اور ان کی وسیع المشربی کی وجہ سے وہ اب بھی ہر دل عزیز ہیں۔ اس سلسلہ کو پنجاب میں شیخ جلال الدین تھانیسری اور شیخ نظام الدین فاروقی کے ذریعہ فروغ ملا اور جہانگیر کے عہد تک پنجاب کے علاوہ مغربی یوپی میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔

شاہجہاں کے عہد میں چشتیہ صابریہ سلسلہ کے اندر شاہ محب اللہ الہ آبادی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کا ظہور ہوا، انہوں نے ابن عربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کو بڑے پر زور انداز میں پھیلایا، اس نظریہ کی شرح وتفصیل پر متعدد کتابیں لکھیں جن میں تسویہ سب سے مشہور ہے، اور اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اس کتاب کو جلا ڈالنے کا حکم دیا تھا، اور ان کے مذہبی نظریات پر نکتہ چینی کی تھی۔

سلسلہ چشتیہ صابریہ میں شاہ محب اللہ الہ آبادی کے بعد شاہ عبد الرحیم ایک عظیم شخصیت پیدا ہوئے جنہوں نے سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد میں حصہ لیا۔ اور بالاکوٹ کے میدان میں شہید ہوئے۔ ان کے بعد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے اس شاخ کی اشاعت کا کام کیا ان کی متعدد کتابیں بھی ہیں۔ ان کے تین خلفا مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ ان کے ذریعہ اس سلسلہ کی اشاعت ہندوستان اور بیرون ہندوستان بڑے پیمانے پر ہوئی۔ علماء دیوبند، مظاہر العلوم، ندوۃ العلماء اور تبلیغی جماعت وغیرہ سب اسی چشتیہ صابریہ سلسلے کی توسیع ہے۔

ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت تمام صوفی سلاسل میں سب سے زیادہ ہوئی، اور اس کی خدمات بھی سب سے زیادہ ہیں، اس لیے اس سلسلہ کی اشاعت کا تذکرہ قدرے تفصیل سے کیا گیا۔

12.2.3 سلسلہ چشتیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات

سلسلہ چشتیہ میں جو نصاب تربیت وضع کیا گیا ہے اس میں کتابی اعتبار سے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب

عوارف المعارف کا رواج ہے، یہ کتاب شروع سے ہی اس سلسلہ میں رائج رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب کو بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت دی جاتی ہے، لیکن اصل ہدایت نامہ اور نصاب تربیت کی کتاب عوارف المعارف ہی سمجھی جاتی رہی ہے۔

عوارف المعارف کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید اور حضرت نظام الدین اولیاء نیز حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات جو مشائخ چشت کی اصطلاح میں ''ہشت بہشت'' کہلاتے ہیں ان کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح وحدۃ الوجود کو خاص اہمیت حاصل تھی، وحدت الوجود کے معاملے میں چشتیہ صوفیہ پر ابن عربی کا اثر ہے، شیخ عبد القدوس گنگوہی اور شاہ محب اللہ الہ آبادی تو اس نظریہ کے زبردست شارح رہے ہیں، علماء دیوبند میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے وحدت الوجود کی حمایت کی۔

توحید کے بعد دوسرا مقام توکل کا ہے، توکل کا مفہوم حضرات چشتیہ یہ لیتے ہیں کہ سالک کی ملکیت میں کوئی چیز نہ رہے، تمام دنیاوی مال و اسباب کو راہ خدا میں خرچ کر کے سلوک کی منزل کا آغاز کرے، سالک کے لیے جس طرح ملکیت رکھنا ناپسندیدہ ہے اس طرح کوئی دوسرا دنیاوی وسیلہ رزق رکھنا بھی ناپسندیدہ ہے، حتی کہ بھیک مانگنا تو ایک بڑا جرم ہے، صرف توکل علی اللہ پر گذارہ کیا جائے، یا پھر فتوحات قبول کی جاسکتی ہیں۔

حکومت سے دوری برقرار رکھنے کا اصول بھی چشتیہ سلسلہ میں شروع سے رائج رہا ہے، اور حضرات چشتیہ کی سوانح حیات میں بادشاہوں سے دور رہنے کے واقعات اور ان سے دوری بنائے رکھنے کے بہت سے حیران کن واقعات درج ہیں۔ چشتی صوفیہ کا مسلک صلح کل کا مسلک تھا، اور امن و آشتی پر وہ بہت زور دیتے تھے۔ مذاہب کے سلسلے میں ان کا رویہ تھا کہ ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے (ہر قوم کا اپنا سیدھا راستہ ہوتا ہے اور اپنا دین اور اپنی قبلہ گاہ ہوتی ہے)

چشتی صوفیہ کا پانچواں اصول یہ تھا کہ زندگی کی غایت صرف ذکر و فکر الٰہی ہے، اللہ تعالی کو یاد کرنا، اس کے ذکر کو عام کرنا اور راہ حق سے برگشتہ لوگوں کو ذکر الٰہی کی حلاوت سے راہ حق پر گامزن کرنا ان کی نظر میں زندگی کا مقصد تھا۔

چشتی تعلیمات میں تخلیہ (رزائل سے نجات) اور تحلیہ (فضائل اخلاق سے آراستگی) کے ذریعہ تجلیہ (آئینہ قلب کی جلا) کی جاتی ہے، اور ذکر الٰہی کی مداومت، مجاہدات، مراقبات، مشاہدات اور اذکار و اوراد کے ذریعہ معائنہ ذات تک رسائی حاصل کی جاتی ہے۔ علم الیقین کو حق الیقین اور اجمالی معرفت کو تفصیلی معرفت میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور فناء و بقاء کے ذریعہ فناء الفنا کے مقام تک پہنچنے کی سعی کی جاتی ہے اور تواضع و انکساری اور حب شرعی کا حصول کیا جاتا ہے۔

مقام فناء اور حق الیقین کے حصول کے لیے اس سلسلے میں 5 طریقے اختیار کیے جاتے ہیں (1) ذکر جہری یعنی مقررہ اوقات میں خدا کا بالجہر ذکر کیا جاتا ہے۔ (2) ذکر سری: یعنی خاموشی کے ساتھ ہر وقت اللہ تعالی کا ذکر کرنا۔ (3) پاس انفاس یعنی ہر سانس میں ذکر الٰہی کرنا۔ (4) مراقبہ یعنی اپنے اعمال و افعال کی ہمہ وقت نگرانی کرنا اور استغراق کی کیفیت میں رہنا۔ (5) چلہ یعنی وقت فارغ کر کے چالیس دن کسی

گوشے میں لگاتار عبادت الٰہی میں مصروف رہنا۔

12.3 سلسلہ نقشبندیہ

سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین البخاری (717-790/1317-1389) ہیں بخارا کے قریب ایک گاؤں جو پہلے کشک ہندواں کہلاتا تھا اس میں ان کی ولادت ہوئی، بعد میں اس کا نام کشک عارفاں ہو گیا، نسبت نقشبندیہ کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے "علم الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا" بعض نے لکھا ہے "اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا' بعض نے اس کی اور بھی تشریحات کی ہیں۔

خواجہ محمد نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی اس کے بعد 18 / سال کی عمر میں محمد بابا السماسی سے تصوف کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے السماس گئے، دراصل اس دوران حضرت خواجہ نے وہ طریقہ اختیار کیا جو ان کی انفرادیت کا سبب بنا، اور اس طرح طریقہ نقشبندیہ کا آغاز ہوا۔ انہوں نے بعض طریقوں میں اپنے مرشد سے اختلاف کیا اور نئی راہ نکالی، مرشد نے شروع میں تو ناراضگی ظاہر کی لیکن بعد میں ان کی تصویب کرتے ہوئے ان کو خلافت دے دی۔

خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد وہ وسطی ایشیاء کے متعدد ملکوں میں سیاحی کرتے رہے، امیر کلال کے خلیفہ عارف الدیک گرانی کی صحبت میں رہ کر سلوک کے مزید مدارج طے کیے، اس کے بعد شاہی ملازمت کی۔ ابن بطوطہ نے ان کا ذکر کیا ہے۔

بارہ سال شاہی ملازمت کرنے کے بعد انہوں نے تقریباً 14 سال خدمت خلق میں بسر کی اور آخر عمر میں آبائی وطن میں مقیم ہو گئے وہیں ان کا انتقال ہوا۔

خواجہ بہاؤالدین نقشبند نے ایک بھرپور سیاسی، سماجی، رفاہی اور صوفیانہ زندگی بسر کی، وہ ایوان حکومت میں بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے اور سماجی خدمات میں لوگوں کی امداد، حاجت مندوں کی حاجت روائی، درویشوں کی خدمت، جانوروں کی خدمت حتی کہ سڑکوں اور راستوں کی مرمت وصفائی وغیرہ میں بھی مصروف رہے اور بانی سلسلہ کی زندگی کا یہ عکس ان کے پورے سلسلے میں نظر آتا ہے۔ نقشبندی صوفیہ نے حکومت سے تعلق کو کبھی شجر ممنوعہ نہیں سمجھا اور سماجی خدمت اور لوگوں کے فائدے کے لیے دنیاوی وسائل کے استعمال کو بھی نہ صرف پسند کیا بلکہ مستحسن گردانا۔

حضرت خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین بخاری نقشبندی جو خواجہ بہاؤالدین محمد کے نام سے بھی مشہور ہیں، انہوں نے اس سلسلہ کی داغ بیل ڈالی اور اس کے اصول و آداب وضع کیے اور اس کو وسطی ایشیاء میں پھیلایا، ان کے بعد خواجہ عبید اللہ احرار، خواجہ محمد زاہد حضرت خواجگی امنگی اور درویش محمد نے اس سلسلہ کی اشاعت کی۔

12.3.1 ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کا ارتقاء

ہندوستان میں اس سلسلہ کو حضرت خواجہ باقی باللہ لے کر آئے، حضرت خواجہ باقی باللہ کو مہلت عمر بھی کم ملی اور ہندوستان میں ان

کا قیام بہت مختصر وقت کے لیے ہوا، صرف چار سال وہ یہاں رہے اور 39 سال کی عمر میں 1603 میں ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا قیام دہلی میں تھا اور اس وقت حکومت کا مرکز آگرہ تھا یہاں رہ کر حضرت خواجہ کی شخصیت سے شیخ عبدالحق محدث دہلوی بہت متاثر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کا اصل نام خواجہ عبدالباقی تھا، والد کا نام عبدالسلام اور بدخشاں کے رہنے والے تھے، آپ کی ولادت کابل میں 971ھ کے قریب ہوئی، مولانا محمد صادق حلوائی سے تلمذ اختیار کیا، حضرت کی طبیعت میں کچھ ایسی بے چینی اور بے قراری تھی کہ کتابی علم اس کی تسکین کے لئے ناکافی تھا، آخر شدید اندرونی داعیہ کے سبب درسیات کی تحصیل ترک کر کے حصول علم باطن میں سرگردانی اختیار کی، متعدد اکابر مشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، توبہ کی، بیعت کی لیکن طبیعت کو مطلوبہ استقامت نہ مل سکی، متعدد مرتبہ توبہ شکنی کی اور نئے مرشد کی تلاش میں سرگردانی اختیار کی۔ اسی درمیاں خواجہ بہاؤالدین نقشبند کے طریقہ کی طرف رجحان پیدا ہوا، اس سلسلہ کے ایک بزرگ شیخ باب کبروی سے مستفید ہوئے اور خواجہ عبیداللہ امراء کی کتب ورسائل سے استفادہ کرتے رہے، اس کے بعد شیخ محمد الکنگی سے ملاقات ہوئی اور طبیعت سلسلہ نقشبندیہ کے طریقہ پر جم گئی اور اس طریقہ کے ہو رہے۔

باطنی علوم کی تکمیل اور منازل سلوک کی راہ پیمائی کے بعد آپ نے اس سلسلہ کی اشاعت شروع کی، پہلے ماوراء النہر میں لوگوں کی اصلاح کرتے رہے، پھر ہندوستان کا رخ کیا اور دہلی میں قیام پذیر ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، جذبہ دروں بے تحاشا تھا، آپ کی رباعیات میں ان کے جذب باطن کی جھلک ہر صاحب ذوق محسوس کر سکتا ہے، اس کے ساتھ کسر نفسی بے انتہا تھی، علماء وفضلاء کا غایت درجہ اکرام کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی باطنی کیفیات کو محسوس کر کے ایک مرتبہ ایک خط میں تحریر فرمایا کہ شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں جن کی روشنی میں ہم جیسے گم ہو جائیں گے۔

انکسار اور تواضع کی وجہ سے اکثر لوگوں کو خاص طور پر اہل علم کو ذکر کی تلقین سے بھی اعراض فرماتے تھے، بعض لوگوں نے اپنے مرید ہونے کے واقعات کو جس انداز میں لکھا ہے وہ پوری ایک داستان ہے، اس کے ساتھ حضرت خواجہ میں تحمل وبردباری بھی اعلیٰ درجہ کی تھی، ایک واقعہ مولانا کشمی نے لکھا ہے کہ آپ کے پڑوس میں ایک نوجوان رہتا تھا جو بڑے فسق وفجور میں مبتلا تھا، لیکن آپ اس کی ہر چیز کو برداشت کرتے رہتے تھے، آخر آپ کے ایک مرید نے اس کی شکایت کر کے حکام سے اسے گرفتار کرا دیا، حضرت کو خبر ہوئی تو مرید پر برہم ہوئے اور پوچھا کہ تم نے کیوں اس کی شکایت کی؟ اس نے کہا حضرت وہ بڑا فاسق وفاجر تھا اس لئے میں نے ایک حاکم سے اس کی شکایت کر دی۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی تم اہل صلاح وتقویٰ ہو اس لئے تم کو اس کا فسق وفجور نظر آگیا، ہم نے اپنے آپ کو کبھی اس سے بہتر نہیں سمجھا اس لئے ہم نے اس کی کبھی شکایت بھی نہیں کی۔ اس کے بعد آپ نے کوشش کر کے اس نوجوان کو رہا کرایا، وہ حضرت کے اس احسان سے اتنا متاثر ہوا کہ حضرت کا مرید ہو کر تمام فسق وفجور سے تائب ہو گیا۔

صاحب زبدۃ المقامات نے حضرت کے ایسے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت کی تواضع، انکساری، تحمل، بردباری اور

فروتنی نیز مخلوقات سے محبت اور شیفتگی کی علامت ہیں۔

حضرت کا اصل کارنامہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی تربیت ہے، حضرت خواجہ باقی باللہ نے حضرت مجدد کی ایسی تربیت فرمائی اور سلسلہ نقشبندیہ کو ان کی شکل میں ایسا آفتاب وماہتاب عطا کیا کہ یہ سلسلہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے بلاد اسلامیہ میں پھیل گیا، اور اس کی ضیاپاشی سے سارا مشرق روشن ہو گیا۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کو قدرت کی طرف سے گویا اسی کام کے لئے مامور کیا گیا تھا، آپ نے یہ کارنامہ انجام دیا، اس کے بعد فوراً بعد ہی داعی اجل کا پیغام آن پہنچا اور صرف چالیس سال کی عمر میں 14 جمادی الآخر 1014ھ کو آپ کا انتقال ہو گیا، مزار مبارک دہلی میں ہے اور ہنوز زیارت گاہ خلائق ہے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ نے اصل تصنیفی کام انسانوں کی تصنیف یعنی تربیت رجال کا کیا تھا، صفحہ قرطاس پر روئے خامہ سے انہوں نے بہت کم لکھا، صرف چند رسائل اور کچھ رباعیات ہیں، لیکن ان سے بھی حضرت کے جذب و شوق، ذوق و استغراق اور علمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت کے چند ملفوظات یہ ہیں:

حضرت نے فرمایا کہ اگر کوئی سالک مقام معصیت میں پھنسا ہوا ہے، یا دنیا کی طرف اس کی رغبت کم نہیں ہوتی تو اس کے اندر درج ذیل اسباب میں سے کوئی سبب ضرور ہو گا۔

1. یا وہ بقدر ضرورت معاش پر قانع نہیں ہو گا۔
2. یا عوام کے ساتھ اس کا اختلاط زیادہ ہو گا۔
3. یا اس کے اوقات ذکر الٰہی سے معمور نہیں ہوں گے۔
4. یا وہ خدا سے غیر خدا کا طالب ہو گا۔
5. یا اس کے مجاہدہ نفس میں کمی ہو گی۔
6. یا وہ اپنے احوال و مقامات اور اپنی قوت کو سراہتا ہے۔
7. یا پھر ازلی احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتا ہو گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ توکل یہ نہیں ہے کہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ جائے، یہ تو بے ادبی ہے، توکل کا مطلب ہے سبب کو قائم کرنا، لیکن سبب کو اصل نہ سمجھنا، سبب دراصل دروازے کے قفل کے درجے میں ہے۔

ان کا بڑا کارنامہ شیخ احمد سرہندی کی تعلیم و تربیت تھا، شیخ احمد سرہندی سفر حجاز کے ارادہ سے دہلی آئے لیکن حضرت خواجہ باقی باللہ کی پر اثر شخصیت نے ان کو بہت متاثر کیا، دو ڈھائی مہینہ ان کی صحبت میں رہ کر واپس سرہند آ گئے اور انسانوں کی گلہ بانی کا ارادہ فرمایا، حضرت شیخ احمد سرہندی جو تاریخ میں مجدد الف ثانی کے نام سے جانے جاتے ہیں، ان کے بارے میں ان کے پیر خواجہ باقی باللہ فرماتے تھے کہ شیخ احمد ایسا آفتاب ہے جس کی روشنی میں ہم جیسے ہزاروں ستارے گم ہیں۔ خواجہ باقی باللہ کے انتقال کے بعد ان کی خلافت شیخ احمد سرہندی کو ملی اور وہ سلسلہ نقشبندیہ کے لیے سچ مچ میں آفتاب ہی ثابت ہوئے، انہوں نے اس سلسلہ کو نہ صرف ہندستان بلکہ عالم اسلام کے دیگر گوشوں تک پھیلایا۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنے افکار اور سلسلہ کی اشاعت کے لیے ایک اجتہادی طریقہ اختیار کیا، انہوں نے ایک طرف تو اپنے مریدین کی تعلیم و تربیت کی، دوسری طرف خطوط کا سلسلہ شروع کیا، وہ نہایت تفصیلی خطوط لکھتے تھے جن میں بعض مستقل کتابچے ہیں، ان خطوط کے ذریعہ اپنے افکار کو وہاں تک لے جاتے جہاں تک خود ان کے لیے پہنچنا ممکن نہیں تھا، یہ خطوط بڑی تعداد میں دستیاب ہیں اور مکتوبات امام ابانی کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوئے۔ ان پر بہت سے مطالعات بھی ہوئے اور مختلف زبانوں میں ان کے تراجم بھی ہوئے، حضرت مجد دالف ثانی نے نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں، سلطان جہانگیر نے تزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ: ''شیخ کے عقیدت مند ہندوستان کے تمام شہروں میں پھیل گیے ہیں''۔

حضرت مجد دالف ثانی نے اپنے مریدین اور خلفاء کو ملک کے مختلف حصوں میں متعین کیا تاکہ اس سلسلے کی توسیع کا کام کریں اور کچھ اہم خلفاء کو ہندوستان کے اہم شہروں جیسے لاہور، دہلی، آگرہ، سہارنپور، بدایوں، جونپور، الہ آباد، مکن پور، پٹنہ، منگل کوٹ (بنگال) اور برہان پور وغیرہ میں متعین کیا تاکہ سلسلہ کی اشاعت کے کام کو منظم طریقہ پر کیا جاسکے۔ سلسلہ نقشبندیہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ واحد سلسلہ ہے جو آیا تو ہندوستان کے باہر سے ہی جیسے کے دوسرے سلاسل آئے، لیکن پھر ہندوستان سے دوبارہ باہر گیا اور بلاد اسلامیہ میں پھیلا، اس کے اثرات آج تک ترکی، افغانستان، مصر اور دیگر مسلم علاقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

شیخ احمد سرہندی نے اس سلسلہ کو ہندوستان سے باہر پھیلانے کے لیے بہت سے مریدین کو ہندوستان کے باہر بھی بھیجا، مولانا محمد قاسم کی قیادت میں ستر مریدین ترکستان کی طرف روانہ ہوئے، چالیس مرید حضرت مولانا فرخ حسین کی قیادت میں عرب، یمن، شام اور روم کی طرف بھیجے گئے، دس مرید مولانا محمد صادق کابلی کے زیر قیادت کاشغر کی طرف گئے اور تیس خلفاء مولانا شیخ احمد برکی کی سرداری میں توران، بدخشاں، اور خراساں گئے اور ان حضرات کو اپنے اپنے مقامات پر بڑی کامیابی حاصل ہوئی اور بندگان خدا نے ان سے فائدہ اٹھایا، بہت سے نامی گرامی علماء مشائخ جو اپنے اپنے مقامات پر بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، سفر کی دشوار گذار منزلیں طے کر کے سرہند حاضر ہوئے اور بیعت و استفادہ سے مشرف ہوئے، ان میں شاہ بدخشاں کے معتمد شیخ طاہر بدخشی، طالقان کے جید عالم شیخ عبدالحق شادمانی، مولانا صالح کولابی، شیخ احمد برس، مولانا یار محمد اور مولانا یوسف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے ان میں سے اکثر حضرات کو اجازت عطا فرما کر دعوت و ارشاد کے لیے اپنے اپنے مقامات پر واپس کیا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھی اس سلسلہ کی توسیع و اشاعت کے لیے حضرت مجد دالف ثانی نے بڑی جدوجہد کی، خواجہ میر محمد نعمان کو خلافت عطا کر کے دکن بھیجا، ان کی خانقاہ میں کئی سو سوار اور بے شمار پیادے ذکر و مراقبہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو خلافت عطا فرما کر پہلے سہارن پور پھر شاہی لشکر گاہ آگرہ میں متعین کیا ان کو وہاں قبول عام حاصل ہوا، بہت سے ارکان سلطنت ان کے حلقہ بگوش ہوئے، لشکر کے ہزارہا آدمی مرید ہوئے، ہر روز اس قدر ہجوم ہوتا تھا کہ بڑے بڑے امراء کو مشکل سے شیخ کی زیارت کی نوبت آتی تھی، میر محمد نعمان کشمی کو جو حضرت خواجہ باقی باللہ کے مرید تھے تجویز بیعت و اجازت نامہ مرحمت فرما کر برہان پور روانہ کیا اور آپ وہاں مرجع طالبین بن گئے۔ شیخ طاہر لاہوری کو شہر لاہور کے طالبان معرفت کی رہنمائی کے لیے روانہ کیا، شیخ نور محمد پٹنی کو

اجازت مرحمت فرما کر شہر پٹنہ روانہ فرمایا اور ان سے اس دیار میں ارشاد و ہدایت اور افادہ علوم دینیہ کا سلسلہ جاری ہوا، شیخ حمید بنگالی کو منازل سلوک طے کرا کے بنگال روانہ کیا، شیخ طاہر بدخشی کو تعلیم و تربیت کی اجازت دے کر جونپور روانہ کیا، مولانا احمد برکی کو تعلیم و تربیت کے بعد پٹنہ روانہ کیا، شیخ نور محمد کو دریا گنگا کے کنارے بیعت و ارشاد کے لیے متعین کیا، شیخ حسن برکی بھی اپنے وطن میں اشاعت طریق و سنت پر مامور تھے، سید محب اللہ مانکپوری کو خلافت عطا کر کے مانکپور روانہ کیا، بعد میں وہ حضرت کی اجازت سے الہ آباد میں مقیم ہو گئے۔ اور شیخ کریم الدین بابا حسن ابدالی کو ان کے وطن میں مقرر کیا۔

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ نقشبندیہ سلسلہ کو حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی جدوجہد کر کے پورے ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں پھیلایا۔ اس سلسلہ میں حکومت سے روابط کو بھی ممنوع نہیں سمجھا جاتا تھا، اس لیے حضرت مجدد الف ثانی نے معسکر کے دوران قیام خود جہانگیر کو بھی متاثر کرنے کی کوشش اور بہت سے دیگر امراء کو بھی خطوط لکھ کر اور بالمشافہ بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسلام کی اشاعت میں تعاون کریں، چنانچہ ایسے بہت سے خطوط آپ کے مجموعہ خطوط میں شامل ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کی وفات کے بعد خواجہ معصوم ان کے جانشین ہوئے اور انہوں نے بھی اس سلسلے کی اشاعت کی، انہوں نے بھی اپنے والد کا طریقہ اختیار کیا اور مختلف علاقوں میں اپنے مریدین کو خطوط کے ذریعہ منظم کیا، ان کے مکاتیب کا مجموعہ مکتوبات خواجہ معصوم کے نام سے کئی جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ حضرت خواجہ معصوم کے بعد اس سلسلہ میں مرزا مظہر جان جاناں ایک عظیم شخصیت گذرے ہیں، ان کے علاوہ شاہ غلام علی بھی اس سلسلے کے بڑے اولیاء میں سے ہیں، اس سلسلے میں اور بھی کئی نامور شخصیات گذریں ہیں، لیکن اس سلسلہ کو جو وسعت حضرت خواجہ سرہندی کے عہد میں ہوئی، وہ بعد میں نہیں ہوئی۔

12.3.2 سلسلہ نقشبندیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات

نقشبندیہ سلسلہ میں سب سے اہم کتاب شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات ہیں جو مکتوبات امام ربانی کے نام سے مشہور ہیں، یہ مکتوبات تین جلدوں میں ہیں اور حضرت کے کئی مریدوں نے مرتب کیے ہیں۔ ان کے علاوہ مکتوبات خواجہ معصوم سرہندی بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت کے ساتھ پڑھائی جاتی ہے، متقدمین کی کتابوں میں سے الرسالہ القشیریہ کا مطالعہ بھی ان کے یہاں معمول میں رہا ہے۔

سلسلہ چشتیہ میں جس طرح حکومت سے دور رہنے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے، اس طرح سلسلہ نقشبندیہ میں حکومت شجر ممنوعہ نہیں ہے، بلکہ حکومت کو اور حکومت کے افراد کو دین کی اشاعت اور اپنے افکار کی توسیع کے لیے استعمال کیا گیا، بہت سے امراء اس سلسلہ سے وابستہ ہوئے اور اورنگ زیب عالمگیر کو تو اس سلسلہ سے بڑی عقیدت تھی، وہ خود خواجہ معصوم کی زیارت کے لیے جایا کرتے تھے۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبدالخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے اور بعد میں ان میں کچھ اضافہ کر کے اس کو سلسلہ نقشبندیہ کا بنیادی نصاب اور اس کی بنیادی خصوصیت بنایا، حضرت عبدالخالق غجدوانی کے یہاں یہ آٹھ الفاظ تھے جو اصول ہشتگانہ کہلاتے ہیں: (1) ہوش دردم (2) نظر بر قدم (3) سفر دروطن، (4) خلوت درانجمن (5) یاد کرد (6) بازگشت (7) نگاہ داشت (8) یادداشت، حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند نے اس پر تین کلمات یا اصولوں کا مزید اضافہ کیا یعنی: (9) وقوف عددی (10) وقوف زمانی (11)

اور وقوف قلبی۔

اس طرح نقشبندیہ سلسلہ میں یہ گیارہ بنیادی اعمال وافکار ہیں، ان کی مختصر تشریح اس طرح ہے :

(1) ہوش دردم : ایک بھی سانس بے خبری کے عالم میں نہ لیا جائے

(2) نظر بر قدم : نظر اپنے قدموں پر رہے تاکہ حصول منزل میں کوئی رکاوٹ نہ پڑے

(3) سفر در وطن : اپنے مقام پر رہتے ہوئے سفر اختیار کرنا

(4) خلوت در انجمن : محفل میں بھی اپنی لو صرف اللہ سے لگائے رکھنا

(5) یاد کرد : دل وزبان سے اللہ تعالی کو یاد کرتے رہنا

(6) بازگشت : دل ودماغ میں ہر وقت اللہ کے ذکر کی صدائے بازگشت سنائی دیتی رہے

(7) نگاہ داشت : اپنے اعمال پر ہر وقت نگرانی رکھنا،

(8) یادداشت : اللہ تعالی کو ہر وقت اور ہر حالت میں یاد رکھنا

(9) وقوف زمانی : اپنے قول وفعل کا ہر وقت تجزیہ کرتے رہنا

(10) وقوف عددی : ذکر کے شمار کے ذریعہ دماغ کو بھٹکنے سے روکا جائے

(11) وقوف قلبی : خدا کی یاد اس طرح کی جائے کہ اس کے دل میں کوئی دوسرا خیال نہ آنے دیا جائے

حضرت عبدالخالق غجدوانی جن سے بانی سلسلہ نے یہ افکار اخذ کیے انہوں نے ایک موقعہ پر حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند کو کچھ نصیحتیں کی تھیں، وہی نصیحتیں بانی سلسلہ نے بطور بنیاد تسلیم کرلیں، اور ان میں ضروری ترمیمات بھی کیں، انہوں نے فرمایا کہ:

"تقوی کو اپنا شمار بناؤ، وظائف وعبادات کی پابندی کرو اور احوال کی نگہبانی، اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، حقوق اللہ، حقوق الرسول، حقوق الوالدین، حقوق المشائخ کی ادائیگی کی سعی کرتے رہو تاکہ رضائے الٰہی سے مشرف ہو جاؤ۔۔ قرآن مجید کی تلاوت بلند آواز سے یا آہستہ تفکر، خوف اور گریہ کے ساتھ پابندی سے کرو، تمام امور میں قرآن کی پناہ لو کہ وہ بندوں پر حق تعالی کی حجت ہے، علم فقہ اکابر علم حدیث سے سیکھو، جاہل صوفیوں سے دور رہو کہ وہ دین کے راہزن ہیں، اہل سنت والجماعت اور ائمہ سلف کے مسلک کو اختیار کرو، عورتوں، نوعمر لڑکوں، بدعتیوں اور دولت مندوں سے محبت مت رکھو، کیونکہ یہ دین کو برباد کر دیتے ہیں، فقراء کی صحبت، خلوت نشینی، رزق حلال اور قناعت اختیار کرو، حق تعالی کے جلال کا استحضار رکھو، یوم حساب کو فراموش نہ کرو، نہ کسی کی مدح سے مغرور ہو اور نہ کسی کی مذمت سے غمگیں، لوگوں سے حسن خلق سے پیش آؤ، نہ اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو اور نہ اس کی رحمت سے نا امید ہو، کثرت سے نماز پڑھو، روزے رکھو، مشائخ کی خدمت کرو، ان میں سے کسی کا انکار نہ کرو؛ الا یہ کہ وہ مخالف شرع ہو، جوانمرد اور سخی بنو، بخل وحسد سے بچو، نفس کی ضرورتوں کا خیال رکھو، لیکن نفس کی عزت اور لایعنی کلام سے بچو، کم بولو، کم کھاؤ، اور کم سوؤ۔ سماع میں بہت نہ بیٹھو کہ سماع کی کثرت سے

نفاق پیدا ہوتا ہے اور دل مردہ، سماع کا انکار بھی نہ کرو، سماع جائز نہیں مگر اس شخص کے لیے جس کا دل زندہ اور نفس مردہ ہو، چاہیے کہ تمہارا دل غمگین، بدن بیمار، آنکھیں اشکبار، عمل خالص، دعا مجاہدہ کے ساتھ، کپڑا پرانا، رفیق درویش، گھر مسجد، مال کتب دین، آرائش زہد اور مونس باری تعالی ہو، اس شخص کی صحبت اختیار کر جس میں پانچ خصلتیں ہوں: (1) فقیری کو امیری پر ترجیح دے (2) دین کو دنیا پر ترجیح دے (3) ذلت کو عزت پر ترجیح دے (4) علم ظاہر و باطن کا جاننے والا ہو (5) موت کے لیے تیار ہو۔

یہ شیخ عبدالخالق غجدوانی کی نصیحتیں تھیں، بانی سلسلہ نے ان میں کچھ ضروری ترمیم اور حذف واضافہ فرما کر ان کو سلسلہ نقشبندیہ کے لیے دستورالعمل بنادیا۔

سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار میں ایک اہم اضافہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے، مجدد الف ثانی نے اپنے خطوط میں اس کی جابجا تشریح فرمائی ہے، حضرت مجدد الف ثانی کی رائے ہے کہ سالک کو مقام جمع پر جس فنائیت کا احساس ہوتا ہے، اور وہ دیکھتا ہے کہ سوائے ایک ذات واحد کے اور کچھ موجود ہی نہیں ہے حتی کہ خود سالک کا بھی وجود نہیں ہے، وہ دراصل راہ سلوک کے غلبہ کے نتیجہ میں ایسا محسوس کرتا ہے، ورنہ یہ کیفیت جس سے وہ دوچار ہوتا ہے یہ خود بھی ذات واجب الوجود نہیں ہے؛ بلکہ ایک مخلوق ہے، سالک کو چاہیے کہ اس مقام کو صرف ایک مشاہدہ سمجھے اور اس کو عقیدہ نہ بنائے، چونکہ عقیدہ بنانے کی صورت میں سالک اس مقام پر رک جائے گا، اگر اس کو مشاہدہ سمجھے اور یہ یقین جانے کہ وہ ذات انسان کے مشاہدہ سے ماوراء ہے تو پھر بندہ اس مقام سے گذر جائے گا اور پھر وہ مقام فرق بعد الجمع تک جائے گا، اور یہی مقام دراصل راہ سلوک کی غایت ہے کہ بندہ مقامات سلوک کو طے کر کے پھر مقام عبدیت میں واپس آجائے، راہ سلوک مقام عبدیت سے شروع ہوتی ہے اور مقامات سلوک کو طے کرنے کے بعد دوبارہ مقام عبدیت کے احساس پر مکمل ہوتی ہے، بہت سے متقدمین صوفیہ نے اس کیفیت کو رجوع الی البدایہ سے تعبیر کیا ہے اور بعض نے اس کو فرق ثانی یا فرق بعد الجمع کی اصطلاح سے واضح کیا ہے۔

شیخ احمد سرہندی فرماتے ہیں کہ مقام جمع پر بندہ جس وحدت کا ادراک کرتا ہے وہ صرف مشاہدہ ہوتا ہے حقیقت نہیں، اس لیے انہوں نے اس کو وحدۃ الشہود کہا، اور وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والے صوفیہ پر تنقید کی۔

12.4 فرہنگ

وسیع المشربی	:	آزاد خیال، روشن ضمیر، کھلے ذہن کا،
ضوفشانی	:	روشنی دینا، چمکنا
بود وباش	:	جائے سکونت، قیام گاہ
سَرگرُدانی	:	حیرانی، پریشانی، اِدھر اُدھر پھرنا، تشویش، فِکر
فِسق وفُجُور	:	بدکاری، گمراہی، بدچلنی

تائِب : توبہ کرنے والا، گناہ سے باز آنے والا، برائی سے دستکش

فِروتنی : عاجزی، تواضع، انکساری، رعایت، شائستگی، خاکساری، فرمانبرداری

12.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- تصوف کے مشہور سلاسل پانچویں صدی ہجری میں وجود میں آئے۔ ان میں کئی سلسلے کافی مقبول عام ہوئے اور آج بھی ان کا وجود باقی ہے۔ ان میں چار سلسلے بہت زیادہ شہرت رکھتے ہیں۔ قادریہ سہروردیہ، چشتیہ اور نقشبندیہ۔
- صوفیہ کے جن سلاسل کو ہندوستان میں غیر معمولی مقبولیت ملی ان میں سلسلہ چشتیہ سب سے زیادہ مشہور ہے، سلسلہ چشتیہ کی بنیاد خواجہ اسحاق چشتی نے افغانستان کے شہر چشت میں رکھی، حضرت خواجہ اسحاق چشتی حضرت ممشاد علوی دینوری کے خلیفہ تھے۔
- خواجہ معین الدین اجمیریؒ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے پہلے بزرگ تھے۔ آپ نے اجمیر سے اپنی تعلیمات عام کیں اورر ایک کثیر طبقے کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ آپ تصوف کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تصوف نہ علم ہے اور نہ رسم، بلکہ ایسے اخلاق کا نام ہے جو ہر لحاظ سے مکمل ہو۔
- حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان ایک طویل سیاحت کر کے لاہور ملتان اور دہلی ہوتے ہوئے اجمیر میں قیام پذیر ہوئے اور مدت العمر اسی شہر میں مقیم رہے، یہاں رہ کر آپ نے اس سلسلہ کو برصغیر میں پھیلایا، اور اس کی تعلیمات کے ذریعہ دکھی دلوں کے لیے مرہم کا کام کیا۔
- حضرت خواجہ معین الدین کے بہت سے خلفاء ومجازین ہیں؛ لیکن چشتیہ سلسلہ کی اشاعت میں دو خلفاء کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے، ایک حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اور دوسرے حضرت صوفی حمید الدین ناگوری۔
- سید محمد گیسو دراز جو خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے بھی معروف ہیں ان کا کارنامہ صرف چشتیہ سلسلہ کی اشاعت نہیں تھا، بلکہ تاریخ میں وہ اپنے دیگر کارناموں کی وجہ سے بھی معروف ہیں، خاص طور پر اردو نثر کی پہلی کتاب لکھ کر انہوں نے اردو نثر نگاری کا آغاز کیا، ان کی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے
- سلسلہ چشتیہ میں جو نصاب تربیت وضع کیا گیا ہے اس میں کتابی اعتبار سے، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب عوارف المعارف کا رواج ہے، یہ کتاب شروع سے ہی اس سلسلہ میں رائج رہی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت داتا گنج بخش کی کتاب کشف المحجوب کو بھی اس سلسلہ میں خاص اہمیت دی جاتی ہے، اس کے علاوہ حضرت خواجہ اجمیری، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، بابا فرید اور حضرت نظام الدین اولیاء نیز حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے ملفوظات جو مشائخ چشت کی اصطلاح میں ''ہشت بہشت'' کہلاتے ہیں ان کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔

- سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح وحدۃ الوجود کو خاص اہمیت حاصل تھی، وحدت الوجود کے معاملے میں چشتیہ صوفیہ پر ابن عربی کا اثر ہے، شیخ عبد القدوس گنگوہی اور شاہ محب اللہ الہ آبادی تو اس نظریہ کے زبردست شارح رہے ہیں، علماء دیوبند میں سے مولانا اشرف علی تھانوی نے وحدت الوجود کی حمایت کی۔
- سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ محمد بن محمد بہاؤالدین البخاری ہیں بخارا کے قریب ایک گاؤں جو پہلے کشک ہندواں کہلاتا تھا اس میں ان کی ولادت ہوئی، بعد میں اس کا نام کشک عارفاں ہو گیا، نسبت نقشبندیہ کے سلسلے میں متعدد اقوال ہیں، بعض نے کہا ہے "علم الٰہی کی لاثانی تصویر کھینچنے والا" بعض نے لکھا ہے "اپنے دل میں کمال حقیقی کا نقش رکھنے والا' بعض نے اس کی اور بھی تشریحات کی ہیں۔
- سلسلہ نقشبندیہ کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبد الخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے اور بعد میں ان میں کچھ اضافہ کر کے اس کو سلسلہ نقشبندیہ کا بنیادی نصاب اور اس کی بنیادی خصوصیت بنایا، حضرت عبد الخالق غجدوانی کے یہاں یہ آٹھ الفاظ تھے جو اصول ہشتگانہ کہلاتے ہیں:(1) ہوش دردم (2) نظر بر قدم (3) سفر دروطن، (4) خلوت درانجمن (5) یاد کرد (6) بازگشت (7) نگاہ داشت (8) یادداشت، حضرت محمد بہاؤالدین نقشبند نے اس پر تین کلمات یا اصولوں کا مزید اضافہ کیا یعنی: (9) وقوف عددی (10) وقوف زمانی (11) اور وقوف قلبی۔
- نقشبندیہ سلسلہ کو حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی جدوجہد کر کے پورے ہندوستان اور بلاد اسلامیہ میں پھیلایا۔ اس سلسلہ کے بنیادی افکار میں ایک اہم اضافہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کا نظریہ وحدۃ الشہود ہے، مجدد الف ثانی نے اپنے خطوط میں اس کی جابجا تشریح فرمائی ہے۔
- اس سلسلہ میں حکومت سے روابط کو بھی ممنوع نہیں سمجھا جاتا تھا، اس لیے حضرت مجدد الف ثانی نے معسکر کے دوران قیام خود جہانگیر کو بھی متاثر کرنے کی کوشش اور بہت سے دیگر امراء کو بھی خطوط لکھ کر اور بالمشافہ بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ اسلام کی اشاعت میں تعاون کریں، چنانچہ ایسے بہت سے خطوط آپ کے مجموعہ خطوط میں شامل ہیں۔

12.6 نمونہ امتحانی سوالات

12.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. سلسلہ چشتیہ کے بانی.....ہیں۔

(a). محمد علی دینوری (b). خواجہ ابو نجیب (c). معین الدین چشتی (d) اسحق چشتی

2. ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے پہلے معروف بزرگ-----ہیں۔

(a). امام علی ہجویری (b). خواجہ معین الدین (c). بہاؤالدین زکریا (d). خواجہ نظام الدین اولیا

3. سلسلہ چشتیہ میں بھی دیگر اکثر سلاسل کی طرح-----کو خاص اہمیت حاصل تھی۔

(a). وحدۃ الوجود (b). وحدۃ الشہود (c). اصول ہشتگانہ (d). سبھی

4. ہشت بہشت میں------کے ملفوظات ہیں جو چشتیہ سلسلہ میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

(a). خواجہ اجمیری (b). بختیار کاکی (c). خواجہ فرید (d). سب صحیح

5. خواجہ-------اردو نثر کی پہلی کتاب معراج العاشقین اردو نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے۔

(a). محمد گیسو دراز (b). چشتی اجمیری (c). نظام الدین اولیا (d)سب صحیح

6. امام--------نے وحدۃ الوجود کے مقابل وحدۃ الشہود کا نظریہ پیش کیا۔

(a). خواجہ باقی باللہ (b). احمد سرہندی (c). محمد الحسینی (d). شیخ عبد القادر

7. -------سلسلہ کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ وہ انگشت شہادت سے دل پر لفظ اللہ کا نقش بناتے ہیں۔

(a). سلسلہ قادریہ (b). سلسلہ چشتیہ (c). سلسلہ سہروردیہ (d). سلسلہ نقشبندیہ

8. ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ لانے والے بزرگ--------ہیں؟

(a). خواجہ معین الدین چشتی (b). شہاب الدین سہر دردی (c). خواجہ باقی باللہ (d). خواجہ عبد القادر

9. -----کے بنیادی افکار بانی سلسلہ نے حضرت عبد الخالق غجدوانی سے اخذ کیے تھے۔

(a). سلسلہ قادریہ (b). سلسلہ چشتیہ (c). سلسلہ سہروردیہ (d). سلسلہ نقشبندیہ

10. مکتوبات امام ربانی--------سلسلے کی سب سے اہم کتاب ہے۔

(a). سلسلہ قادریہ (b). سلسلہ چشتیہ (c). سلسلہ سہروردیہ (d). سلسلہ نقشبندیہ

12.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. سلسلہ چشتیہ کا مختصر تعارف پیش کیجیے۔
2. ہندوستان میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صوفیا پر تبصراتی مضمون لکھیے۔
3. سلسلہ نقشبندیہ کی بنیادی تعلیمات پر ایک تجزیاتی نوٹ تحریر کیجیے۔
4. مکتوبات امام ربانی کا تعارف اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔
5. سلسلہ چشتیہ اور سلسلہ نقشبندیہ کی نصابی کتب اور تعلیمات کا جائزہ پیش کیجیے۔

12.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. سلسلہ چشتیہ کے آغاز وارتقا اور اس کی تعلیمات پر ایک نوٹ تحریر کیجیے۔

2. سلسلہ نقشبندیہ پر ایک جامع مضمون قلم بند کیجیے۔
3. امام مجدد الف ثانی کی حیات و خدمات پر ایک جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

12.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تصوف اسلام : عبد الماجد دریابادی
2. تزکیہ، احسان : مولانا ابو الحسن علی الندوی
3. نزہۃ الخواطر : عبد الحئ
4. مکتوبات امام ربانی : مجدد الف ثانی (ترجمہ)

معروضی سوالات کے جوابات:

1. D	2. B	3. A	4. D	5.A
6.B	7.D	8.C	9.D	10. D

اکائی 13: تصوف کے مشہور صوفیا حصہ اول: علی ہجویری، خواجہ معین الدین

اکائی کے اجزا:

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 تعارف

13.3 سید علی عثمان بن ہجویری

13.4 خواجہ معین الدین چشتی

13.5 فرہنگ

13.6 اکتسابی نتائج

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

13.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

13.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

13.0 تمہید

ہندوستان میں تصوف کی تاریخ انتہائی اہم اور متاثر کن ہے، جس میں صوفیاء کی تعلیمات نے روحانیت اور انسانیت کے پیغامات کو جلا بخشی۔ تصوف کی روشنی ہندوستان میں اس وقت پھیلی جب عظیم صوفی بزرگوں نے اپنی زندگیوں کو اللہ کی رضا کے لئے وقف کیا اور محبت، امن، اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔ اسلامی روحانیت اور تصوف کی تاریخ میں بعض شخصیات ایسی ہیں جنہوں نے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا بلکہ آنے والی صدیوں کے فکری اور روحانی دھارے کو بھی نئی سمت عطا کی۔ برصغیر میں تصوف کے فروغ میں شیخ علی بن عثمان (داتا گنج بخش)

اور خواجہ معین الدین چشتی کا کردار انتہائی اہم اور نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہ دونوں بزرگ نہ صرف اپنے علمی و روحانی کمالات کے باعث معروف ہوئے بلکہ انہوں نے انسان دوستی، محبت، رواداری اور خدمتِ خلق جیسے اعلیٰ انسانی اقدار کو عام کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

داتا گنج بخش کا تعلق غزنی سے تھا اور انہوں نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کشف المحجوب" کے ذریعے تصوف کے اصول و مبادی کو ایک منظم شکل میں پیش کیا۔ وہ برصغیر میں تصوف کے اولین مبلغین میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے لاہور کو اپنی روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ ان کی تعلیمات میں شریعت اور طریقت کے امتزاج پر خاص زور دیا گیا ہے، جس کے ذریعہ انہوں نے تصوف کو ایک معتدل اور قابلِ عمل راستہ بنایا۔ ان کی خانقاہ علم و عرفان کا مرکز بنی جہاں ہر طبقے کے لوگ بلا امتیاز آتے اور روحانی فیض حاصل کرتے تھے۔

دوسری جانب خواجہ معین الدین چشتی جنہیں خواجہ غریب نواز کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، چشتی سلسلے کے عظیم پیشوا تھے جنہوں نے اجمیر کو اپنی تبلیغی و روحانی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ انہوں نے محبت، اخوت اور مساوات کا پیغام عام کیا اور خاص طور پر معاشرے کے محروم اور کمزور طبقات کی خدمت کو اپنی تعلیمات کا محور بنایا۔ ان کی خانقاہ نہ صرف ایک روحانی مرکز تھی بلکہ ایک سماجی ادارہ بھی تھی جہاں بھوکوں کو کھانا، ضرورت مندوں کو مدد اور پریشان حال لوگوں کو سکون فراہم کیا جاتا تھا۔

ان دونوں صوفیاء کی تعلیمات میں کئی مشترکہ پہلو پائے جاتے ہیں، جیسے انسانیت سے محبت، مذہبی رواداری، اور باطنی اصلاح پر زور۔ تاہم ان کے طریقہ کار اور اندازِ تبلیغ میں کچھ فرق بھی موجود تھا، جو تصوف کی وسعت اور تنوع کو ظاہر کرتا ہے۔ داتا گنج بخش نے علمی و نظریاتی بنیادوں پر تصوف کو مستحکم کیا، جبکہ خواجہ معین الدین چشتی نے عملی طور پر عوامی سطح پر اسے فروغ دیا۔

مجموعی طور پر، داتا گنج بخش اور خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیات برصغیر میں تصوف کی تاریخ کا ایک روشن باب ہیں۔ ان کی تعلیمات آج بھی نہ صرف مذہبی بلکہ سماجی ہم آہنگی اور انسانی بھائی چارے کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا مطالعہ نہ صرف تاریخی اہمیت رکھتا ہے بلکہ موجودہ دور کے لیے بھی بے حد معنویت رکھتا ہے۔

ماخذ

داتا گنج بخش اور خواجہ معین الدین چشتی کی حیات و تعلیمات کو سمجھنے کے لیے مختلف تاریخی، صوفیانہ اور ادبی مصادر نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ ان مصادر کی مدد سے نہ صرف ان بزرگوں کی شخصیات کا جامع مطالعہ ممکن ہوتا ہے بلکہ برصغیر میں تصوف کے ارتقاء کو بھی بہتر طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔ ان میں سب سے بنیادی اور معتبر ماخذ کشف المحجوب (Kashf al-Mahjub) ہے، جس کے مصنف خود داتا گنج بخش ہیں۔ یہ کتاب برصغیر ہند و پاک میں تصوف پر فارسی روایت کی اولین اور مستند تصانیف میں شمار ہوتی ہے، جس میں صوفیاء کے حالات، ان کے نظریات، اور سلوک کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ "کشف المحجوب" نہ صرف داتا گنج بخش کی ذاتی فکر کی عکاس ہے بلکہ اس سے ابتدائی صوفی روایت کی جھلک بھی ملتی ہے۔

اسی طرح خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح اور تعلیمات کے لیے سیر الاولیاء (Siyar al-Awliya)، سیر العارفین (Siyar al- Arifin) اور اخبار الاخیار (Akhbar al-Akhyar) جیسے مصادر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سیر العارفین شیخ حمید بن فضل المعروف

جمالی کمبوہ کی ایک اہم اور معتبر تصنیف ہے جو 16ویں صدی کی اوائل میں لکھی گئی، اس کتاب میں پہلی بار خواجہ معین الدین چشتی کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں نسبتاً مفصل معلومات ملتی ہے۔ عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف "اخبار الاخیار" میں برصغیر کے صوفیاء کی حالات زندگی کو بڑی تحقیق اور عقیدت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جس میں خواجہ غریب نواز کی شخصیت اور ان کے فیوض و برکات کا بھی تفصیلی ذکر ملتا ہے۔ ان کتابوں کے ذریعے ہمیں چشتی سلسلے کے فروغ، اس کے اصولوں اور عوامی مقبولیت کے اسباب کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

مزید برآں، چشتیہ سلسلے کے دیگر بزرگوں کے ملفوظات بھی ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں، جیسے فوائد الفواد (Fawaid al-Fuad)، جو نظام الدین اولیاء کی مجالس کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ یہ براہِ راست خواجہ معین الدین چشتی کے عہد سے متعلق نہیں، لیکن اس میں چشتیہ سلسلے کی روح، تعلیمات اور طرزِ عمل کی جھلک واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس طرح کے ملفوظات صوفی تعلیمات کو عملی اور روزمرہ زندگی کے تناظر میں سمجھنے میں مدد دیتے ہیں۔

تاریخی نقطۂ نظر سے طبقات ناصری (Tabaqat-i Nasiri) اور دیگر عہد وسطیٰ کی تواریخ بھی اہم ہیں، جو اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کو بیان کرتی ہیں۔ ان کے ذریعے ہمیں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیاء نے کس طرح اپنے ماحول میں رہتے ہوئے عوامی سطح پر اثر ڈالا۔ علاوہ ازیں جدید محققین کی تحریریں، تحقیقی مقالے اور جامعاتی مطالعات بھی ان موضوعات پر نئی روشنی ڈالتے ہیں اور روایتی بیانیے کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہیں۔

ان تمام مصادر کے مجموعی مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ داتا گنج بخش اور خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیات کو سمجھنے کے لیے صرف ایک ہی ماخذ کافی نہیں، بلکہ مختلف النوع کتب، ملفوظات اور تاریخی دستاویزات کو یکجا کر کے ایک جامع تصویر قائم کی جاسکتی ہے۔ یہی تنوع اور وسعت ان کے مطالعے کو مزید گہرائی اور معنویت عطا کرتی ہے۔

13.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- سید علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی کی سوانح حیات و علمی خدمات نیز انکی عوامی خدمات سے آگاہی حاصل کریں۔
- سید علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیات کا جائزہ لیں اور ان بزرگوں کی زندگی، ان کے کردار اور ان کی تعلیمات کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور ان کے اثرات کو جان سکیں۔
- یہ سمجھیں کہ علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی کی تعلیمات نہ صرف مسلمانوں بلکہ تمام انسانیت کے لئے تھیں، جنہوں نے محبت، امن، رواداری اور بھائی چارے کا پیغام دیا۔
- جائزہ لیں کہ ہندوستان میں تصوف کس طرح مقبول ہوا اور اس نے معاشرتی، ثقافتی اور مذہبی سطح پر کس قدر اثر ڈالا۔

13.2 تعارف

تصوف ایک قدیم روحانی روایت ہے، جس کا آغاز اسلام کے ساتھ ہوا اور اس نے ایک منفرد روحانی رنگ اختیار کیا۔ تصوف کے پیروکاروں نے اپنی تعلیمات کے ذریعے انسانیت کی خدمت، اللہ کے ساتھ گہرا تعلق، محبت اور امن کے پیغامات کو پھیلایا۔ تصوف نہ صرف مسلمانوں کے لئے ایک روحانی مشق تھی بلکہ اس نے ہندوستان کے مختلف مذہبی اور ثقافتی منظر نامے کو بھی گہرائی سے متاثر کیا۔ ہندوستان میں تصوف کی تاریخ اور اس کے ارتقائی مراحل میں مختلف اہم دور آتے ہیں جن میں اس کے آغاز، پھیلاؤ اور ترقی کا عمل شامل ہے۔

ہندوستان میں تصوف کا آغاز 10ویں اور 11ویں صدی میں ہوا۔ ہندوستان کے ابتدائی صوفیاء میں شیخ سیف الدین گزرونی (متوفیٰ 1007ء)، شیخ اسماعیل لاہوری (متوفیٰ 1057ء) اور سید حسین زنجانی، سید علی ہجویری (داتا گنج بخش)، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت بابا فرید (متوفیٰ 1265ء)، اور دیگر اہم شخصیات کا شمار ہوتا ہے، جنہوں نے ہندوستان میں تصوف کے پیغام کو پھیلایا۔ 12ویں اور 13ویں صدی میں ہندوستان میں تصوف کی تعلیمات زیادہ مستحکم اور منظم ہو گئیں۔ اس دور میں خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے متبعین نے تصوف کو ایک مکمل نظام میں ڈھالا۔ چشتی سلسلہ ہندوستان میں سب سے زیادہ مقبول ہوا، جس نے اس وقت کی ہندوستانی معاشرت میں گہرا اثر چھوڑا۔ اس دور میں تصوف کا اثر مختلف طریقوں میں ظاہر ہوا، جیسے "سماع" اور "ذکر" کی عبادات جو صوفیاء کے ذریعے مقبول ہوئیں۔ اسی طرح 13ویں اور 14ویں صدی میں نظام الدین اولیاء جیسی شخصیت پیدا ہوئیں جنہوں نے چشتی سلسلہ کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا نیز ہندوستان میں تصوف کو عروج حاصل ہوا۔ اس دور میں مختلف صوفی سلسلے (مثلاً چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی) ہندوستان میں وسیع پیمانے پر پھیل گئے۔

13.3 سید علی عثمان بن ہجویری

سید حسین زنجانی کے ایک کم عمر ہم عصر اور ہم مکتب، ابوالحسن علی بن عثمان غزنوی ہجویری، جو داتا گنج بخش (یعنی خزانہ عطا کرنے والے) کے نام سے بھی معروف ہیں، ہر لحاظ سے پنجاب کے ابتدائی صوفیوں میں سب سے ممتاز تھے۔ ہجویری کی زندگی اور ذریعۂ معاش کا بیشتر حصہ ماضی کے دھندلکے میں پوشیدہ ہے۔ تاہم، ان کی تصنیف کشف المحجوب میں بکھری ہوئی معلومات کی بنیاد پر ہم ان کی حیات کا ایک مختصر خاکہ مرتب کر سکتے ہیں۔ انہوں نے غزنی کی دو بستیوں ہجویر اور جلاب میں ابتدائی عمر گزاری اسی لیے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ سفینۃ الاولیاء میں داراشکوہ نے علی ہجویری اور جلابی نام کے بنسبت لکھا ہے کہ "چونکہ علی ہجویری کی والدہ کا تعلق ہجویر سے تھا اور والد کا تعلق جلاب سے تھا۔ سید علی ہجویری 1009ء مطابق ماہ ربیع الاوّل 400 / 401 ہجری میں شہر غزنی کی ایک بستی ہجویر میں پیدا ہوئے۔ ولادت کے متعلق مستند تاریخ کسی بھی کتاب میں درج نہیں ہے۔

ابتدائی تعلیم اور لاہور میں قیام

انہوں نے اپنے عہد کے چند ممتاز علماء کی صحبت میں تعلیم و تربیت حاصل کی اور علوم ظاہر و باطن دونوں میں مہارت پیدا کی، لیکن

ان کے دل میں ابو القاسم گرگانی، ابو العباس اشکانی اور خواجہ مظفر کے لیے خاص عقیدت اور گہرا احترام پایا جاتا تھا۔ ابو الفضل ختّالی نے انہیں تصوف کی باقاعدہ تربیت دی اور سلوک و معرفت کی راہوں سے روشناس کرایا۔

سیاحت کے شوق نے انہیں مختلف علاقوں تک پہنچایا، چنانچہ انہوں نے عراق، ایران، شام اور وسط ایشیاء میں طویل عرصہ قیام کیا، جہاں انہوں نے متعدد مشائخ سے ملاقاتیں کیں اور روحانی فیوض و برکات حاصل کیں۔ بالآخر طویل سیاحت اور علمی و روحانی تجربات کے بعد وہ لاہور میں سکونت پذیر ہو گئے، جہاں انہوں نے اپنی زندگی تصنیف و تالیف، رشد و ہدایت اور عوام کی اصلاح کے لیے وقف کر دی۔ لاہور میں علی ہجویری کی آمد کی درست تاریخ کے بارے میں کوئی مستند معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم چونکہ ان کے شیخ (روحانی مرشد) ابو الفضل ختّالی کا وصال 1061ء میں ہوا تھا، اور وہ اپنے مرشد ہی کے حکم پر لاہور تشریف لائے تھے، اس بنا پر یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ یقیناً 1061ء سے قبل لاہور پہنچ چکے تھے۔ لاہور میں ان کا قیام زیادہ خوشگوار ثابت نہ ہوا۔ یہاں اپنے ہم عصر صوفیوں اور اہلِ علم کے ساتھ ہونے والی علمی و فکری مجالس سے انہیں خاطر خواہ اطمینان حاصل نہ ہوتا تھا، بلکہ وہ خود کو "ضلع لاہور کے غیر مانوس اور کم آمیز لوگوں کے درمیان محصور" محسوس کرتے تھے۔ وہ اکثر ان کتابوں کے مطالعے کے لیے بے قرار رہتے تھے جنہیں وہ غزنی میں چھوڑ آئے تھے، اور اپنے شیخ کی زیارت کے لیے وقفے وقفے سے وہاں حاضری دیتے رہتے تھے۔ جب ان کے مرشد نے آخری سانس لی، اس وقت ہجویری ان کے پاس ہی موجود تھے، جو ان کی گہری عقیدت و وابستگی کی روشن دلیل ہے۔

مسجد کی تعمیر اور تبلیغ دین

لاہور میں آپ نے عبادت، ریاضت، علم کی تدریس اور دین کی تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ جہاں آج آپ کا مزار واقع ہے، وہیں ایک مسجد تعمیر کروائی اور اپنی بقیہ زندگی دین اسلام کی اشاعت اور عوام کی روحانی تربیت کے لئے وقف کر دی۔ سید علی ہجویری نے لاہور میں جس مسجد کی بنیاد رکھی، اس کی تعمیر کے تمام اخراجات خود برداشت کیے۔ نہ صرف مالی اخراجات کی ذمہ داری سنبھالی، بلکہ ایک عام مزدور کی طرح جسمانی مشقت میں بھی شریک رہے۔ یہ مسجد ایک وسیع دالان پر مشتمل تھی اور اس کی چھت لکڑی سے بنائی گئی تھی۔ شہزادہ دارا شکوہ اپنی معروف تصنیف سفینۃ الاولیا میں بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد 431 ہجری میں تعمیر ہوئی۔ ان کے مطابق اس مسجد کا محراب معمولی سا جنوب کی جانب مائل تھا، جو عام مساجد کے قبلے سے مختلف تھا۔ اس پر وقت کے علمائے دین نے اعتراض کیا اور کہا کہ قبلہ درست نہیں ہے۔ سید علی ہجویری نے ان علما کو مدعو کیا اور خود نماز کی امامت فرمائی۔ نماز کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا: "اب خود دیکھو کہ خانہ کعبہ کس سمت واقع ہے؟" اس لمحے ایک روحانی کیفیت طاری ہوئی اور تمام حجابات ہٹ گئے اور خانۂ کعبہ سب کے سامنے نمایاں ہو گیا۔ یہ روحانی کرامت دیکھ کر تمام علما نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور معذرت کی۔ اس واقعے کے بعد آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پھیل گئی۔

خدمت خلق

قیام لاہور کے بعد یہ مسجد عوام کی تربیت و اصلاحی کاموں کا مرکز بن گئی، جہاں سے تصوف کی شکل میں اسلام کی اخلاقی و روحانی

تعلیمات کی روشنی نہ صرف لاہور بلکہ پورے برصغیر میں پھیل گئی۔ سید علی ہجویری کی لاہور تشریف آوری کے وقت شہر کی آبادی نہایت کم، عمارتیں سادہ اور مسطح تھیں۔ لاہور محمود پور کے نام سے جانا جاتا تھا۔ برصغیر میں متعدد چھوٹی بڑی ریاستیں قائم تھیں، جن میں شمالی علاقہ جات غزنوی سلطنت کے زیرِ اثر تھے۔ دیگر اکثر ریاستوں پر راجپوت حکمران مسلط تھے۔ لاہور شہر کا نائب حکمران بھی ایک راجپوت تھا جس کا نام "رائے راجو" تھا۔ ذات پات کی تفریق اس قدر شدید تھی کہ مختلف طبقات ایک دوسرے کے جانی دشمن بن چکے تھے۔ لاہور کے گرد و نواح کی زمینیں آریائی قوم کی ملکیت تھیں، جو مقامی سطح پر ایک بااثر ذات سمجھی جاتی تھی۔

سید علی ہجویری کی لاہور آمد کے بعد تبلیغ اسلام میں مزید اضافہ ہوا، اور بہت کم مدت میں عوام کی ایک بڑی جماعت حلقہ بگوشِ اسلام ہو کر آپ کی معتقد ہوئی۔ لاہور میں ایک قدیم دروازہ تھا جسے راجپوت بھاٹی دروازہ کے نام سے پکارتے تھے، لیکن آگے چل کر یہ دروازہ علی ہجویری دروازہ کے نام سے موسوم ہو گیا۔ یہ تبدیلی بھاٹی یا بھٹی راجپوتوں کو سخت ناگوار گزری، جن کا اس علاقے پر تاریخی حق تھا۔ اس وقت لاہور کے راجہ، جے سنگھ راجپوت تھے، جنہوں نے بھاٹی دروازے کا نام تبدیل کر کے "جے سنگھ دروازہ" رکھ دیا۔ جب سید علی ہجویری کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے عمائدین کو جمع کیا اور فرمایا کہ نام کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک کہ دلوں میں انقلاب نہ آئے۔ آپ نے کہا: "آپ لوگ جو بھی نام رکھیں، ہمیں منظور ہے" پھر آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر پرانا نام یعنی "بھاٹی دروازہ" ہی برقرار رکھا جائے تو بہتر ہو گا، کیونکہ بھاٹی قوم کا اس دروازے پر زیادہ حق ہے، جو صدیوں سے یہاں آباد ہیں۔ اس فیصلے سے راجہ جے سنگھ بہت متاثر ہوا، اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد تقریباً تمام بھٹی راجپوت بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

تصانیف

سیر و سیاحت کی وجہ سے آپ میں لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنی پہلی تصنیف بارہ سال کی عمر میں لکھی۔ آپ کی چند کتابیں درج ذیل ہیں:

1۔ کشف المحجوب۔ 2 کشف الاسرار۔ 3 دیوان ہجویری۔ 4 الرعایۃ لحقوق اللہ۔ 5 کتاب الفناء و بقاء۔ 6 اسرار الخرق والمؤنات۔ بحر القلوب وغیرہ شامل ہیں۔ اس وقت کشف المحجوب اور کشف الاسرار کے سوا آپ کی کوئی بھی تصنیف محفوظ نہیں۔

کشف المحجوب، علی ہجویری کی تمام تصانیف میں سب سے زیادہ اہم، مقبول اور جامع کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب جزوی طور پر ان کے ایک ہم شہری ابو سعید ہجویری کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی، جنہوں نے تصوف کی حقیقت، اس کے مفہوم اور اس کی مختلف حالتوں و مقامات کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ مصنف کا بنیادی مقصد تصوف کی ایک مستند اور واضح تصویر پیش کرنا تھا۔ اپنے دور میں پنجاب میں تصوف کی صورتِ حال کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس بات کے قائل تھے کہ تصوف پر ایک معیاری اور مستند کتاب لکھنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ انہیں محسوس ہوا کہ لاہور میں بہت سے لوگ تصوف کے اصل مقصد (یعنی اللہ کی معرفت، زہد اور اخلاقی پاکیزگی) سے ہٹ کر صرف ظاہری باتوں میں الجھ گئے ہیں: وہ لکھتے ہیں

"ہم جانتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں، خاص طور پر اس خطے میں، علمِ تصوف تقریباً ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ

دنیاوی خواہشات اور لذتوں میں مبتلا ہو چکے ہیں اور زہد و ترکِ دنیا کے راستے سے دور ہو گئے ہیں، جبکہ علما اور خود کو عالم کہنے والے افراد نے تصوف کی ایسی تعبیر پیش کی ہے جو اس کے اصل اصولوں کے خلاف ہے۔"

اس کتاب کے تقریباً پچیس ابواب ہیں، جن میں ہجویری نے نہایت سادہ اور مؤثر انداز میں تصوف کے بنیادی اصولوں، طریقوں اور باریکیوں کو بیان کیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے قدیم اور زمانہ حال کے بڑے صوفیوں کے حالاتِ زندگی کو بھی مختصر مگر پُر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔ وہ اکثر ان بزرگوں کے واقعات نقل کرتے ہیں اور ان کی روحانی عظمت کو اجاگر کرتے ہیں، پھر ہر باب کے آخر میں ان کے اقوال درج کر کے تصوف کی اصل روح کو واضح کرتے ہیں۔ چودھویں باب میں، جسے رینالڈ اے نکل سن (Renold A. Nicholson) نے پوری کتاب کا سب سے منفرد حصہ قرار دیا ہے، تصوف کے بارہ مکاتبِ فکر اور ان کے اصول بیان کیے گئے ہیں۔ آخری ابواب میں صوفی راستہ کی مختلف منزلوں (جنہیں مصنف "حجاب" یا پردے سے تعبیر کرتے ہیں) کی وضاحت کی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ ایک سالک کس طرح ان مراحل سے گزرتا ہے۔ ہر باب میں ہجویری اپنے دور کے صوفی نظریات کا جائزہ لیتے ہیں، ان کی خوبیوں اور کمزوریوں کو بیان کرتے ہیں اور اپنی رائے بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ بار بار اس بات پر زور دیتے ہیں کہ محض ظاہری عبادات یا رسموں پر عمل کرنا کافی نہیں، بلکہ جب تک انسان دنیاوی خواہشات اور نفس کی طلب کو ترک نہ کرے، اس وقت تک روحانی کامیابی ممکن نہیں۔

اس کتاب میں اسلامی عقائد، علمِ دین اور تصوف پر ہجویری کی گہری گرفت صاف نظر آتی ہے۔ علم و معرفت کے سفر میں انہوں نے جن مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کیا، ان میں محبت اور درد دونوں شامل تھے—اور یہی کیفیت ان کی تحریر کو دلکش اور اثر انگیز بنا دیتی ہے۔

کشف المحجوب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کتاب نے علی ہجویری کو عظیم صوفی مفکرین، جیسے ابو حامد غزالی اور عبد القادر جیلانی کی صف میں نمایاں مقام عطا کیا۔ یہاں تک کہ نظام الدین اولیاء کا یہ قول بھی معروف ہے کہ: "جو شخص راہِ حق پر چلنے کے لیے کسی کامل رہنما کو نہ پا سکے، اسے کشف المحجوب کا مطالعہ کرنا چاہیے"۔ نظام الدین اولیاء کی یہ رائے اس عظیم کتاب کی اہمیت، افادیت اور دیرپا اثرات کو بخوبی ظاہر کرتی ہے۔

تعلیمات و ارشادات

سید علی ہجویری کی تعلیمات و ارشادات اکثر انکی مایہ ناز تصنیف کشف المحجوب میں پائی جاتی ہیں۔ آپ نے عقلی اور فلسفیانہ پیچیدہ مباحث سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی تصنیف میں صاف اور واضح انداز میں اسلام کی دعوت دی ہے۔ اس کتاب میں شریعت اور سنت کی اہمیت اور ان کی پیروی کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ ان کا یہ عقیدہ تھا کہ شریعت اور سنت سے باہر کوئی عمل یا سوچ نہ صرف غلط ہے بلکہ اس کا تصور بھی غیر متصور ہے۔

سید علی ہجویری اپنی کتاب کشف المحجوب میں خود اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ:

"میں نے یہ کتاب اس لیے لکھی کہ مسلمان اپنے دین کی اصل حقیقت کو سمجھ سکیں، اور اپنی روحانی تربیت میں کسی بھی جھوٹے عقیدے یا غیر اسلامی عمل کو شامل نہ کریں۔ شریعت و سنت سے ہٹ کر کوئی بھی عمل نہ تو اللہ کے قریب لے جاسکتا ہے اور نہ ہی کسی مسلمان کی فلاح کا باعث بن سکتا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں ایک طرف تصوف کی گہرائیوں کو بیان کیا، تو دوسری طرف ان سب کی بنیاد شریعت و سنت کو رکھا، تاکہ پڑھنے والے اپنی روحانیت اور دنیاوی زندگی کو اسلام کی حقیقی تعلیمات کے مطابق ڈھال سکیں"۔

علی ہجویری کو "سُکر" (وجد و سرور کی کیفیت) اور "صَحو" (اعتدال و ضبط) کے حامیوں کے درمیان جاری بحث کا پورا ادراک تھا۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ صَحو (اعتدال)، سُکر (مستی) سے زیادہ بہتر اور قابلِ ترجیح ہے، اور سُکر کے نام پر پیدا ہونے والی بے اعتدالیوں اور غلط رجحانات کو وہ سخت ناپسند کرتے تھے۔

تمام بڑے صوفیوں کی طرح، انہوں نے بھی شریعت کو طریقت پر فوقیت دی۔ انہوں نے ان گروہوں — جیسے ہُلولیوں، فارسیوں اور قرامطہ — کی سخت مذمت کی جو شریعت کی پابندی کو نظر انداز کرتے تھے۔ ان کا واضح موقف تھا:

"اگر دین، جو کہ اصل جڑ ہے، مضبوط نہ ہو تو تصوف، جو اس کی شاخوں اور ثمرات کی مانند ہے، لازماً کمزور ہو جائے گا"۔

اسی طرح وہ اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ:

"شریعت اور طریقت ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہیں؛ یہ جسم اور روح کی مانند ہیں۔ جس طرح روح کے بغیر جسم بے جان ہوتا ہے، اسی طرح شریعت کے بغیر تصوف محض ایک کھوکھلا دعویٰ اور دکھاوا رہ جاتا ہے۔"

یہ بات درست ہے کہ ہجویری پہلے صوفی نہیں تھے جنہوں نے تصوف کو شریعت کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی؛ یہ سلسلہ ان سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔ تاہم کشف المحجوب پہلی باقاعدہ تصنیف ہے جس میں اس تصور کو منظم اور واضح انداز میں پیش کیا گیا، اور اسی وجہ سے اس نے بعد کی صوفی نسلوں پر گہرا اثر ڈالا۔

13.4 خواجہ معین الدین چشتی

مذکورہ بالا صفحات میں آپ نے سید علی ہجویری کی حیات و تعلیمات و ارشادات وغیرہ کا غائر مطالعہ کیا اب ذیل میں خواجہ معین الدین چشتی کی حیات و خدمات کے ساتھ ان کی روحانی زندگی پر روشنی ڈالی جائے گی۔

ویسے تو سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ ان کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ سر زمین ہند کے درخشندہ ستاروں میں سب سے روشن ستارے تھے تو بے جانہ ہو گا۔ ان کی شخصیت سر زمین ہند کے لیے ایک بڑی نعمت تھی۔ ہندستان کی تاریخ و ثقافت پر آج بھی ان کے بے انتہا اثرات پائے جاتے ہیں، نیز انہوں نے ہندستانی سر زمین میں متعدد ایسے کام انجام دئے جو آج بھی ان کی یادگار کے طور پر مروج ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ہندستان میں عوام کی روحانی اصلاح و تربیت کے لئے چشتیہ سلسلے کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ، برصغیرِ ہند میں سب سے پہلے قیام کرنے والے چشتی صوفی سلطان سخی سرور تھے، لیکن وہ ہندوستان میں بہت کم عرصہ تک

رہے، جس کے باعث ان کے ہم عصروں میں چشتیہ تعلیمات کا کوئی پائیدار اثر قائم نہ ہو سکا۔ لہٰذا، ہندوستان میں اس سلسلے کی مستقل بنیاد رکھنے کا سہرا خواجہ معین الدین چشتی کے سر باندھا جاتا ہے اس سلسلے نے ہندستان کے اندر گنگا جمنی تہذیب قائم کی اور بقائے باہم کی ہندستانی روایت کو فروغ دیا۔

ابتدائی حالات و تعلیم اور ہندوستان میں آمد

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی کا اصل نام معین الدین حسن بن غیاث الدین حسن تھا، سلسلہ نسب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ سے ملتا ہے۔ خواجہ کے حالاتِ زندگی اور سرگرمیوں کا کوئی ہم عصر بیان دستیاب نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ان کی تاریخِ ولادت اور تاریخِ وفات کے بارے میں بھی اختلافِ رائے پائی جاتی ہیں۔ چودھویں صدی کی دو اہم چشتی کتب، یعنی فوائدُ الفواد اور خیرُ المجالس میں خواجہ معین الدین کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ اسی طرح چودھویں صدی ہی کی ایک اور چشتی تصنیف سیرُ الاولیاء میں پیش کردہ روایات نہایت رسمی نوعیت کی ہیں، جن کی بنیاد پر ان کی جامع سوانح مرتب کرنا انتہائی دشوار ہے۔ لہٰذا، خواجہ کے حالاتِ زندگی سے متعلق تفصیلات کے حصول کے لیے ہمیں سیرُ العارفین سے رجوع کرنا پڑتا ہے، جو ایک سہروردی تصنیف ہے اور جسے ان کی وفات کے تقریباً تین سو برس بعد برصغیر میں مرتب کیا گیا تھا۔ لیکن آگے چل کر تاریخ فرشتہ میں جو کہ 17ویں صدی کی ایک مشہور تصنیف ہے، خواجہ کی سن پیدائش کی تاریخ 533ھ اور رحلت کی عمر 636ھ لکھی ہے۔ اسی طرح گلزار ابرار میں سن پیدائش 537ھ اور وفات 633ھ مذکور ہے۔ خواجہ صاحب کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے بارے میں تمام تذکرہ نگاروں کی رائے مان لی جائے اور ایک تطبیق قائم کی جائے تو ان کی پیدائش 530ھ میں اور انتقال 627ھ میں ہوا۔

سیر العارفین کے مطابق، خواجہ معین الدین چشتی وسط ایشیاء کے علاقے سجستان کے رہنے والے تھے۔ روایت ہے کہ ایک دن اچانک ایک صوفی، ابراہیم قندوزی سے ملاقات نے ان کی زندگی کا رخ بدل دیا، اور انہوں نے محض پندرہ برس کی عمر میں تصوف کی راہ اختیار کرلی۔ انہوں نے اپنا گھر بار فروخت کر کے اس کی ساری رقم محتاجوں اور ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی، اور پھر علم و معرفت کی جستجو میں بخارا اور سمرقند کا رخ کیا۔ وہاں انہوں نے کئی برس قیام کر کے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ بعد ازاں ایران کے سفر کے دوران ان کی ملاقات شیخ عثمان ہارونی سے ہوئی، جنہوں نے انہیں باقاعدہ طور پر سلسلۂ چشتیہ میں داخل کیا۔ طویل اور محنت کش مجاہدات و ریاضت کے بعد، بالآخر باون برس کی عمر میں انہیں اپنے روحانی مرشد سے خلافت حاصل ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے وسط ایشیاء، ایران اور عراق کے مختلف علاقوں کا سفر کیا اور وہاں کے اہم اسلامی علمی مراکز سے فیض حاصل کیا، پھر بالآخر برصغیر ہند کی طرف رخ کیا۔

ہندوستان میں ان کی آمد کی تاریخ کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امیر خرد (مصنف سیر الاولیاء) کے مطابق، خواجہ معین الدین چشتی اجمیر کی فتح 1192ء سے قبل ہی اجمیر میں آکر مقیم ہو چکے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اجمیر کے راجپوت حکمران پرتھوی راج چوہان کے بعض درباریوں کو شہر میں ایک بزرگ کی موجودگی ناگوار گزری، جس پر بادشاہ بھی ناخوش ہوا۔ اس پر خواجہ صاحب نے پیشین گوئی کی کہ اس بادشاہ کو ترک سلطان محمد غوری کے ہاتھوں شکست ہوگی۔ اس کے برعکس، ابوالفضل کا موقف ہے کہ خواجہ معین

الدین چشتی، دوسری جنگِ ترائن 1192 میں پرتھوی راج کی شکست کے بعد اجمیر پہنچے، لہٰذا ان کے اور راجپوت حکمران کے درمیان کسی اختلاف کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جمالی کنبوہ (مصنف سیر العارفین) بیان کرتے ہیں کہ خواجہ صاحب ترکوں کی فتوحات کے بعد ہندوستان آئے، کچھ عرصہ لاہور میں قیام کیا، اور پھر محمد غوری کی وفات 1206 کے بعد دہلی ہوتے ہوئے اجمیر پہنچے۔ تاہم ایک دوسرے معتبر ماخذ سرور الصدور، جو خواجہ صاحب کے خلیفہ حمید الدین ناگوری کے ملفوظات پر مشتمل ہے، کے مطابق خواجہ معین الدین چشتی شمس الدین التمش کے تخت نشین ہونے (1210–1236) کے کچھ عرصہ بعد ہندوستان تشریف لائے۔ اسی رائے کی تائید محمد بہمد خانی (مصنف تاریخِ محمدی) بھی کرتے ہیں۔

ان تمام اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی تیرہویں صدی کے اوائل میں اجمیر آکر مستقل طور پر مقیم ہوئے اور وہیں سے اپنی روحانی و اصلاحی خدمات کا آغاز کیا۔

خواجہ معین الدین چشتی کی ہندوستان آمد برصغیر کی روحانی اور سماجی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بارہویں صدی عیسوی میں جب آپ برصغیر تشریف لائے، اس وقت ہندوستان شدید سماجی ناہمواری، ذات پات کے نظام، طبقاتی استحصال، مذہبی تفریق اور اخلاقی زوال کا شکار تھا۔ سماج میں کمزور طبقات شدید محرومی، جبر اور استحصال کا سامنا کر رہے تھے، جبکہ مذہب کو زیادہ تر طاقت، رسمیات اور طبقاتی برتری کے ساتھ جوڑا جاتا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی نے اس ماحول میں اسلام کو ایک روحانی، اخلاقی اور انسانی پیغام کے طور پر پیش کیا، نہ کہ محض ایک مذہبی یا سیاسی نظام کے طور پر۔ آپ نے اجمیر (راجستھان) کو اپنی دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ اجمیر اس وقت ایک اہم مذہبی و ثقافتی مقام تھا، جہاں مختلف مذاہب، طبقات اور تہذیبوں کا اجتماع پایا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے اجمیر کو اپنی دعوت کا مرکز منتخب کیا تاکہ آپ کا پیغام وسیع تر سماج تک پہنچ سکے۔ آپ کی آمد کا انداز فاتحانہ یا سیاسی نہیں تھا بلکہ خاموش، تدریجی اور اخلاقی تھا۔ آپ نے کسی تصادم یا ٹکراؤ کے بجائے دلوں کو فتح کرنے کی حکمتِ عملی اپنائی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت عوام کے دلوں میں غیر معمولی قبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کا قیام و فروغ

خواجہ معین الدین چشتی نے اجمیر میں سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد رکھی، جو بعد میں پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ اس سلسلے کی بنیادی خصوصیات: محبت، رواداری، سماجی خدمت، مذہبی ہم آہنگی اور فقر و درویشی پر مشتمل تھی۔ خواجہ صاحب کے بعد ان کے خلفاء نے اس سلسلے کو ملک کے کونے کونے تک پہنچادیا جن میں سرفہرست قطب الدین بختیار کاکی (دہلی کو مرکز بنایا)، فرید الدین گنج شکر (پنجاب میں چشتی سلسلے کو فروغ دیا)، نظام الدین اولیاء (دہلی سب سے بڑا مرکز رہا)۔ ان بزرگوں نے خانقاہوں کو تعلیمی، سماجی اور اصلاحی اداروں میں تبدیل کیا، جہاں وعظ، تربیت، لنگر اور سماع کے ذریعے عوامی اصلاح کی جاتی تھی۔ سلسلۂ چشتیہ کے فروغ میں سماع (قوالی) نے اہم کردار ادا کیا۔ موسیقی اور شاعری کو روحانی جذب کے ساتھ استعمال کرکے صوفیہ نے عوام کے دلوں تک رسائی حاصل کی۔

خواجہ معین الدین چشتی کا وصال 633ھ / 1236ء میں اجمیر میں ہوا اور انہیں اسی گھر میں دفن کر دیا گیا جہاں ان کی رہائش

تھی۔ 15 ویں صدی میں شیخ حمید الدین ناگوری کے خاندان کے ایک صوفی خواجہ حسین ناگوری نے ان کی قبر کے اوپر ایک مقبرہ تعمیر کروا دیا۔ آپ کا مزار آج بھی روحانی مرکز، ثقافتی مرکز، بین المذاہب ہم آہنگی کی علامت کے طور پر قائم ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت صرف ایک صوفی بزرگ کی نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی، فکری اور سماجی تحریک کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ نے مذہب کو عبادت گاہوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے معاشرتی نظام کی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔

درگاہِ اجمیر کی مقبولیت اور حکمرانوں کی سرپرستی

خواجہ معین الدین چشتی کی شخصیت کی شہرت وقت کے ساتھ بتدریج بڑھتی گئی اور چودھویں صدی تک اجمیر میں آپ کی درگاہ ایک معروف زیارت گاہ بن چکی تھی۔ سلطان محمد تغلق 1332ء میں اس درگاہ پر حاضر ہوا اور اس نے خادمین کو کثیر مقدار میں عطیات دیے، جس سے درگاہ کی اہمیت میں مزید اضافہ ہوا۔ پندرھویں صدی کے اوائل میں جب اجمیر پر راجپوتوں کا قبضہ ہوا تو درگاہ کا انتظام وقتی طور پر متاثر ہوا اور خواجہ صاحب کے بعض خلفاء مالوہ اور گجرات منتقل ہو گئے، لیکن یہ صورتحال زیادہ عرصہ برقرار نہ رہی۔ بعد ازاں سلطان محمود خلجی نے 1455ء میں اجمیر پر قبضہ کر لیا اور درگاہ کی حیثیت بحال ہو گئی۔

اسی دور میں درگاہ کی تعمیر و توسیع کا عمل بھی جاری رہا۔ ایک شاندار دروازہ تعمیر کیا گیا جو "بلند دروازہ" کے نام سے معروف ہوا، اور درگاہ کے احاطے میں مسجد بھی بنوائی گئی۔ درگاہ کے سجادہ نشین کے تعین کے حوالے سے بعض اوقات اختلافات پیدا ہوئے، خصوصاً اس بات پر کہ خواجہ صاحب کی اولاد میں سے کون اس منصب کا حق دار ہے۔ سلطان غیاث الدین کے دور میں اس معاملے کی باقاعدہ جانچ پڑتال کی گئی اور بالآخر ایک فرد کی تقرری کو تسلیم کر لیا گیا۔

مغل دور میں درگاہ کی مقبولیت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ شہنشاہ اکبر خواجہ صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے۔ انہوں نے کئی مرتبہ اجمیر کی زیارت کی اور اکثر پیدل سفر کر کے درگاہ تک پہنچتے تھے۔ اکبر نے درگاہ کے لیے خطیر عطیات دیے، لنگر کے انتظام کو فروغ دیا اور درگاہ کے احاطے میں مختلف تعمیرات کروائیں۔ 1569ء میں انہوں نے ایک بڑی دیگ عطیہ کی جس میں ہزاروں افراد کے لیے کھانا پکایا جا سکتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے درگاہ کے انتظام اور زائرین کی سہولیات کے لیے بھی اقدامات کیے۔ اکبر کے بعد بھی مغل حکمرانوں نے اس روایت کو جاری رکھا۔ جہانگیر نے درگاہ پر حاضری دی اور قیمتی نذرانے پیش کیے، جبکہ شاہجہان نے سفید سنگِ مرمر سے ایک خوبصورت مسجد تعمیر کروائی۔ اورنگ زیب بھی درگاہ کے ساتھ عقیدت رکھتا تھا اور اس نے بھی اپنی جانب سے خدمات انجام دیں۔ بعد ازاں حیدرآباد کے نظام نے بھی درگاہ کے بیرونی دروازے کی تعمیر کروائی۔

اگرچہ درگاہ کے انتظام سے متعلق بعض تنازعات وقتاً فوقتاً سامنے آتے رہے، لیکن عوامی عقیدت اور حکمرانوں کی سرپرستی کے باعث اس کی مقبولیت میں کوئی کمی نہ آئی۔ آج بھی خواجہ معین الدین چشتی کا عرس نہایت عقیدت اور جوش و خروش سے منایا جاتا ہے، جو برصغیر کے بڑے مذہبی اجتماعات میں شمار ہوتا ہے اور لاکھوں عقیدت مند اس میں شرکت کرتے ہیں۔

علمی خدمات

خواجہ معین الدین چشتی کی علمی خدمات تصنیفی روایت سے زیادہ تعلیمی و فکری تشکیل کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ آپ نے علم کو محض نظریاتی یا مدرساتی دائرے تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے اخلاقی تربیت اور سماجی اصلاح کا ذریعہ بنایا۔ آپ کا علمی تصور یہ تھا کہ انسان کو ایسی تعلیمات دی جائیں جس سے اس کی اخلاقی تعمیر ہو سکے نیز اس کے ساتھ ساتھ انسان کی کردار کی اصلاح و معاشرتی فلاح اور انسان میں روحانی شعور کی بیداری کا ذریعہ بن سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے تعلیم کے لیے روایتی مدارس کے نظام کے بجائے خانقاہی نظام کو اختیار کیا، جو اُس دور میں عوامی تعلیم کا سب سے مؤثر ذریعہ تھا۔ آپ کی خانقاہ ایک ایسا تعلیمی ادارہ تھی جہاں علم، تربیت اور اخلاق تینوں پہلو یکجا تھے۔ یہاں قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تصوف کے ساتھ ساتھ اخلاقی اقدار، صبر، شکر اور تواضع کی تعلیم دی جاتی تھی۔ آپ کے نزدیک علم وہی مفید تھا جو انسان کے کردار میں تبدیلی لائے۔ آپ صرف وعظ نہیں کرتے تھے بلکہ اپنی عملی زندگی کے ذریعے تعلیم دیتے تھے۔ شاگردوں کو سکھایا جاتا تھا کہ علم کا مقصد اقتدار یا برتری نہیں بلکہ خدمتِ خلق ہے۔ خواجہ معین الدین چشتی کا تدریسی نظام قرآن و سنت کی تعلیم، اخلاقی تربیت، تصوف کی عملی مشق، کردار سازی اور سماجی ذمہ داری کا شعور جیسے عوامل پر مشتمل تھا جہاں رسمی تعلیم سے زیادہ تربیتی تعلیم پر فوقیت دی جاتی تھی۔

سماجی اصلاحی خدمات

خواجہ معین الدین چشتی کی سماجی اصلاحی خدمات ان کی تحریک کا بنیادی ستون تھیں۔ آپ نے سماج میں پائی جانے والی ناانصافیوں، طبقاتی تقسیم اور ذات پات کے نظام کے خلاف عملی جدوجہد کی۔ آپ نے مساوات کا تصور عملی طور پر یہ تصور پیش کیا کہ تمام انسان برابر ہیں، اور انسانی عظمت کا معیار صرف اخلاق اور کردار ہے۔

خدمتِ خلق

خواجہ صاحب کو "غریب نواز" اسی لیے کہا جاتا ہے کہ آپ کی خانقاہ میں غریب، مسافر، یتیم اور مظلوم سب کے لیے دروازے کھلے تھے۔ آپ دولت یا حسب نسب نہیں بلکہ انسان ہونے کی بنیاد پر عزت دیتے تھے۔ آپ کی خانقاہ میں بھوکے کو کھانا ملتا تھا، غریب کو سہارا، مظلوم کو تحفظ، بے سہارا کو پناہ ملا کرتی تھی۔ یہ خانقاہ ایک سماجی فلاحی مرکز کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ آپ نے مساوات کی بہترین مثال پیش کرتے ہوئے عوام کے لئے لنگر قائم کیا جس میں ہندو، مسلم، امیر، غریب، سبھی ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔ آپ کے اس عمل نے ذات پات اور طبقاتی فرق کو عملاً چیلنج کیا۔ آپ نے کبھی کسی مذہب کی نفی نہیں کی بلکہ ذات پات، اونچ نیچ اور سماجی تفریق کو اخلاق، محبت اور کردار کے ذریعے اسلام کی روحانی خوبصورتی پیش کی۔ آپ کے دربار میں بادشاہ اور فقیر ایک ہی صف میں بیٹھتے تھے۔

دعوتی و اصلاحی خدمات

خواجہ معین الدین چشتی کے نزدیک معاشرے کی اصلاح کا آغاز انسان کے دل سے ہوتا ہے، خواجہ صاحب کی دعوت کا مرکز کردار تھا، نہ کہ مناظرہ۔ نفس کی پاکیزگی، خواہشات پر قابو، صبر، قناعت اور توکل یہ سب آپ کی اصلاحی تعلیمات کا مرکز تھیں۔ آپ نے

زبان سے زیادہ عمل سے دعوت دی، بحث سے زیادہ اخلاق سے اثر ڈالا، طاقت سے زیادہ محبت کو ذریعہ بنایا، آپ کی دعوتی حکمتِ عملی جن اصولوں پر قائم تھی ان میں محبت، برداشت، صبر، رواداری، خدمت اوراخوت کو انسانی خدمت کا نظام بنا کر پیش کیا، جس نے دلوں کو مسخر کیا۔ آپ کا ماننا تھا کہ انسان کی خدمت ہی اصل عبادت ہے، یہی تصور بعد میں برصغیر کے صوفیانہ کلچر کی بنیاد بنا۔

ہندوستان میں خواجہ معین الدین چشتی کی آمد محض ایک بزرگ کی آمد نہیں تھی بلکہ ایک اخلاقی، فکری اور سماجی انقلاب کی ابتدا تھی۔ آپ نے ایک ایسے معاشرے میں انسانیت، مساوات اور محبت کا پیغام عام کیا جو تفریق اور استحصال کا شکار تھا۔ آپ کی علمی خدمات نے فکری شعور پیدا کیا، سماجی اصلاحی خدمات نے مظلوم طبقات کو سہارا دیا، اور دعوتی خدمات نے مذہب کو طاقت کے تصور سے نکال کر محبت کے تصور میں تبدیل کر دیا۔ اسی لیے تاریخِ ہند میں آپ کو محض ایک صوفی نہیں بلکہ ایک سماجی مصلح، فکری رہنما، داعیِ امن اور معمارِ تہذیب کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

13.5 فرہنگ

تصوف: اسلام کی روحانی تعلیمات کا وہ نظام جو باطن کی پاکیزگی اور اللہ سے قرب پر مبنی ہے۔

صوفیاء: وہ اولیاء اور بزرگ جو روحانیت، اخلاق اور معرفتِ الٰہی کی تعلیم دیتے ہیں۔

خانقاہ: صوفیوں کا روحانی مرکز جہاں تعلیم، تربیت اور خدمتِ خلق کی جاتی ہے۔

شریعت: اسلامی قوانین اور احکامات کا مجموعہ جو زندگی کے تمام پہلوؤں کی رہنمائی کرتا ہے۔

طریقت: تصوف کا روحانی راستہ جس کے ذریعے سالک اللہ کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

سماع: صوفیانہ محفل جس میں کلام یا موسیقی کے ذریعے روحانی کیفیت پیدا کی جاتی ہے۔

معرفت: اللہ کی پہچان اور اس کے قرب کا روحانی ادراک۔

سالک: وہ شخص جو روحانی سفر (طریقت) پر گامزن ہو۔

مرشد: روحانی رہنما جو سالک کی تربیت اور رہنمائی کرتا ہے۔

مرید: وہ شخص جو کسی مرشد سے وابستہ ہو کر روحانی تعلیم حاصل کرتا ہے۔

13.6 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- سید علی ہجویری اور خواجہ معین الدین چشتی برصغیر میں تصوف کے فروغ کے دو اہم اور بااثر ستون ہیں، جنہوں نے نہ صرف روحانیت کو عام کیا بلکہ معاشرتی اور اخلاقی اصلاح میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ سید علی ہجویری نے اپنی تصنیف کشف المحجوب کے ذریعے تصوف کو

ایک منظم علمی و فکری بنیاد فراہم کی، جس میں شریعت اور طریقت کے باہمی تعلق کو واضح کیا گیا۔ ان کی تعلیمات نے تصوف کو اعتدال، سادگی اور خلوص کے ساتھ پیش کیا اور اسے ایک قابلِ فہم اور عملی راستہ بنایا۔

- دوسری جانب خواجہ معین الدین چشتی نے انہی اصولوں کو عملی سطح پر نافذ کرتے ہوئے عوامی زندگی میں تصوف کو رائج کیا۔ انہوں نے محبت، خدمتِ خلق، رواداری اور مساوات کے ذریعے ایک ایسا سماجی و روحانی نظام قائم کیا جس نے نہ صرف مسلمانوں بلکہ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو بھی متاثر کیا۔ ان کی خانقاہ ایک ہمہ گیر ادارہ بن گئی جہاں مذہب، نسل اور طبقے کی تفریق کے بغیر ہر شخص کو قبول کیا جاتا تھا۔
- ان دونوں بزرگوں کی تعلیمات میں اگرچہ انداز کا فرق تھا، مگر مقصد ایک ہی تھا—انسان کو اخلاقی و روحانی بلندی تک پہنچانا۔ ہجویری نے تصوف کو علمی استحکام دیا، جبکہ چشتی نے اسے عوامی سطح پر زندگی کا حصہ بنایا۔ یہی امتزاج برصغیر میں تصوف کی کامیابی اور مقبولیت کا بنیادی سبب بنا۔
- موجودہ دور میں بھی ان کی تعلیمات نہایت اہمیت کی حامل ہیں، کیونکہ یہ انسانیت، رواداری اور باہمی ہم آہنگی کا ایسا پیغام دیتی ہیں جو ایک پرامن اور متوازن معاشرے کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں صوفیاء کی خدمات نہ صرف تاریخی بلکہ عصرِ حاضر کے لیے بھی رہنما اصول فراہم کرتی ہیں۔

13.7 نمونہ امتحانی سوالات

13.7.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. سید علی ہجویری کی "ہجویری" اور "جلابی" کہلانے کی بنیادی وجہ کیا تھی؟

(a). ان کی تصانیف (b). ان کے القابات (c). والدہ اور والد کے علاقوں کی نسبت (d). ان کے اساتذہ

2. سید علی ہجویری کا سلسلۂ نسب کس صحابیؓ سے جاملتا ہے؟

(a). حضرت عثمانؓ (b). حضرت علیؓ (c). حضرت عمرؓ (d). حضرت ابو بکرؓ

3. سید علی ہجویری نے لاہور میں قیام کس مقصد کے تحت کیا؟

(a). سیاسی اقتدار کے لیے (b). تجارتی سرگرمیوں کے لیے

(c). عوام کی اصلاح و تربیت کے لیے (d). علمی مناظروں کے لیے

4. کشف المحجوب کے پہلے باب میں بنیادی طور پر کس موضوع پر بحث کی گئی ہے؟

(a). سماع (b). فقر (c). علم اور اس کی اقسام (d). ولایت و کرامت

5. سید علی ہجویری کے نزدیک تصوف کی اصل بنیاد کیا ہے؟

(a). فلسفیانہ بحث (b). ظاہری ریاضت (c). شریعت وسنت کی پابندی (d). گوشہ نشینی

6. خواجہ معین الدین چشتیؒ کو "سلطان الہند" کہنے کی اصل وجہ کیا ہے؟

(a). سیاسی حکومت (b). عسکری طاق (c). روحانی اثر اور عوامی قبولیت (d). علمی تصانیف

7. خواجہ معین الدین چشتی کی زندگی میں روحانی انقلاب کس واقعے سے آیا؟

(a). والد کی وفات (b). حج کا سفر (c). حضرت ابراہیم قندوزی سے ملاقات (d). دہلی آمد

8. خواجہ معین الدین چشتی نے تعلیم وتربیت کے لیے کس نظام کو اختیار کیا؟

(a). مدرسہ نظام (b). خانقاہی نظام (c). درباری نظام (d). عسکری نظام

9. خواجہ معین الدین چشتی کی دعوت کا بنیادی اسلوب کیا تھا؟

(a). مناظرہ (b). سیاسی طاقت (c). محبت اور کردار (d). فقہی اختلاف

10. خواجہ معین الدین چشتی کی تعیمات کا مرکزی نکتہ کیا ہے؟

(a). ترکِ دنیا (b). کثرتِ عبادت (c). خدمتِ مخلوق (d). فلسفیانہ تفکر

13.7.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. کشف المحجوب کی علمی اہمیت بیان کیجیے۔
2. سید علی ہجویری کے نزدیک صوفی کا تصور واضح کیجیے۔
3. لاہور میں سید علی ہجویری کی آمد کے اثرات لکھیے۔
4. خواجہ معین الدین چشتی کی ابتدائی تعلیم پر روشنی ڈالیے۔
5. خواجہ عثمان ہارونی کا خواجہ معین الدین چشتی کی تربیت میں کردار بیان کیجیے۔

13.7.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. سید علی ہجویری کی حیات، علمی خدمات اور تصنیف کشف المحجوب کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے۔
2. خواجہ معین الدین چشتی کی ہندوستان آمد کو ایک سماجی و اخلاقی انقلاب کیوں کہا جاتا ہے؟ وضاحت کیجیے۔
3. ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے قیام وفروغ میں خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے خلفاء کے کردار کا تجزیہ کریں۔

13.8 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. کشف المحجوب، علی ہجویری، سید علی عثمان، انگریزی ترجمہ Reynold A. Nicholson ۔ لندن: E. J. W. Gibb Memorial Trust، 1911۔
2. فوائد الفواد، نظام الدین اولیاء، مرتب: امیر حسن علاء سنجری، دہلی: مطبع منشی نول کشور۔
3. دلیل العارفین، قطب الدین بختیار کاکی (ملفوظات و ارشادات)
4. سفینۃ الاولیاء، داراشکوہ، لکھنؤ: مطبع نول کشور، 1883۔
5. خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور لاہوری، لکھنؤ: مطبع نول کشور، 1885۔
6. Some Aspects of Religion and Politics in India during the Thirteenth Century, Nizami, Khaliq Ahmad. Oxford: Oxford University Press, 1961.

معروضی سوالات کے جوابات:

1. C	2. C	3.C	4. C	5.C
6.C	7.C	8.B	9.C	10. C

اکائی 14: ہندوستان کے صوفیا حصہ دوم: حضرت نظام الدین اولیا اور شیخ احمد سرہندی

اکائی کے اجزا:

14.0 تمہید

14.1 مقاصد

14.2 حضرت نظام الدین اولیا (1324 - 1238)

14.2.1 حالات زندگی

14.2.2 معمولات

14.2.3 وصال

14.2.4 ملفوظات

14.2.5 تعلیمات

14.2.6 سماع

14.2.7 خانقاہ

14.2.8 خلفا

14.3 حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (1624 - 1564)

14.3.1 حالات زندگی

14.3.2 حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت و استفادہ

14.3.3 معمولات

14.3.4 سماجی حالات اور اصلاحات

14.3.5 تصنیفات اور مکتوبات

14.3.6 خلفا
14.4 فرہنگ
14.5 اکتسابی نتائج
14.6 نمونہ امتحانی سوالات
14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات
14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات
14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات
14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

14.0 تمہید

عہد وسطی کے ہندوستان میں تصوف کے مختلف سلاسل کے صوفیا نے مسلم معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ان صوفیا نے رشد وہدایت کا جو بازار گرم کیا اس کے دور رس اثرات پورے برصغیر کے معاشرے پر پڑے۔انہوں نے بے پناہ انسانی ہمدردی، اخوت ومحبت اور وسیع المشربی کے ذریعے مذہبی رواداری اور بقائے باہم کا ماحول پیدا کیا۔

ہم اس اکائی میں ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کے مشہور صوفی حضرت نظام الدین اولیا اور نقشبندیہ سلسلے کے بزرگ حضرت شیخ احمد سرہندی کے حالات زندگی اور تعلیمات و خدمات پر گفتگو کریں گے، نیز اس اکائی میں ہم جانیں گے کہ کیسے ان صوفیا نے اپنی تعلیمات سے عوام الناس کے دلوں پر نقش چھوڑے اور معاشرے میں محبت وبھائی چارگی اور ہمدردی کا ماحول قائم کیا، اخوت ومحبت اور ہمدردی کا پیغام عام کرکے انسانوں کے دلوں کو بھید بھاؤ سے پاک کیا۔

14.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- حضرت نظام الدین اولیا اور حضرت شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) کی ذاتی زندگی کے بارے میں واقفیت حاصل کریں۔
- ان کی تعلیمات وتصنیفات اور ہدایات سے مستفید ہو سکیں۔
- ان صوفیا کی اہم خدمات کا احاطہ کر سکیں۔

- ان صوفیا نے تصوف کے بنیادی عوامل اور افکار کو کس طرح سے ایک جہت عطا کی، اس پر گفتگو کر سکیں۔
- ہندوستان میں ان صوفیا کے مشہور خلفا پر تبصرہ کر سکیں۔

14.2 حضرت نظام الدین اولیا (1238 - 1324)

14.2.1 حالات زندگی

آپ کا نام محمد اور القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا ہیں، عوام و خواص میں نظام الدین اولیا کے نام سے ہی مشہور ہیں، آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی مرتضی سے جاملتا ہے، آپ کے دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب بخارا کے رہنے والے تھے، 615ھ میں منگولوں کے ہاتھوں جب بخارا تباہ و برباد ہو گیا تو یہ خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا، اس زمانے میں لاہور میں بھی شورش تھی، چنانچہ یہ خاندان لاہور سے مغربی اتر پردیش کے شہر بدایوں آیا، اور یہیں سکونت پذیر ہوا، بدایوں میں ہی ماہ صفر 636ھ مطابق 1238 میں حضرت نظام الدین اولیا کی پیدائش ہوئی۔

آپ جب پانچ سال کے تھے تو آپ کے والد خواجہ احمد کا انتقال ہو گیا، آپ کی والدہ ماجدہ متقی اور عبادت گزار تھیں، انہوں نے آپ کی پرورش کی اور نامساعد حالات کے باوجود اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کا پورا اہتمام کیا، آپ کی ابتدائی تعلیم بدایوں میں ہی ہوئی، بدایوں کے مشہور قاری شادی مقری (م658ھ) سے آپ نے ناظرہ پڑھی، مولانا علاؤالدین اصولی سے فقہ حنفی کی مشہور کتاب قدوری پڑھی۔

مزید علم کی طلب حضرت نظام الدین اولیا کو دہلی کھینچ لائی، چنانچہ آپ سولہ سال کی عمر میں اپنی والدہ اور بہن کے ہمراہ دہلی تشریف لائے، آپ بابا شیخ فرید الدین گنج شکر کے چھوٹے بھائی حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے پڑوس میں سکونت اختیار کی، دہلی اس وقت بڑے بڑے علما اور فضلا کا گہوارہ بنا ہوا تھا، ان میں فضل و کمال کے اعتبار سے خواجہ شمس الدین خوارزمی بہت ممتاز تھے، سلطان غیاث الدین بلبن ان کا بہت قدر داں تھا، سلطان بلبن نے ان کو شمس الملک کا خطاب دیا تھا، ان سے حضرت نظام الدین اولیا نے عربی ادب کی مشہور کتاب مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے، حضرت نظام الدین اولیا نے علم منطق اور بحث و مجادلہ میں دستگاہ حاصل کی، یہاں تک کہ آپ مولانا نظام الدین بحاث، مولانا نظام الدین محفل شکن، اور مولانا نظام الدین منطقی کے نام سے مشہور ہو گئے، لیکن آپ میں ابھی بھی علم کی تشنگی باقی تھی، چنانچہ علم حدیث کی تکمیل کے لئے محدث مولانا کمال الدین زاہد کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا، ان سے مشارق الانوار کا درس لیا، مولانا کمال الدین نے علم حدیث پڑھانے کے لئے اجازت نامہ بھی عطا فرمایا، مولانا کمال الدین زاہد کے علاوہ آپ نے مولانا امین الدین احمد محدث تبریزی سے بھی سند حدیث حاصل کی، حضرت نظام الدین اولیا کو مروجہ علوم میں دستگاہ حاصل کرنے کے باوجود بھی قلبی سکون حاصل نہیں ہوا تھا، ان کی روحانی تشنگی باقی تھی۔

حضرت نظام الدین اولیا ایام طالب علمی ہی میں بابا شیخ فرید الدین مسعود کی بزرگی اور عظمت کا شہرہ سن چکے تھے، انہیں بابا فرید سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا، بالآخر بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت حضرت نظام الدین کی عمر بیس سال کی تھی، بابا فرید نے پہلے

دن ہی حلقہ ارادت میں داخل کرلیا، حضرت نظام الدین اولیا اپنے پیر و مرشد کی صحبت میں 15 / رجب 655ھ سے 2 / ربیع الاول 656ھ تک تعلیم و تربیت پاتے رہے، اس دوران حضرت نظام الدین اولیا نے بابا فرید سے قرآن مجید کے چھ پارے تجوید کے ساتھ پڑھے، شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف، ابو شکور سالمی کی تصنیف کردہ اصول حدیث کی کتاب 'تمہید المہتدی' اور بعض دوسری کتابیں بھی بابا فرید سے پڑھیں، پھر بابا فرید نے حضرت نظام الدین اولیا کو خلعت عطا فرمایا اور لباس خاص سے مشرف فرمایا، بابا فرید نے خلافت نامہ عطا کرنے کے بعد کہا کہ یہ خلافت نامہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب الدین کو دہلی میں دکھلا دینا، لیکن آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کا کوئی ذکر نہیں کیا، اس پر حضرت نظام الدین کو دل میں خیال آیا کہ شاید بابا فرید ان سے ناراض ہیں، لیکن جب حضرت نظام الدین اولیا دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ 9/ رمضان المبارک کو ہی شیخ نجیب الدین متوکل کا انتقال ہو چکا تھا۔

حضرت نظام الدین اولیا بابا فرید کی زندگی میں تین مرتبہ اجودھن گئے، لیکن بابا فرید گنج شکر کی وفات کے وقت محبوب الٰہی اجودھن میں موجود نہ تھے، مرشد نے عصا اور خرقہ جو حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے ان کو ملا تھا مولانا بدر الدین اسحاق کے ذریعہ ان کے پاس دہلی بھیج دیا، بابا فرید نے حضرت نظام الدین اولیا سے فرمایا کہ اللہ تعالی نے تمہیں علم، عشق اور عقل کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، جس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہوں وہ خلافت شیخ اور مشائخ کا مستحق ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ان ہی تین چیزوں سے کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا ایک مرتبہ مرشد سے ملاقات کے لئے اجودھن تشریف لے گئے تو بابا نے آپ کے لئے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی کہ الٰہی! نظام الدین جو تجھ سے مانگے اس کو عطا کرنا، یہ دعا قبول ہوئی، اسی لئے وہ محبوب الٰہی کہلائے، آخری بار جب اجودھن مرشد سے ملاقات کے لئے گئے، تو رخصت کے وقت مرشد نے فرمایا: ''اللہ تجھے نیک بخت بنائے تم ایسے درخت ہوگے جس کے سائے میں مخلوق راحت وآرام پائے گی، اور نصیحت حاصل کرنے کے لئے برابر مجاہدہ کرتے رہنا''۔

حضرت نظام الدین اولیا شیخ کے حکم پر دہلی آئے تو آبادی کی کثرت کے سبب عبادت و ریاضت اور تلاوت قرآن کے لئے کوئی پر سکون جگہ نہ ملی، مجبوراً دہلی کے مضافات میں غیاث پور میں آکر مقیم ہوگئے، یہاں کے قیام میں بڑی عسرت کا سامنا کرنا پڑا، کئی کئی دن فاقہ کے گزر جاتے تو اپنی والدہ کا یہ جملہ ''بیٹے! آج ہم لوگ اللہ کے مہمان ہیں،'' ذہن میں گونج جاتا۔

اسی دور میں سلطان معزالدین کیقباد نے غیاث پور میں کیلوکھیڑی کے پاس ایک محل بنوایا اور ایک شہر آباد کیا جس میں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی، چنانچہ لوگوں کے ہجوم سے حضرت نظام الدین اولیا کو گھبراہٹ ہونے لگی، تو آپ نے دوسری جگہ منتقل ہونے کا ارادہ کیا لیکن ایک خوش رو نوجوان کی گزارش پر ارادہ ترک کر دیا، غیاث پور ہی میں آخری وقت تک مقیم رہے۔

حضرت نظام الدین اولیا کی زندگی بڑی تنگدستی میں گزری جب گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی تو ان کی والدہ ماجدہ کہا کرتیں کہ آج ہم لوگ اللہ تعالی کے مہمان ہیں، آپ کو ان کے اس جملے سے بڑی لذت ملتی، حضرت محبوب الٰہی کی عسرت کی خبر جب سلطان جلال الدین خلجی کو ملی تو سلطان نے آپ کو کچھ گاؤں نذر کرنے چاہے جن کو آپ نے قبول نہیں فرمایا، لیکن بعد میں آپ کی عسرت اور تنگ دستی

ختم ہوگئی، اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے مطابق وہ انقلاب آیا کہ دولت کا دریا دروازے کے سامنے بہتا، کوئی وقت فتوح (ہدایا) سے خالی نہ گزرتا مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے۔

حضرت نظام الدین اولیا دہلی میں ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک مقیم رہے، اس طویل عرصہ میں آٹھ بادشاہوں کا زمانہ دیکھا: ناصر الدین، غیاث الدین بلبن، معز الدین کیقباد، جلال الدین خلجی، علا الدین خلجی، قطب الدین مبارک خلجی، خسرو خان، غیاث الدین تغلق لیکن آپ ہمیشہ سلطنت اور شاہی دربار سے دور رہے۔

14.2.2 معمولات

حضرت شیخ نظام الدین اولیا اپنے مرشد کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے جوانی میں تقریباً تیس سال تک بڑے سخت مجاہدہ کئے، بقیہ زندگی بھی اس سے زیادہ سخت مجاہدے میں گزاری، دن رات میں کئی سو رکعتیں نماز پڑھتے، نماز باجماعت کا ہمیشہ اہتمام کرتے، اور تمام عمر روزہ رکھا۔ روزانہ کا معمول یہ تھا کہ نماز فجر، اشراق، چاشت کے بعد رشد و ہدایت کی محفل ہوتی، اس محفل میں علما، صوفیا اور صلحا شریک ہوتے اور حضرت نظام الدین اولیا سلوک و معرفت کے دقائق بیان فرماتے، اس دوران غربا، فقرا اور مساکین کو غلے، پیسے تحفے میں تقسیم کئے جاتے، نماز ظہر سے پہلے قیلولہ فرماتے، نماز کے بعد مسجد میں مجلس ہوتی، اس مجلس میں علمی نکات بیان کرتے، حدیث، کشاف اور دوسری مشہور کتابوں کا درس بھی ہوتا، عصر کی نماز کے بعد آپ حجرہ میں تشریف لے جاتے اور مغرب کے وقت باہر آکر افطار کرتے، مغرب کی نماز کے بعد ایک مجلس ہوتی اور حاضرین کو کھانے کی لذیذ چیزیں پیش کی جاتیں، نماز عشا کے لئے آپ بالاخانے سے نیچے تشریف لاتے اور عشا کی نماز کے بعد اپنے حجرے میں چلے جاتے، اس وقت آپ کے محبوب شاگرد صرف امیر خسرو آتے اور کچھ حکایتیں اور خبریں سناتے، جب امیر خسرو رخصت ہوتے تو خواجہ اقبال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور آپ کے وضو کے لئے پانی رکھ دیتے اور چلے جاتے، ان کے جانے کے بعد حضرت محبوب الٰہی دروازہ بند کرلیتے اور آپ حجرہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوجاتے، پھر صبح ہونے سے قبل سحری کے وقت آپ کے خادم خواجہ مبشر سحری لے کر آتے، آپ اس میں سے تھوڑا سا تناول فرماتے، بقیہ تقسیم کردینے کو حکم دیتے، آپ کے خادم خواجہ عبدالرحیم کا بیان ہے کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ سلطان المشائخ سحری بالکل نہیں کھاتے، سحری کے بعد آپ نیچے تشریف لاتے اور خواجہ سید محمد کی امامت میں فجر کی نماز ادا کرتے، صبح میں جب باہر تشریف لاتے تو قیام اللیل کی وجہ سے آنکھیں سرخ اور خمار آلود ہوتیں، مگر خالق کے ساتھ اتنی مشغولیت کے باوجود اس کی مخلوق کا بھی خیال رکھتے، غربا، فقرا، مساکین اور مسافر کو کبھی خالی ہاتھ نہ جانے دیتے خود بہت کم کھاتے، زیادہ تر غربا میں تقسیم کردیتے۔ پورے دن خانقاہ میں جو چیزیں آتیں، وہ شام تک تقسیم کردی جاتیں، اس سخاوت اور فیاضی کے باوجود استغنا کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی بادشاہ یا شہزادہ تحفہ یا ہدیہ پیش کرتا تو فرماتے کہ یہ لوگ درویش کا غارت کررہے ہیں، اگر کوئی شخص آپ کو برا بھلا کہتا تو آپ اس کو معاف کردیتے، مخالفین سے حسن سلوک کرتے، اگر کوئی مخالف بیمار ہوتا تو اس کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے، کیونکہ آپ خدا کے کسی مخلوق سے دشمنی رکھنا طریقت کے خلاف سمجھتے تھے، آپ اپنے مریدوں پر بے حد شفقت فرماتے، امیر خسرو سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا، آپ ہمیشہ درویشانہ لباس پہنتے تھے، سادگی پسند کرتے تھے، بادشاہوں کی صحبت سے خود کو ہمیشہ

دور کھتے۔

14.2.3 وصال

حضور ﷺ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ فرمارہے ہیں کہ ''نظام تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے''اس خواب کے بعد سفر آخرت کے لئے بے چین رہتے، انتقال سے چالیس دن پہلے کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا، برابر آنکھوں سے آنسو جاری رہتا، اسی حال میں ایک روز آپ نے اپنے تمام اقربا، خدام اور مریدوں کو جو اس وقت موجود تھے، بلایا اور خادم اقبال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سب اس بات کے لئے گواہ رہنا کہ اگر اس نے گودام میں کوئی جنس بھی رکھی ہو تو کل قیامت کے دن اللہ تعالی کے سامنے جواب دہ ہو گا، خادم اقبال نے عرض کیا کہ میں کوئی چیز باقی نہ رہنے دونگا، وفات کے دن لنگر خانہ کی تمام چیزیں غریبوں میں تقسیم کر دی گئیں اور وفات سے کچھ پہلے متعدد خلفا کو مختلف چیزیں عطا کیں، اور مختلف مقامات پر جانے کا حکم دیا، اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور 18 / ربیع الثانی بدھ کے روز 725ھ / 1324 عیسوی کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے، وصال کے وقت آپ کی عمر تقریبا 80 سال تھی، دہلی میں مدفون ہوئے۔

14.2.4 ملفوظات

حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات امیر حسن سجزی نے جمع کئے، اور اس کا نام فوائد الفواد رکھا، اس میں 3 / شعبان 707ھ سے 20 / شعبان 722ھ تک مختلف وقفوں کے ساتھ 188 مجالس کے ملفوظات نقل ہیں، ان میں مریدین کی تربیت اور دلجوئی کے اشارے اور نکتے، حکایات، اوراد و وظائف تاریخی واقعات کا ذکر، سوانحی مواد، تصوف اور معرفت سے متعلق دقیق ولطیف نکتے، ارشادات، شرعی امور و احکام کی وضاحت، معرفت سے لبریز اشعار، کتب مشائخ کا ذکر، حدیث کی تشریح، حسن اخلاق علما و صلحا کا ذکر خیر، سماع، توبہ، استقامت توبہ تلاوت قرآن، احکام شریعت کی پابندی، حقوق العباد، عیب پوشی، ترک دنیا، مجاہدہ، صبر و رضا، توکل، احترام مرشد اور جود و سخا وغیرہ سے متعلق تعلیمات دی گئی ہیں۔

14.2.5 تعلیمات

آپ کی تعلیمات میں سے چند درج ذیل ہیں:

حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ جب تک اللہ تعالی کی محبت دل میں پیدا نہیں ہوتی گناہ ہوتے رہیں گے، اس راہ میں صبر و رضا اور توکل ضروری چیزیں ہیں، مصیبت و پریشانی کے وقت شکایت نہ کرنا صبر ہے، بلا اور مصیبت کے وقت اپنی کراہت کا اظہار نہ ہونے دینا رضا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ توکل کی تین قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالی کو اپنے حال کا عالم سمجھ کر اس سے سوال کرنا، دوسرا بندہ کا تعلق بچوں جیسا ہو، تیسرا اس کے ہر لمحے کا مالک اللہ تعالی ہے، سب سے اعلیٰ توکل یہی ہے، فرمایا کہ ایک شخص کا ایمان اس وقت مکمل ہوتا ہے جس

وقت وہ دنیا اور اس کی تمام چیزوں کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہو اور اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہ کرتا ہو۔

فرمایا کہ سالک کے لئے یاد حق کی بنیاد چھ چیزوں پر ہے: وہ تنہائی میں اللہ کو یاد کرے تا کہ اپنی خواہشات پر قابو پا سکے، وہ ہمیشہ باوضو رہے، ہمیشہ روزے رکھنے کی کوشش کرے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم کھائے، غیر حق سے ہمیشہ سکوت اختیار کرے، شیخ سے دلی لگاؤ اور محبت رکھے، حق کی خاطر ساری چیزوں کو ٹھکرا دے، مرید کو چاہئے کہ جب کسی چیز سے توبہ کرے تو اس کی نیت صاف ہو، ہر حال میں اس پر جم جائے، فرمایا کہ کم کھانے، کم بولنے، کم سونے اور کم میل جول رکھنے سے انسان کے اندر کمال پیدا ہوتا ہے، اللہ کے بندوں کا خیال رکھے کیونکہ مومن کے دل کو ستانا اللہ کو تکلیف پہنچانا ہے، شریعت کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے، فرمایا کہ حقیقی مشائخ وہی لوگ ہیں جن کے ظاہر و باطن دونوں اچھے ہوں۔

فرمایا کہ مومن کی دل آزاری کرنا اللہ تعالی کو تکلیف پہنچانا ہے، مومن وہ ہے کہ وہ اگر مشرق میں ہو اور مغرب میں کسی مومن کے پاؤں میں کانٹا چبھے، تو اس کو یہاں درد محسوس ہو، ایک دوسرے موقع پر فرمایا کہ سالک کے لئے چار چیزوں سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(1) دنیا، خصوصا اغنیا (2) ماسوی اللہ کا ذکر (3) غیر اللہ کی طرف التفات و توجہ (4) دل کا میل

پڑوسی کے حقوق کے سلسلے میں فرمایا کہ وہ قرض مانگے تو اس کو قرض دو، اس کی کوئی ضرورت ہو تو پوری کرو، بیماری میں اس کی عیادت کرو، مصیبت میں غم خواری کرو، اس کا انتقال ہو جائے تو اس کی میت کے ساتھ جاؤ، اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھو۔

درویش کو جب کسی سے تکلیف پہنچے، تو اس کے دل سے کسی حال میں بھی بد دعا نہ نکلے، اور درویش کو پردہ پوش ہونا چاہیئے، پردہ پوشی تمام عبادتوں میں افضل ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا فرماتے ہیں کہ اگر کوئی اپنے دن روزہ رکھ کر گزارے اور راتیں نماز پڑھتے ہوئے گزارے، اور حرمین شریفین کا زائر بھی ہو، اصل بات جب ہو گی کہ دنیا کی محبت اس کے دل میں نہ ہو، اس کے بعد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالی کی محبت کا دعوی کرتا ہے، اور دنیا کی محبت اس کے دل میں ہوتی ہے تو وہ اس دعوی میں جھوٹا ہے۔

سلطان المشائخ فرماتے ہیں کہ سونا چاندی، گھوڑے اور سامان دنیا نہیں ہیں بلکہ ان سے تعلق اور محبت رکھنا دنیا ہے، اگر ان سے محبت اور تعلق نہ رکھے تو یہ دنیا نہیں ہے۔

ایک مجلس میں آپ نے فرمایا: ترک دنیا کے یہ معنی نہیں ہے کہ کوئی اپنے آپ کو برہنہ کرلے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ترک دنیا یہ ہے کہ لباس پہنے اور کھانا کھائے، البتہ جو کچھ ملے اسے خرچ کرتا رہے، جمع نہ کرے، اور اس سے رغبت نہ رکھے، اور دل کو کسی چیز سے اٹکائے نہ رکھے۔

ایک مجلس میں دنیا کی عداوت اور محبت کا ذکر آیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ ہیں، ایک قسم وہ جو دنیا کو دوست رکھتی ہے، اور ہر روز اس کے خیال اور طلب میں رہتی ہے، اور ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں دوسری قسم وہ ہے جو دنیا کو دشمن رکھتی ہے اور اس

کا ذکر برائی کے ساتھ کرتی ہے، اور پوری طرح اس سے عداوت کرنے میں لگی رہتی ہے، تیسری قسم وہ ہے کہ دنیا کو نہ دوست رکھتی ہے، نہ دشمن اور اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتی یہ قسم دونوں قسموں سے بہتر ہے۔

سلطان المشائخ نے فرمایا کہ طاعت چاہے تھوڑی ہو لیکن اخلاص زیادہ ہونا چاہیئے، فرمایا کہ اللہ کی طرف جانے کے راستے خلق کی سانسوں کی تعداد کے برابر ہے، ہر کام میں اخلاص ہونا چاہیئے تاکہ جس شغل میں بھی ہو وہی اسے اللہ تک پہنچادے۔

14.2.6 سماع

چشتیہ سلسلہ میں سماع جائز ہے، سلطان المشائخ سماع کا پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، آپ نے فرمایا کہ "سماع ایک طرح سے مناسب ہے، اس لئے حرام نہیں اس سے دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے، اگر یہ تحریک یاد حق کے لئے ہے تو جائز ہے لیکن فساد کی طرف مائل کرے تو حرام ہے، آپ کے نزدیک سماع کا مفہوم یہ ہے کہ معرفت اور حقائق سے لبریز اشعار مزامیر کے بغیر اور اہل دل کی مجلس میں سنے جائیں، سماع کے لئے یہ چند شرطیں ضروری ہیں، سنانے والا لڑکا اور عورت نہ ہو، جو چیز سنی جائے وہ فحش اور غلط نہ ہو، جو سنے وہ صرف خدا کے لئے سنے، گانے کے آلات استعمال نہ کئے جائیں اور محفل میں عورتیں نہ ہوں۔

مجلس سماع سے متعلق فرماتے ہیں کہ مجلس سماع میں شرکا باوضو رہیں، صاف ستھرا کپڑے پہن کر شریک ہوں، مجلس میں خوشبو ہو، حضرت نظام الدین اولیا کی عادت تھی کہ اگر سماع سننے کا ارادہ فرماتے تو نماز اشراق کے بعد محفل سماع منعقد ہوتی، اور آپ صدر نشیں ہوتے، دو خوش گو قوال جو آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، باری باری اشعار پڑھتے تھے۔

14.2.7 خانقاہ

حضرت نظام الدین کے مرید ضیاالدین وکیل نے غیاث پور میں ایک عمارت تعمیر کرائی تھی جو جماعت خانہ کا کام دیتی تھی، اس جماعت خانہ یا خانقاہ میں مسافروں یا مریدوں کے ٹھہرنے اور آرام کے انتظامات تھے، چند کمرے گودام کے لئے متعین تھے، جن میں کھانے پینے کی چیزیں ہوتی تھیں، خانقاہ میں ہر ایک کی ذمہ داری متعین تھی، شیخ زادہ کمال الدین مطبخ میں دیگچیاں دھوتے تھے، مولانا برہان الدین غریب مطبخ کے نگراں تھے، خواجہ عبد الرحیم حضرت نظام الدین اولیا کو سحری پہنچانے کی ذمہ داری انجام دیتے تھے، خواجہ اقبال جماعت خانہ کے مہتمم تھے۔

نصف صدی سے زیادہ دہلی میں ان کی خانقاہ، ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی، ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا، امیر، غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی بوڑھے اور بچے سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، لنگر عام تھا، لوگ جو تحفے تحائف آپ کی خدمت میں پیش کرتے وہ غربا اور ضرورت مندوں کو تقسیم کرادئے جاتے تھے۔

14.2.8 خلفا

حضرت نظام الدین اولیا نے سینکڑوں مریدین اور خلفا کی تربیت فرمائی، ان مریدین اور خلفا میں بڑے بڑے اہل علم و کمال اور اولیا

وصوفیا شامل ہیں، آپ کے ممتاز خلفا میں مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحی، شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، شیخ حسام الدین ملتانی، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا علا الدین نیلی، شیخ برہان الدین غریب، شیخ قطب الدین منور، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا فخر الدین مزوری، مولانا سراج الدین عثمان، امیر حسن سجزی، حضرت امیر خسرو، خواجہ سید محمد امام وغیرہ ہیں۔ ان خلفانے برصغیر کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی نشرواشاعت کی، جن کے دوررس اثرات معاشرے پر پڑے۔

14.3 حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (1564 - 1624)

14.3.1 حالات زندگی

آپ کا نام احمد، لقب بدر الدین اور کنیت ابو البرکات ہے، آپ قیوم الزمان، خزینۃ الرحمت اور مجدد الف ثانی کے نام سے بھی مشہور ہیں، آپ کے والد شیخ عبد الاحد اپنے زمانے کے ممتاز عالم اور مشہور بزرگ تھے، آپ کے والد ماجد شیخ عبد الاحد، شیخ عبد القدوس گنگوہی سے بیعت تھے، شیخ عبد القدوس کے فرزند اور جانشین شیخ رکن الدین سے چشتیہ اور قادریہ سلسلہ میں خلافت حاصل کی تھی۔

آپ کا سلسلہ نسب 31 واسطوں سے خلیفہ دوم امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے، آپ کا خاندان کابل میں آباد تھا، آپ کے خاندان کے ایک بزرگ امام رفیع الدین کابل سے ہندوستان آکر سرہند میں آباد ہوگئے تھے، سرہند میں ہی 4 شوال المکرم 971ھ / 26 مئی 1564 کو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی کی پیدائش ہوئی، آپ کی ولادت کے بارے میں بزرگوں نے پیشن گوئی کی، آپ کے والد نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ نے بچے کے کان میں اذان دی، شیخ عبد القدوس گنگوہی کے خلیفہ شیخ عبد العزیز نے سرہند میں فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کے فضائل بیان کرنے میں مشغول ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ "اللہ تعالی ہر ہزار سال کے بعد دین کے چہرہ پر آئے گرد وغبار کو صاف کرنے کے لئے ایک مصلح پیدا کرتا ہے، جو اصلاح اور اشاعت دین کا کام انجام دیتا ہے،" آپ کی ولادت حضور ﷺ کے تقریبا ایک ہزار سال بعد اس وقت ہوئی جب بدعت عام تھی، اور دین کا مذاق اڑایا جارہا تھا، آپ نے ان حالات میں دین میں نئی روح پیدا کردی، اس لئے آپ کو مجدد الف ثانی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

آپ نے ابتدائی تعلیم والد گرامی شیخ عبد الاحد اور سرہند کے دوسرے علما سے حاصل کی، بہت کم عمر میں قرآن مجید حفظ کرلیا، اس کے بعد مزید تعلیم کے لئے سیالکوٹ تشریف لے گئے، سیالکوٹ اس زمانے میں علوم وفنون کا ایک بڑا مرکز شمار کیا جاتا تھا، یہاں علامہ کمال الدین کشمیری سے اس وقت کے رائج نصاب کی بعض اعلیٰ کتابیں پڑھیں، شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے حدیث کی بعض کتابیں اور اس زمانے کے مشہور عالم قاضی بہلول بدخشانی سے تفسیر کی اہم کتابیں پڑھیں، سترہ سال کی عمر میں آپ نے حدیث، علم فقہ، تفسیر علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل سے فارغ ہوگئے، اس کے بعد وطن میں ہی درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، اور اپنے والد سے چشتیہ اور قادریہ سلسلہ کا تعلق قائم کرلیا۔

اس زمانے میں ہندوستان کا دارالحکومت اکبر آباد (آگرہ) تھا، علما وفضلا وہاں جمع تھے، چنانچہ شیخ احمد سرہندی نے بھی اکبر آباد کا سفر

کیا، وہاں ابوالفضل اور فیضی سے ملاقات ہوئی اور ان کی مجلسوں میں بھی شریک ہوئے اور مشہور ہے کہ فیضی کی تفسیر (سواطع الالہام) کی تصنیف میں اس کی مدد بھی فرمائی، ابوالفضل کی مجلس میں شیخ احمد سرہندی اکثر رہا کرتے تھے، لیکن اختلافات کی وجہ سے تعلقات زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا، بعض مرتبہ ابوالفضل سے مباحثہ بھی کیا، ابوالفضل کے بعض بے باکانہ الفاظ پر ناگواری کا اظہار کیا، اور اس سے قطع تعلق بھی کر لیا۔

آگرہ میں آپ کا قیام کچھ طویل رہا، آپ کے والد ماجد کو شوق ملاقات ہوا، وہ بعد مسافت اور کبر سنی کے باوجود آگرہ تشریف لائے، حضرت شیخ احمد سرہندی اپنے والد کے ساتھ وطن واپس لوٹ آئے، واپسی میں دہلی اور سرہند کے درمیان جب تھانیسر کے شہر سے گزر ہوا، تو تھانیسر کے حاکم اور رئیس شیخ سلطان نے ان کا استقبال کیا اور اپنے یہاں مہمان رکھا، شیخ سلطان نے حضرت شیخ احمد سرہندی کی قابلیت اور اخلاق وعادات دیکھ کر آپ کے والد ماجد سے عرض کیا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے فرزند کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ والد ماجد کی رضامندی کے بعد آپ کا نکاح ہو گیا، آپ زوجہ محترمہ کو ساتھ لے کر سرہند تشریف لے آئے۔

14.3.2 حضرت خواجہ باقی باللہ سے بیعت واستفادہ

والد ماجد کی وفات کے بعد 1008ھ میں آپ حرمین شریفین کی حاضری اور حج کی ادائیگی کے لئے روانہ ہوئے، جب دہلی پہنچے تو دہلی میں مولانا حسن کشمیری کی تحریک پر نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، خواجہ باقی باللہ نے بڑی شفقت اور مہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، اور حضرت شیخ احمد سرہندی نے ان کے یہاں چند ماہ قیام کیا، اسی عرصے میں خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور راہ سلوک طے کیا، اس کے بعد سرہند واپس چلے گئے۔

حضرت مجدد الف ثانی کچھ عرصہ بعد دوبارہ اپنے شیخ کی خدمت میں دہلی آئے اور روحانی فیض حاصل کیا، مرشد نے خلعت و خلافت عطا فرمائی، اور طالبان خدا کو تعلیم طریقت اور ارشاد وہدایت کی اجازت دی، اور اپنے مخصوص شاگردوں کو تعلیم طریقت کے لئے آپ کے سپرد کیا، سرہند واپس آکر بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری کیا۔

شیخ احمد سرہندی مرشد کی زندگی کے آخری ایام میں تیسری مرتبہ 1011ھ بمطابق 1602 میں دہلی تشریف لائے، تیسری مرتبہ حاضر ہوئے تو خواجہ باقی باللہ نے شہر سے بہت دور باہر آکر آپ کا استقبال کیا، اور بڑی بشارتیں دیں، اپنی زیادہ عمر اور ضعف کی طرف اشارہ کر کے اپنے دونوں لڑکوں خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبد اللہ کو تربیت کے لئے آپ کے سپرد کیا۔

دہلی میں کچھ عرصہ قیام کے بعد مجدد الف ثانی سرہند واپس آئے، کچھ عرصہ سرہند میں مقیم رہ کر مرشد کے ایما اور ارشاد کے مطابق لاہور تشریف لے گئے، لاہور اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی و دینی مرکز تھا، اس شہر میں رشد وہدایت کی مجلس قائم کی، مولانا طاہر لاہوری، مولانا حاجی محمد، مولانا جمال الدین وغیرہ کئی لوگ آپ کے حلقہ ارادت و بیعت میں داخل ہوئے، یہاں کے اکثر علما نے آپ سے استفادہ کیا۔

لاہور کے قیام کے دوران ہی حضرت خواجہ باقی باللہ کی رحلت کی خبر ملی، تو فوراً دہلی کے لئے روانہ ہو گئے، دہلی آکر خواجہ باقی باللہ

کے مزار پر حاضری دی، اور اہل خانہ اور برادران طریقت سے تعزیت کی، اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز قیام کر کے سرہند واپس چلے گئے، اس کے بعد آخری مرتبہ پیر و مرشد کے عرس میں شرکت کی غرض سے دہلی تشریف لے گئے، سلسلے سے منسلک لوگوں کو مفید نصائح کرنے کے بعد سرہند واپس آ گئے۔

14.3.3 معمولات

آپ کا معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی کبھی رات کے تہائی حصہ میں بستر سے اٹھ جاتے، وضو کرتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے، دعائیں کرتے، پھر نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد مراقبہ میں مشغول ہو جاتے، فجر کی سنت گھر پر ہی ادا فرماتے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل پڑھتے تھے، فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت تک حلقہ فرماتے، پھر نماز اشراق اور تسبیحات سے فارغ ہو کر دولت خانہ پر تشریف لاتے، اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر خبر لیتے اور جو امور روز مرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے متعلق ہدایات فرماتے، پھر خلوت میں تشریف لے جاتے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو جاتے، تلاوت کے بعد طالبان حق کو ہدایات دیتے، دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سنت کے مطابق قیلولہ فرماتے، ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر حافظ سے قرآن سنتے اور درس دیتے، عصر کی نماز کے بعد غروب تک مراقبہ میں مشغول رہتے، نماز مغرب کی سنت کے بعد اوابین ادا کرتے، نماز عشا اول وقت میں ادا کر لیتے، عشا کی نماز اور وتر ادا کرنے کے بعد آرام کے لئے لیٹ جاتے، درود کثرت سے پڑھتے، سنت کی مکمل پابندی کرتے، رمضان کا پورا اہتمام کرتے، رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے، اور زکوۃ کی ادائیگی کا خصوصی خیال رکھتے۔

مریضوں کی عیادت کرتے، زیارت قبور کے لئے بھی تشریف لے جاتے، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول و کلام اور تصوف وغیرہ کی بعض اعلی کتابوں کا درس دیتے، طلبا کو دینی علوم حاصل کرنے کی تاکید فرماتے، اور تحصیل علم کو سلوک اور طریقت پر مقدم رکھتے، نعمت حاصل ہونے پر شکر بجالاتے اور تکلیف پر صبر کرتے، اخلاق و تواضع سے پیش آتے اور خلق اللہ پر شفقت کرتے، سلام میں ہمیشہ سبقت فرماتے، اہل حقوق کی حد درجہ رعایت فرماتے۔

14.3.4 سماجی حالات اور اصلاحات

آپ کے زمانے میں مغل بادشاہ اکبر نے علما کے آپسی جھگڑوں کی وجہ سے اور اپنی کم علمی اور بے دینی کے سبب ملک میں نئے مذہب کو رائج کرنے کی کوشش کی، حالانکہ بادشاہ اکبر شروع میں صحیح العقیدہ مسلمان تھا، لیکن غیر مسلموں کی قربت اور علما کے آپسی جھگڑوں سے تنگ آ کر اس نے دین الہی کی بنیاد ڈالی، اس دین میں سود، جوا، شراب اور خنزیر کے گوشت کو حلال قرار دیا گیا، نکاح کے قانون میں ترمیم کی گئی، گائے کا ذبیحہ، پردہ اور ختنہ کی ممانعت کر دی گئی، سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیا گیا، ایسے نازک حالات میں اللہ تعالی نے شیخ احمد سرہندی کو مصلح بنا کر بھیجا۔

مذکورہ بالا حالات میں شیخ احمد سرہندی نے اپنے مقصد کو پانے کے لئے تین طبقوں پر محنت کی، (1) ارباب حکومت (2) علما سو، جن کا مقصد صرف حکام اور امرا کی خوشنودی حاصل کر کے دنیا کمانا تھا، (3) گمراہ صوفی، جو خود کو شریعت کی پابندیوں سے آزاد سمجھنے لگے

تھے۔

1014ھ میں بادشاہ اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا، شیخ احمد سرہندی نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اسلام پسند امرا کو متحد ہو کر احیا اسلام کی جدوجہد کرنے پر زور دیا، مجدد الف ثانی نے خان خاناں سید صدر جہاں اور نواب مرتضی خاں وغیرہ کے ذریعہ بادشاہ کو نصیحت آمیز خطوط بھیجے ،'ان حضرات کو بادشاہ کا تقرب اور اعتماد حاصل تھا، اور آپ کے عقیدت مند اور مداح بھی تھے 'لیکن آپ کے مخالفین نے ان خطوط کو غلط انداز میں بادشاہ جہانگیر کے سامنے پیش کیا، جس کی وجہ سے بادشاہ جہانگیر مجدد الف ثانی سے بد دل ہو گیا اور آپ کو ربیع الثانی 1028ھ میں گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا، کیونکہ آپ نے سجدہ تعظیمی اور آداب شاہی سے انکار کیا تھا، قید کرنے کے بعد آپ کی حویلی، سرائے، کنواں، باغ اور کتابیں ضبط کر لی گئیں، حضرت شیخ احمد سرہندی نے قید خانہ میں بھی اپنا مشن جاری رکھا، آپ کی تبلیغ اور صحبت و تربیت سے متعدد غیر مسلم قیدی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

ایک مرتبہ بادشاہ جہانگیر نے خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے فرماتے ہیں کہ "جہانگیر تو نے کتنے بڑے شخص کو قید کر دیا" اسے اپنے کئے پر بڑی ندامت ہوئی، اور ایک سال بعد جہانگیر کو آپ کی بے گناہی کا یقین ہو گیا تو اس نے آپ کی رہائی کے احکام جاری کئے، اس طرح آپ کی رہائی جمادی الآخر 1029ھ بمطابق مئی 1620 میں ہو گئی۔

آپ کی رہائی کے بعد جہانگیر نے آپ کو اپنے لشکر شاہی میں رکھ لیا، شیخ احمد سرہندی لشکر شاہی میں تقریبا ساڑھے تین سال رہے، اس دوران آپ کو اہل دربار اور اہل لشکر میں تبلیغ اور اشاعت اسلام کا بہترین موقعہ ملا، 1032ھ بمطابق 1623 میں آپ جہانگیر کے ساتھ اجمیر گئے، اور وہاں کچھ دنوں قیام کے بعد جہانگیر نے وطن جانے کی اجازت دے دی، چنانچہ آپ سرہند واپس آ گئے۔

شیخ احمد سرہندی نے اپنی اصلاحات کے ذریعہ مغلیہ حکومت میں ایک نئی روح پھونک دی، امرا اور ارا کین حکومت کو ان کے فرائض یاد لائے، اور شعائر اسلام کی بجا آوری اور اسلام کی سربلندی پر زور دیا، انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ رسول ﷺ کی نبوت آخری اور دائمی نبوت ہے، اور پوری انسانیت کو اس کی ضرورت ہے، اس عقیدہ کو انہوں نے مستحکم کیا۔

انہوں نے ان علما اور صوفیا کے خیالات کی بھی اصلاح کی جو راہ راست پر نہ تھے، انہوں نے اپنے قلم اور اپنی زبان سے ان کے غلط افکار و خیالات کی تردید کی، صحیح اسلامی فکر کو زندہ کیا، آپ نے نظریہ وحدۃ الوجود کی نئی توجیہ کی اور وحدۃ الشہود کا نظریہ قائم کر کے صوفیا اور علما کے اختلافات دور کر دیا۔

آپ کا قول ہے کہ مقام وحدۃ الوجود سالک کو ابتدا سلوک میں پیش آتا ہے، جس سے اسے گزر جانا چاہیئے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے، اس پر مقام وحدۃ الشہود منکشف ہوتا ہے، جو شرع کے عین مطابق ہے۔

شیخ احمد نے تصوف کی اصلاح اور شریعت سے اس کے تعلق کی وضاحت کے سلسلے میں اہم کارنامہ انجام دیا، انہوں نے صوفیہ کے روحانی سفر کی حقیقت بیان کی، اس کے مختلف مراحل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی، اور اس کی اہمیت پر تفصیل سے کلام کیا۔ انہوں نے تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی اور بتایا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود میں ہیں، اور کون سے شریعت سے منحرف اور قابل اصلاح

ہیں۔

وصال:

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی جہانگیر شاہی لشکر سے واپس ہو کر سرہند تشریف لائے، ان کا قیام سرہند میں دس ماہ اور آٹھ یا نو دن رہا، اس دوران خلوت اختیار کرلی، سارا وقت عبادت و ریاضت اور ذکر و استغفار میں گزارا، اور ترسٹھ سال کی عمر میں 28 صفر 1034ھ بمطابق 1624 کو آپ کا انتقال ہوا، آپ کے بیٹے خواجہ محمد سعید نے نماز جنازہ پڑھائی، سرہند میں مدفون ہوئے۔

14.3.5 تصنیفات اور مکتوبات

آپ کی مشہور تصانیف میں اثبات النبوہ، رد روافض، رسالہ تہلیلیہ، شرح رباعیات، معارف لدنیہ، مبدا و معاد، مکاشفات عینیہ اور مکتوبات امام ربانی ہیں، شیخ احمد کے مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان مکتوبات میں وحدۃ الوجود پر علمی تنقیدیں، وحدۃ الشہود کا اثبات اور طریقت و ولایت پر نبوت کی مطلق فضیلت جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے، یہ علمی اور روحانی مراکز کے نصاب درس میں شامل ہیں، یہ مکتوبات تین دفتر پر مشتمل ہیں دفتر اول میں 313 مکتوبات شامل ہیں، اسے حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفہ مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے 1025ھ میں مرتب فرمایا، دفتر دوم میں 99 مکتوبات ہیں، اسے مولانا عبدالحی حصاری شادمانی نے 1028ھ میں مرتب کیا، اور تیسرے دفتر میں 124 مکتوبات ہیں، اسے مولانا محمد ہاشم کشمی نے 1031ھ سے میں مرتب کیا۔ اس طرح ان مکتوبات کی مجموعی تعداد 536 ہیں، ان مکتوبات کے عربی، ترکی، انگریزی اور اردو میں ترجمے شائع ہوئے ہیں۔

14.3.6 خلفا

حضرت مجدد الف ثانی نے سینکڑوں خلفا اور مریدین کی تربیت فرمائی، ان کے خلفائے عظام کی ناموں کی ایک طویل فہرست ہے، یہ پورے عالم اسلام میں منتشر اور سرگرم عمل رہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی نے اپنے متعدد خلفا کو ہندوستان سے باہر ترکستان، کاشغر، توران، بدخشاں، خراسان، یمن، شام اور روم کی طرف اصلاح و تربیت کے لئے بھیجا، مولانا محمد قاسم کے ہمراہ ستر خلفا ترکستان، مولانا فرخ حسین کے ساتھ چالیس خلفا عرب، یمن، شام و روم، مولانا محمد صادق کابلی کے ساتھ دس خلفا اور شیخ احمد برکی کے ساتھ تیس خلفا توران، بدخشان اور خراسان کی طرف گئے، ان حضرات نے بیرون ہند میں نقشبندیہ سلسلہ کی خوب اشاعت کی۔

ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی کے فرزندوں اور خلفائے کبار نے اس سلسلے کی اشاعت اور اصلاح و تربیت کا کام انجام دیا۔ آپ کے سات فرزندوں میں خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد یحیی باحیات رہے، خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد یحیی نے اپنے والد کے سلسلہ مجددیہ کی اشاعت کی، لیکن اس سلسلے کو اصل شہرت خواجہ محمد معصوم سے ملی، وہ دہلی میں آپ کے جانشین اور خلیفہ بنے، ان سے طریقہ نقشبندیہ مجددیہ اور اس کی تعلیم و اثرات کی عالمگیر اشاعت ہوئی۔

جنوبی ہند میں برہان پور مجددیہ نقشبندیہ طریقے کا ایک بڑا مرکز تھا، جس کی سربراہی خواجہ میر محمد نعمان اور خواجہ ہاشم کشمی جیسے بزرگوں نے کی، اس مرکز سے لوگوں کی بڑی اصلاح ہوئی۔ آپ کے مشہور خلفا شیخ بدیع الدین (سہارن پور) شیخ طاہر (لاہور) شیخ نور محمد پٹنی (پٹنہ) شیخ حمید (بنگال) اور شیخ طاہر بدخشی (جونپور) سید محب اللہ مانکپوری (مانکپور) وغیرہ نے اپنے اپنے علاقوں میں نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کو خوب فروغ دیا۔

ان حضرات کی کوششوں کے نتیجے میں یہ سلسلہ بہت جلد عالم اسلام کے متعدد خطوں میں مقبول ہو گیا، اس کی مقبولیت کا اندازہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے اس جملے سے لگایا جاسکتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ 1027ھ مکمل نہیں ہوا تھا کہ حضرت مجدد کی جلالت شان اور قوت ارشاد و حسن تربیت کا آوازہ بیرون ہند تک پہنچ چکا تھا، لوگ جوق در جوق زیارت و استفادہ کے لئے آنے لگے، ماوراالنہر، بدخشاں، کابل، اور بعض دوسرے عجمی ممالک کے بہت سے شہروں میں آپ کے خلفا موجود تھے، اور عرب ممالک تک بھی آپ کی شہرت پہنچ گئی تھی، ہندوستان میں تو مشکل سے کوئی شہر ہو گا جہاں آپ کے نائبین اور دعوت الی اللہ دینے والے موجود نہ ہوں، (تاریخ دعوت و عزیمت، حصہ چہارم)

14.4 فرہنگ

شورِش : ہنگامہ، فتنہ وفساد، جھگڑا

نامساعد : ناسازگار، ناموافق، چیخ پکار، شوروغل، اودھم

دستگاہ : مہارت، مشق، قابلیت، لیاقت

طوال مفصل : سورۂ حجرات سے سورۂ بروج تک کی سورتیں

اوابین : چھ رکعت پر مشتمل مغرب کے بعد پڑھی جانے والی ایک نفلی نماز

14.5 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حضرت نظام الدین اولیا کا شمار عہد وسطی کے ہندوستان کی عہد ساز شخصیتوں میں ہوتا ہے۔
- انہوں نے بے پناہ انسانی ہمدردی، اخوت و محبت اور وسیع المشربی کے ذریعے مذہبی رواداری اور بقائے باہم کا ماحول پیدا کیا۔
- بابا فرید نے حضرت نظام الدین اولیا کو خلعت عطا فرمایا اور لباس خاص سے مشرف فرمایا، بابا فرید نے خلافت نامہ عطا کیا۔
- ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی داغ بیل حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے ہاتھوں پڑی، حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اسے منظم کیا، اور حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے اسے معراج کمال تک پہنچادیا۔

- دہلی میں نصف صدی سے زیادہ حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ، ارشاد و تلقین کا مرکز اور رشد و ہدایت کا سرچشمہ بنی رہی۔
- حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، امیر، غریب، عارف و عامی، شہری اور دیہاتی بوڑھے اور بچے سب ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، لنگر عام تھا، لوگ جو تحفے تحائف آپ کی خدمت میں پیش کرتے وہ غربا اور ضرورت مندوں کو تقسیم کرا دیئے جاتے تھے۔
- حضرت نظام الدین اولیا ہمیشہ سلطنت اور شاہی دربار سے دور رہے۔
- حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات امیر حسن سجزی نے جمع کئے، اور اس کا نام فوائد الفواد رکھا۔
- حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی ایک ممتاز عالم، مجدد و مصلح اور نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے۔
- شیخ احمد سرہندی نے اپنی اصلاحات کے ذریعہ مغلیہ حکومت میں ایک نئی روح پھونک دی، امرا اور ارا کین حکومت کو ان کے فرائض یاد لائے۔
- شیخ احمد نے صوفیہ کے روحانی سفر کی حقیقت بیان کی، اس کے مختلف مراحل کی خصوصیات پر روشنی ڈالی۔
- شیخ احمد نے تصوف کی پوری تاریخ پر نظر ڈالی اور بتایا کہ کون سے نظریات اور اعمال شریعت کی حدود میں ہیں، اور کون سے شریعت سے منحرف اور قابل اصلاح ہیں۔
- آپ نے نظریہ وحدۃ الوجود کی نئی توجیہ کی اور وحدۃ الشہود کا نظریہ قائم کر کے صوفیا اور علما کے اختلافات دور کر دیئے۔
- شیخ احمد کے مکتوبات بڑی اہمیت کے حامل ہیں، ان مکتوبات میں وحدۃ الوجود پر علمی تنقیدیں، وحدۃ الشہود کا اثبات اور طریقت و ولایت پر نبوت کی مطلق فضیلت جیسے موضوعات پر بحث کی گئی ہے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.6.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. محبوب الٰہی کس کا لقب ہے؟

(a). شیخ احمد سرہندی (b). شیخ فرید (c). حضرت نظام الدین اولیا (d). خواجہ باقی باللہ

2. ان میں سے کون مجدد الف ثانی کے لقب سے مشہور ہیں؟

(a). خواجہ باقی باللہ (b). شیخ احمد سرہندی (c). بابا فرید (d). خواجہ عبید اللہ

3. حضرت نظام الدین اولیا کے پیر و مرشد کون تھے؟

(a). حضرت قطب الدین بختیار کاکی (b). خواجہ باقی باللہ (c). بابا فرید (d). نصیر الدین چراغ

4. حضرت نظام الدین اولیا کی جائے پیدائش۔۔۔۔۔۔ہے۔

(a). دہلی (b). میوات (c). اجودھن (d). بدایوں

5. فوائد الفواد کے مرتب کون ہیں؟

(a). امیر خسرو (b). امیر حسن سجزی (c). حضرت حسام الدین (d). حضرت احمد

6. شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کے مجموعہ کا نام کیا ہے؟

(a). مکتوبات امام ربانی (b). مکتوبات صدی (c). مکتوبات کبیر (d). مکتوبات امیر

7. ان میں سے کون نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ ہیں؟

(a). امیر خسرو (b). شیخ احمد سرہندی (c). نصیر الدین چراغ دہلی (d). امیر حسن سجزی

8. اثبات النبوۃ کس کی تصنیف ہے؟

(a). شاہ ولی اللہ (b). امیر حسن سجزی (c). شاہ رفیع الدین (d). شیخ احمد سرہندی

9. وحدۃ الشہود کا نظریہ کس سے منسوب ہے؟

(a). شیخ احمد سرہندی (b). شیخ ابن عربی (c). خواجہ باقی باللہ (d). بابا فرید

10. شیخ احمد سرہندی کے والد کا نام بتایئے؟

(a). شیخ عبد الاحد (b). شیخ مظہر (c). شیخ ابو الحسن (d). شیخ شرف الدین

14.6.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت نظام الدین اولیا کے ابتدائی زندگی سے متعلق اپنی معلومات درج کیجیے۔
2. حضرت نظام الدین اولیا کے ممتاز خلفا پر ایک نوٹ قلم بند کیجیے۔
3. شیخ احمد سرہندی کے اصلاحات پر گفتگو کیجیے۔
4. شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات کے بارے میں اپنی معلومات تحریر کیجیے۔
5. نقشبندیہ سلسلہ کی اشاعت میں شیخ احمد سرہندی کے ممتاز خلفا کے کردار پر روشنی ڈالیے۔

14.6.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حضرت نظام الدین اولیا کی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔
2. حضرت نظام الدین اولیا کے معمولات زندگی کو بیان کیجیے۔
3. شیخ احمد سرہندی کے حالات زندگی پر ایک مضمون تحریر کیجیے۔

14.7 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. تاریخ مشائخ چشت : خلیق احمد نظامی
2. بزم صوفیا : سید صباح الدین عبد الرحمن
3. تاریخ دعوت وعزیمت : سید ابوالحسن علی ندوی
4. رود کوثر : شیخ محمد اکرام
5. تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی : مولانا محمد منظور نعمانی
6. خواجہ نظام الدین اولیا : عبد الرحمن مومن

معروضی سوالات کے جوابات:

1. C	2. B	3.B	4. D	5.B
6.A	7.B	8.D	9.A	10. A

اکائی 15: مشہور کتابیں حصہ اول: الرعایہ لحقوق اللہ، رسالہ قشیریہ

اکائی کے اجزا:

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 حارث محاسبی

15.2.1 خدمات

15.3 تصانیف

15.3.1 الرعایہ لحقوق اللہ والقیام بہا

15.4 ابوالقاسم قشیری

15.5 الرسالۃ القشیریہ

15.6 خلاصہ

15.7 فرہنگ

15.8 اکتسابی نتائج

15.9 نمونہ امتحانی سوالات

15.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

15.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

15.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

15.0 تمہید

امام حارث محاسبی کی کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ اور امام ابوالقاسم القشیری کی کتاب الرسالۃ القشیریۃ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان دونوں کتابوں نے تصوف کی تفہیم اور اس کی نشر و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کتابوں کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ دونوں کتابیں تصوف کے ارتقا کے بالکل ابتدائی دور کی تصنیفات ہیں، اس لیے ان کی روشنی میں تصوف کے خدوخال پوری طرح قرآن و سنت سے ہم آہنگ نظر آتے ہیں۔

15.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- امام حارث محاسبی اور امام ابوالقاسم القشیری کے احوال زندگی اور ان کی تصنیفات سے واقف ہوں۔
- امام حارث محاسبی کی کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ کی اہمیت کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس کے اور امام ابوالقاسم القشیری کی کتاب الرسالۃ القشیریہ کے مضامین کا خلاصہ کر سکیں۔

15.2 حارث محاسبی

حارث محاسبی اپنے وقت کے عظیم صوفی اور متکلم تھے۔ وہ حضرت جنید بغدادی کے استاد بھی تھے اور مربی بھی۔ انہوں نے اپنے موضوع کے ارتقا پر بھی گہرے اثرات ڈالے اور علم کلام کے حوالے سے بھی ان کی بڑی خدمات ہیں۔ وہ بڑے کثیر التصانیف مصنف بھی تھے۔ انہوں نے تصوف اور کلام کے موضوعات پر بہت ساری کتابیں لکھیں، البتہ ان کی تصنیفات زیادہ تر تصوف کے بارے میں ہیں۔ علم کلام کا ذکر ان کی تصنیفات میں کم ہے، ان کے تذکرہ نگاروں نے تو واضح طور پر لکھا ہے کہ وہ علم کلام کے ماہر تھے اور کلامی مسائل پر انہوں نے رائے دی ہیں۔

حارث محاسبی کی کئی تصانیف مشہور ہیں، ان میں "الرعایہ لحقوق اللہ" ایک اہم ترین تصنیف ہے۔ ذیل کے صفحات میں اسی کتاب کا تعارف کرایا جائے گا۔ لیکن کتاب کا تعارف کرانے سے پہلے مصنف کے مختصر حالات کا جاننا بھی ضروری ہے۔

نام و نسب و پیدائش:

حارث محاسبی کا پورا نام "ابو عبداللہ حارث بن اسد بن عبداللہ ساری" تھا۔ متعین طور پر تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہے، امکان یہ ہے کہ وہ 781 یا اس کے آس پاس پیدا ہوئے، جو ہجری اعتبار سے 170 ہوتا ہے۔ اور 73 سال کی عمر میں 857 عیسوی مطابق 243 ہجری میں بصرہ میں ہی ان کی وفات ہوئی۔

تحصیل علم اور تلامذہ:

حارث محاسبی کی پیدائش تو بصرہ میں ہوئی تھی، لیکن بچپن میں ہی اپنے والدین کے ہمراہ بغداد آ گئے تھے۔ یہاں علم و فضل اور تعلیم و تعلم کے بڑے مواقع تھے۔ یہاں کے اساتذہ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ انہوں نے امام شافعی سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ ان کے دیگر اساتذہ میں حسین بن ہارون فقیہ اور محدث یزید بن ہارون کا تذکرہ ملتا ہے۔

تحصیل علم سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے بصرہ میں ہی اشاعت علم کا راستہ اختیار کیا اور درس و تدریس کے علاوہ لوگوں کی تربیت بھی کرنے لگے، اس طرح ان کا رجحان تصوف کی طرف ہو گیا۔

حارث محاسبی کے شاگردوں میں سب سے مشہور نام حضرت جنید بغدادی کا ہے۔ ان کے علاوہ احمد بن عاصم انطاکی اور ابو حمزہ بزاز بغدادی نے بھی ان سے استفادہ کیا۔ حارث محاسبی کے دوسرے شاگردوں میں ابو العباس بن مسروق طوسی، احمد بن حسن بن عبد الجبار صوفی، احمد بن قاسم بن نصر الفرائضی وغیرہ بھی کافی مشہور ہیں۔

15.2.1 خدمات

حارث محاسبی کے والد بھی بڑے زاہد اور شب زندہ دار تھے، بلکہ ان کا پورا گھرانہ ہی زہد و تقوی اور عبادت وانابت کے لیے مشہور تھا۔ امام احمد ابن حنبل نے حارث محاسبی اور ان کے علم و فضل اور تقوی و طہارت کی تعریف کی ہے۔

حارث محاسبی کا تذکرہ تمام اہم مورخین نے کیا ہے۔ البتہ ان کے حالات زیادہ تفصیل کے ساتھ نہیں لکھے۔ اس کی ایک وجہ غالبا یہ بھی ہے کہ حارث محاسبی کو اپنی زندگی میں بعض لوگوں کی طرف سے تنقید کا سامنا کرنا پڑا، خاص طور پر امام احمد ابن حنبل نے ان کے بعض نظریات پر تنقید کی جس کی وجہ سے لوگوں نے ان کا ذکر کم کیا ہے۔

حارث محاسبی عمر بھر علم دین کی اشاعت کرتے رہے اور لوگوں کی تربیت کرتے رہے، چونکہ وہ دور روایت میں پیدا ہوئے تھے اس لیے محدثین نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے، البتہ امام احمد بن حنبل سے اختلاف کی وجہ سے بعض علماء ان کے خلاف ہو گئے تھے جس کی وجہ سے ان کو کچھ مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ تعلیم و تربیت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا مشغلہ ہمیشہ جاری رہا۔

وفات:

حارث محاسبی نے تقریبا 73 سال کی عمر پائی ان کا انتقال بصرہ میں ہوا۔ سن 243 ہجری اور 857 عیسوی ہے بصرہ میں ہی ان کی تدفین ہوئی۔

15.3 تصانیف

حارث محاسبی کثیر التصانیف لوگوں میں تھے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے ان کی تصنیفات کی تعداد 200 کے قریب لکھی ہے۔ اس وقت ان کی تقریبا 25 کتابیں موجود ہیں۔ یہ سبھی کتابیں تصوف، زہد، نفس کی بیماریوں اور ان کا علاج اور اخلاقی قدروں کے ارتقا جیسے

موضوعات پر ہیں۔ ان کی مشہور کتاب الرعایہ لحقوق اللہ والقیام بہا ہے۔

15.3.1 الرعایہ لحقوق اللہ والقیام بہا

حارث محاسبی کی ایک ضخیم اور اہم ترین کتاب الرعایہ لحقوق اللہ ہے۔ ایک طرح سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حارث محاسبی کی فکر کی جامع کتاب ہے۔ یہ اپنی ضخامت کے اعتبار سے ان کی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ ضخیم ہے۔ اپنے معنی اور مفاہیم کے اعتبار سے یہ ان کی تمام کتابوں کے مضامین و معارف پر تصوف اور اس کی تعلیمات، آدابِ نفس، اصلاح باطن کے تمام موضوعات پر مشتمل ہے۔ حارث محاسبی نے اس کتاب کو 62 ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں کچھ اصول ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں لوگوں کو یہ نصیحت کی گئی ہے کہ وہ احکام الٰہی کی طرف دل و جان سے متوجہ ہوں اور دین کو اس کی اصل حقیقت اور اس کی روح کے ساتھ اپنی زندگی میں داخل کریں۔

الرعایہ لحقوق اللہ کا اسلوب تصنیف:

کتاب الرعایہ لحقوق اللہ والقیام بہا ان کی کوئی ایک مستقل تصنیف نہیں ہے، بلکہ یہ کتاب ان کے نو رسالوں کا مجموعہ ہے جن میں سے پہلے رسالے کا نام الرعایہ لحقوق اللہ ہے۔ دوسرا الریا۔ تیسرا معرفت النفس۔ چوتھا التنبیہ۔ پانچواں العجب۔ چھٹا الکبر۔ ساتواں کتاب الغرہ۔ آٹھواں کتاب الحسد اور نواں کتاب تادیب المرید ہے۔

کتاب الرعایہ کے اس پورے مجموعے کے اندر حارث محاسبی کا اسلوب سوال اور جواب کا ہے۔ مرید سوال کرتا ہے وہ جواب دیتے ہیں۔ کتاب کے مقدمے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے جوابات کو ان کے مریدین نے تحریر کیا اور بعد میں ان کو دکھایا۔ انہوں نے اس پر نظر ثانی کی اور ان پر ایک مقدمہ لکھ کر ان کو ایک کتاب بنا دیا۔ کتاب کے مقدمے میں سب سے پہلے اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کی، اس کے بعد درود و سلام بھیجا، اس کے بعد بظاہر اپنے ایک مرید کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ جو کچھ آپ سے میں نے سمجھا اس کا جواب دیا اور جواب سے پہلے میری یہ ذمہ داری تھی کہ آپ کے پوچھنے پر میں آپ کی توجہ دلاؤں کہ آپ میری بات کو دھیان سے سنیں، تاکہ اس کو اچھی طرح سے سمجھیں اور جو آدمی کتاب اللہ کو سنے یا کسی حکمت کی بات کو سنے یا کسی علم کو سنے یا کسی نصیحت کو سنے تو اس طرح سننا چاہیے کہ جو کچھ سن رہا ہے اس کے علاوہ اس کے دل میں کوئی اور بات نہ ہو۔ اس کا دل گواہی دے کہ وہ کیا سن رہا ہے اور جو سن رہا ہے اس سے اس کی نیت اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، اس لیے کہ اللہ تبارک و تعالی نے اپنی کتاب میں خود فرمایا اور مومنین کی تعریف کرتے ہوئے ان کو حکم دیا ہے؛ جو لوگ بات کو غور سے سنتے ہیں، پھر اس کے بہتر پہلو کی اتباع کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت فرمائی ہے اور یہی لوگ عقل مند ہیں۔ (سورہ زمر آیت 18)

اس کے بعد حسن استماع سے متعلق انہوں نے ایک حدیث بھی بیان کی ہے، جو وہب بن منبہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا" کہ دھیان سے سننے کا ادب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء پر سکون ہوں، اس کی نگاہیں نیچی ہوں، جو سن رہا ہے اس کی طرف پوری توجہ ہو اور عقل

پوری طرح اسی میں لگی ہو، اس پر عمل کرنے کی نیت ہو، یہ ہے وہ استماع جس کو اللہ نے پسند کیا ہے۔"

الرعایۃ لحقوق اللہ پر یہ مقدمہ عبد القادر عطا کی تحقیق کردہ کتاب کے اندر پانچ صفحات پر مشتمل ہے اس کے بعد پہلا باب انہوں نے قائم کیا ہے "باب رعایت حقوق اللہ" اور اس کے بارے میں حارث محاسبی سائل کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ آپ نے جو اللہ کے حقوق کی رعایت اور ان کے پورا کرنے سے متعلق سوال کیا ہے تو آپ نے بہت عظیم بات کے بارے میں سوال کیا ہے، جس کو موجودہ زمانے کے لوگ ضائع کر رہے ہیں اور یہ ایسا عظیم کام ہے کہ انبیاء کرام اسی کام کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

کتاب الرعایہ لحقوق اللہ کے مضامین کا خلاصہ:

کتاب الرعایہ لحقوق اللہ کے مضامین کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان کے لیے تقوی کی معرفت ضروری ہے۔ مصنف نے تقوی کی شرح کی ہے۔ اس کے بعد ورع کی معرفت ضروری ہے۔ نفس کے دھوکوں کو بھی جاننا ضروری ہے۔ ایک باب یہ قائم کیا ہے کہ بندے کے اوپر سب سے پہلے معرفت اور اس پر غور و فکر ضروری ہے۔ ایک باب محاسبہ نفس پر ہے۔ اس طرح لگاتار ابواب ہیں۔

طلب تقوی میں لوگوں کے اندر اختلاف:

بندے کو توبہ پر کیا چیز ابھارتی ہے۔ خوف و خشیت الہی، رجوع الی اللہ اور توکل کی معرفت کے لیے کن باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ اللہ کے حقوق کو جاننے والوں کی صفات کیا ہوتی ہیں۔ اس طرح کے ابواب کے بعد پھر عملی نصیحتیں ہیں۔

کتاب کا پہلا باب ہے کہ فرائض میں سب سے پہلے کیا کرنا چاہیے اس کی شرح ہے۔ اس کے بعد نوافل کا بیان ہے اور اس کا ذکر ہے کہ نوافل کے سلسلے میں انسان کو کس چیز سے ڈرنا چاہیے۔ بندے کے سامنے جو دین کے راستے میں مشکلات آتی ہیں ان کا ذکر ہے۔ روزے سے متعلق انسان کی آفات کا ذکر ہے۔ نماز کے اندر کن چیزوں کی رعایت کرنی چاہیے اور اس میں جو کمی رہ جاتی ہیں ان سے کیسے بچا جائے، اس کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کے منازل و مراتب کا ذکر ہے جو اللہ کے حقوق کی رعایت کرتے ہوں۔ اس کے مقابلے میں ان کا بھی ذکر ہے جو گناہ پر اصرار کرتے ہیں کہ ان کی عاقبت کیا ہوگی اور موت کے لیے تیاری کرنے اور امیدوں کو کم کرنے کا ذکر ہے۔ موت کے وقت کی عالم نزع کی تکلیفوں کا ذکر ہے۔ اسی کے ساتھ پہلا حصہ ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرا حصہ ریا کے بارے میں ہے سب سے پہلے یہ بیان ہے کہ ریا کس کو کہتے ہیں، اس کی تعریف کیا ہے اور اخلاص نیت کتنی ضروری ہے، اس کا بیان ہے۔ ریا کی دو قسمیں ہیں؛ ایک بڑا ریا اور ایک چھوٹا ریا۔ لیکن دونوں ہی بہت خطرناک ہیں۔ اگلے باب میں ریا کی وجوہات کا بیان ہے۔ تین وجہ بتائی ہیں: ایک ہے اپنی تعریف کی محبت۔ دوسرا ہے لعنت و ملامت کا یا مذمت کا خوف اور تیسرا ہے لوگوں کے ساتھ اپنا لالچ وابستہ کرنا۔ پھر اس کی تائید میں کئی احادیث روایت کی ہیں جن میں ریا کے نقصان کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان تینوں اقسام سے متعلق علاج بیان کیا ہے کہ کس طرح سے انسان ان تینوں سے بچ سکتا ہے۔ تینوں کے لیے الگ الگ باب قائم کیے ہیں۔ ریاکاری کے مختلف انداز کو بیان کیا ہے۔ ایک باب میں وہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ ریا سے کیسے بچ سکتا ہے۔ اگلے باب میں ریا کے مقابلے میں اخلاص کی اہمیت بیان کی ہے۔ اخلاص کس کو کہتے ہیں بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ شیطان سے بچنا کیوں ضروری ہے۔ شیطان کس طرح دھوکہ دیتا

ہے ان کا بیان ہے۔ ریا کے نتیجے میں انسان کن خطرات سے دوچار ہوتا ہے۔ اسی طرح ریا کی دو انتہاؤں کو بیان کیا ہے۔ قرآن کی ایک آیت کی روشنی میں انہوں نے لکھا ہے کہ سب سے بڑا ریا وہ ہے جو ایمان سے متعلق ہے کہ آدمی کے دل میں کفر ہو اور ایمان ظاہر کرے اور اس کو نفاق کہا گیا ہے۔ کئی آیتیں اس کے لیے نقل کی ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے ریا کی اور بہت ساری اقسام فرائض میں، دوسرے اعمال مثلا روزے کے اندر، یا حج کے اندر یا غزوہ میں بیان کی ہیں۔ ایک باب اس پر قائم کیا ہے کہ ریا کے ذریعے کون کون سے برے اخلاق انسان کے اندر پیدا ہوتے ہیں جس سے گھمنڈ پیدا ہوتا ہے، فخر پیدا ہوتا ہے اور حسد آتا ہے وغیرہ۔ ایک باب میں ریاکار کی علامتیں بیان کی ہیں اور ایک باب میں یہ بتایا ہے کہ کسی بھی عمل سے پہلے آدمی کو کیا کرنا چاہیے تاکہ وہ ریا سے پاک ہو جائے۔

اسی ضمن میں اس کا بھی اظہار ہے کہ اگر کوئی آدمی اچھا کام کرتا ہو اور کوئی اس کو دیکھ لے یا وہ عمل ظاہر ہو جائے اور اس کے اوپر وہ خوش ہو تو یہ ریا نہیں ہے۔ ایک باب میں ریا اور عجب یعنی گھمنڈ کی مذمت کی گئی ہے اور اخلاص نیت کو بیان کیا ہے۔ نیت کس کو کہتے ہیں اس کی وضاحت کئی ابواب میں کی ہے۔ بندہ کس طرح سے اپنی نیت کو خالص کرے۔ نفس میں چھپی ہوئی بیماریوں کو بھی بیان کیا ہے۔ مثلا کوئی آدمی عمل کرتا ہے اور ظاہر نہیں کر رہا، لیکن اس کی خواہش ہے کہ وہ ظاہر ہو، لوگوں کو پتہ چلے۔

اگلے ابواب میں ظاہری طور پر عمل کرنے اور عمل کرنے کے حدود اور ان کے فوائد بیان کیے ہیں۔ ایک مستقل باب اس پر قائم کیا ہے کہ اگر کسی آدمی کو ریا کا خوف ہو تو کیا اس کی وجہ سے عمل چھوڑ دے؟ ایک باب اس پر ہے کہ دوسروں کے عیوب کو چھپانا کیسا ہے؟ ایک باب اس پر ہے کہ کن کاموں میں حیا کرنی چاہیے اور کن کاموں میں حیا کرنا ناپسندیدہ ہے۔ ایک مستقل باب اس پر قائم کیا ہے کہ انسان کا دل سچا کیسے بن جائے۔ ایک باب اس پر قائم کیا ہے کہ اگر کسی بندے کے سامنے اس کی حمد اور ذم یعنی اس کی تعریف اور برائی برابر ہو جائے وہ کیسا ہے۔ ایک باب اس پر قائم کیا ہے کہ اپنے والدین کو راضی کرنے کے لیے ریا کرنا کیسا ہے۔ ایک تمثیل دی ہے کہ ایک آدمی کے دو دوست ہیں، ایک امیر اور دوسرا غریب ہے۔ اگر وہ امیر کے پاس زیادہ اور غریب کا پاس کم جاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے۔ یہ کافی مفصل کتابچہ ہے۔

کتاب الاخوان و معرفت النفس

الرعایۃ لحقوق اللہ کے اندر دوسرا حصہ کتاب الاخوان و معرفۃ النفس ہے اس کا پہلا باب اس پر ہے کہ بندہ توبہ کی نیت تو کرتا ہے لیکن اس پر قائم نہیں رہ پاتا، اس کے کیا اسباب ہیں۔ اگلے ابواب میں صحبت کے اثرات، بری صحبت سے بچنا، اچھے اخوان کی صحبت میں رہنا، ان کے فوائد اور بری صحبت کے نقصانات کا بیان ہے۔

کتاب التنبیہ علی معرفۃ النفس وسوء افعالہا و دعا ئہا الی ھواہا

الرعایۃ لحقوق اللہ کے اندر تیسرا حصہ التنبیہ علی معرفۃ النفس وسوء افعالہا و دعائہا الی ھواہا ہے اس کتاب میں سب سے پہلے نفس کی خواہشات کی پیروی سے متعلق تنبیہ ہے۔ بری خواہشات کا کیسے پتہ چلے، ان کو کیسے ختم کیا جائے اور جب بری خواہشات ختم ہو جاتی ہیں تو انسان کے اندر کیا خوبیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا بیان ہے۔ اس کتاب میں صرف دو باب ہیں۔

كتاب العجب

الرعایۃ لحقوق اللہ کے اندر چوتھا حصہ کتاب العجب ہے، اس میں پہلے باب کے اندر معرفت نفس کا بیان ہے اور یہ بیان ہے کہ انسان کے اندر عجب یعنی گھمنڈ کیوں پیدا ہوتا ہے۔ پھر ایک باب اس پر ہے کہ دین کے حوالے سے جن لوگوں میں گھمنڈ پیدا ہوتا ہے ان کی چار قسمیں ہیں: کچھ لوگوں میں یہ گھمنڈ عمل کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ کچھ میں علم کی بنیاد پر پیدا ہوتا ہے۔ کچھ میں رائالثواب کی بنیاد پر۔ کچھ میں رائی الخطا کی بنیاد پر۔ اگلے ابواب میں شروع کی تین قسموں کی تشریح کی ہے اور ایک باب میں "العجب بالرای الخطا" کی تشریح کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی برے کام کرتا ہے، لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھے کام کر رہا ہے۔ یہ "العجب بالرای الخطا" ہے۔ اس کے لیے انہوں نے قرآن پاک کی کئی آیات نقل کی ہیں، جیسے ایک آیت ہے؛ "اے ایمان والو! تم اپنی جانوں کی فکر کرو جب تم ہدایت پر ہو تو گمراہ ہونے والا تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا۔" (سورہ مائدہ آیت 105) اسی طرح سے سورہ فاطر کی آیت نمبر: 8 بھلا جس شخص کے لیے اس کا برا عمل آراستہ کر دیا گیا ہو اور وہ اسے (حقیقتاً) اچھا سمجھنے لگے (کیا وہ مومن صالح جیسا ہو سکتا ہے)۔ اور انہی کی تشریح کرتے ہوئے "الرای الخطا" کی تفصیل بیان کی ہے۔ نفس کے اندر دین کے حوالے سے جو غرور پیدا ہوتا ہے اس کی اور بھی بہت ساری اقسام ہیں۔ خاص طور سے یہ "الرای الخطا" کی جو قسم ہے اس پر انہوں نے بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، کئی ابواب میں ان چیزوں کو بیان کیا ہے کہ کس طرح سے انسان کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ دین کے اوپر بہت عمل کر رہا ہے، لیکن سچ مچ میں وہ دین پر نہیں ہوتا۔ اسی کتاب میں ایک باب نسب پر گھمنڈ کرنے کا بھی قائم کیا ہے اور انہوں نے بتایا ہے کہ بعض لوگ اپنے نسب پر یا اپنے باپ دادا پر گھمنڈ کرتے ہیں، یہ پوری طرح سے دین کے خلاف ہے اور گمراہی ہے۔ بعض لوگ اپنی کثرت تعداد پر گھمنڈ کرتے ہیں، اپنی اولاد کے زیادہ ہونے پر گھمنڈ کرتے ہیں، اس کے لیے بھی قرآن کی آیتیں ذکر کی ہیں اور بتایا ہے کہ یہ بھی بے بنیاد ہے اور گمراہی ہے۔ کچھ لوگ مال کے اوپر گھمنڈ کرتے ہیں، ان کی مذمت کی ہے۔ یہ سب گھمنڈ کرنے کی چیزیں نہیں ہیں اور نکتے کی بات یہ بتائی ہے کہ دنیا میں کوئی بھی چیز گھمنڈ کرنے کی نہیں ہے۔ اللہ کے نزدیک سب سے اچھا بندہ وہ ہے جو عاجزی اختیار کرے، جو تقوی میں سب سے آگے ہو، وہی اللہ کے نزدیک سب سے اچھا ہے۔ مال سے، دولت سے، اولاد سے اور نسب سے کوئی بڑائی انسان کو حاصل نہیں ہے۔

كتاب الكبر

الرعایۃ لحقوق اللہ کا پانچواں حصہ کتاب الکبر ہے۔ کتاب الکبر میں بھی سب سے پہلے انہوں نے کبر کا بیان کیا ہے کہ گھمنڈ کس طرح سے برائیوں کا مرکز ہے اور اچھائیوں کو کھا جاتا ہے اور قرآن پاک کی بہت ساری آیات نقل کر کے انہوں نے گھمنڈ کی مذمت کو بیان کیا ہے، اس کی اقسام کو بیان کیا ہے کہ لوگ کس طرح سے اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں گھمنڈ کرتے ہیں۔ اللہ کی رحمت کو لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس پوری کتاب کے اندر سب سے زیادہ قرآن کی آیات اسی میں نقل کی ہیں۔ ویسے تو وہ عام طور پر وہ قرآن کی آیات نقل کرتے ہیں، لیکن اس میں سب سے زیادہ نقل کی ہیں۔

پھر ایک باب میں انہوں نے کبر اور عجب کے اندر فرق بیان کیا ہے۔ دونوں عربی زبان کے لفظ ہیں۔ کبر کے معنی بھی گھمنڈ کے آتے ہیں عجب کے معنی بھی گھمنڈ کے آتے ہیں، لیکن عجب کے اندر یہ ہے کہ اپنی رائے، اپنے عمل، اپنے قول اور اپنے فعل سے اتنا زیادہ متاثر ہونا کہ باقی چیزوں سے آدمی کی آنکھیں بند ہو جائیں۔ ان کو لگے کہ جو میں کر رہا ہوں بالکل وہی صحیح ہے، اس کے علاوہ ہر چیز غلط ہے، یہ عجب ہے اور کبر کے معنی تو معلوم ہیں لیکن عجب اور کبر اردو میں مترادف ہی استعمال ہوتے ہیں، اس باب میں عجب سے جو گھمنڈ پیدا ہوتا ہے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد ریا کے ذریعے جو گھمنڈ پیدا ہوتا ہے اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ پھر دنیا کے ذریعے کبر کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک باب میں یہ بتایا کہ کبر یا گھمنڈ سے کیسے بچا جائے۔ علم اور عمل کی بنیاد پر جو تکبر ہوتا ہے اس سے کیسے بچایا جائے۔ ایک باب میں ان اصولوں کو بیان کیا ہے کہ انسان کبر اور گھمنڈ کو چھوڑ دے، لیکن یہ کیسے پتہ چلے کہ اس نے سچ مچ کبر کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کا معیار اور پیمانہ کیا ہے؟ ان کو بیان کیا ہے۔ پھر ایک باب تواضع سے متعلق ہے۔ آخری باب میں اہل بدعت کے ساتھ اس معاملے میں کیا رویہ رہنا چاہیے اس کا بیان ہے۔

كتاب الغره

الرعایۃ لحقوق اللہ کا چھٹا باب کتاب الغرہ ہے۔ اس میں "غرہ" کے معنی ہیں دھوکے میں پڑ جانا، اس باب میں یہ بتایا ہے کہ انسان کس طرح سے دنیا میں الجھ کر اپنے رب اور آخرت کے معاملے میں دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ گناہوں میں مبتلا ہے، لیکن مغفرت کی تمنا کرتا ہے۔ پھر ایک باب میں بہت تفصیل کے ساتھ قرآن کی آیات نقل کی ہیں اور یہ بتایا ہے کہ دھوکے اور امید میں کیا فرق ہے۔ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں امید ہے، لیکن بسا اوقات ان کی امید ایک طرح سے ان کے لیے دھوکہ ہوتی ہے۔ ایک باب میں یہ بتایا ہے کہ صوفیا کے یہاں بھی اہل نسک ہیں ان کے یہاں بھی بعض لوگ دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح فقہاء بھی بعض دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے بہت سے لوگ علم کی بنیاد پر بحث و مباحثہ کے ذریعے عبادات کی وجہ سے، اعمال کی وجہ سے، ظاہری طور پر تقوی کا اظہار کر کے، لوگوں سے الگ تھلگ رہ کے، اعتزال کا راستہ اختیار کر کے، حج کے ذریعے، تقوی کے ذریعے، اخلاص نیت کے نام پر اور اس طرح کے اور بعض چیزوں پر لوگ دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں اور اخلاص نیت کے ساتھ جو صدق عمل مطلوب ہے، اس سے محروم رہ جاتے ہیں، اس کا بیان ہے۔

كتاب الحسد

الرعایۃ لحقوق اللہ کا ساتواں باب کتاب الحسد ہے۔ کتاب الحسد کے اندر حسد اور اس کی تفسیر بیان کی ہے۔ قرآن کی بہت ساری آیات نقل کی ہیں۔ حسد کی قسموں میں یہ بھی بتایا ہے کہ بعض حسد ایسے ہیں جو دیکھنے میں حسد ہوتے ہیں لیکن وہ حسد نہیں ہوتے۔ مشرکین کے حسد کا بھی ذکر ہے۔ حسد کی وجوہات میں سے ایک وجہ دنیا کو بتایا ہے اور اس پر بہت تفصیل کے ساتھ انہوں نے لکھا ہے اور ایک باب میں یہ بتایا ہے کہ حسد کی برائیاں کتنی ہیں، اور حسد سے کیسے بچا جائے، یعنی کہ ایک باب اس پر قائم کیا ہے کہ حسد تو دل کی بیماری ہے لیکن بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ حسد جب تک دل میں ہے تب تک وہ نقصان دہ نہیں ہے، جب تک وہ عمل میں نہ آجائے، تو اس پر نقد کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ حسد چاہے دل میں بھی ہو تب بھی بیماری ہے، اور وہ انسان کی نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

کتاب تادیب المرید

الرعایۃ لحقوق اللہ آٹھواں باب کتاب تادیب المرید کے نام سے ہے۔ اس میں مرید کے لیے نصائح بتائے ہیں۔ اس میں ابواب قائم نہیں کیے ہیں، بلکہ شروع سے آخر تک یہ نصیحتیں کی ہیں کہ مرید کو کیسا ہونا چاہیے۔ اس کے اندر کیا خوبیاں ہونی چاہیے۔ وہ محفل میں آئے تو کیا کرے، عبادات کے وقت کیا کرے، بازار میں جائے تو کیا کرے، لوگوں سے ملے تو کیا کرے اور صوفیا و اہل نسک سے ملے تو کیا کرے۔ ان کو خاص طور سے نصیحت کی ہے کہ ان کو سلام کو پھیلانا چاہیے۔ حضرت عمار کی ایک روایت بیان کی ہے کہ جس آدمی کے اندر تین چیزیں جمع ہو جائیں تو گویا اس کے اندر ایمان جمع ہو گیا، ان تین میں سے ایک کا ذکر کیا ہے، وہ ہے ساری دنیا میں سلام کو پھیلانا۔ سلام کی فضیلت بھی بیان کی ہے، سلام کے ثواب کو بیان کیا ہے۔ پھر ذکر کے معاملے میں ان کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ ایک باب آخر میں قائم کیا ہے جس میں یہ ہے کہ انسان کو اپنے نفس کے حوالے سے کن چیزوں سے ڈرتے رہنا چاہیے اور شیطان کس طرح سے حملے کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ حارث محاسبی کی کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ مکمل ہو گئی۔

15.4 ابو القاسم قشیری

امام ابو القاسم القشیری کا پورا نام ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک بن طلحہ بن محمد القشیری۔ وہ خراسان کے رہنے والے تھے قشیری خاندان کے فرد تھے۔ امام مسلم کا تعلق بھی اسی خاندان سے تھا۔

ولادت و وفات:

امام قشیری کی پیدائش اس علمی خاندان میں ماہ ربیع الاول 376 ہجری مطابق 986 عیسوی کو نیشاپور کے استوا نامی گاؤں میں ہوئی۔ آپ کا انتقال اتوار کے دن فجر کے وقت 16 ربیع الاول 465 ہجری مطابق 1072ء میں ہوا اور اپنے شیخ و مرشد ابو علی دقاق کی قبر کے پاس میں مدفون ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے۔ کچھ بڑے ہوئے تو زبان و ادب کی تعلیم آپ نے ابو القاسم یمانی سے حاصل کی۔ آپ کے گاؤں پر زمینداروں کے زیادہ ٹیکس لگانے کی وجہ سے گاؤں کے لوگ پریشان تھے لہذا اس پریشانی کو دور کرنے کے لیے نیشاپور کا سفر کیا اور وہاں علم حساب کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کا ارادہ تھا کہ حساب سیکھ کر محکمہ استیفا میں نوکری کر کے اس پریشانی سے اپنے علاقے کی لوگوں کو نجات دلائیں گے لیکن اسی دوران ابو علی الدقاق کی وعظ کی مجلس میں شرکت کا موقع ملا اور زندگی تبدیل ہو گئی۔ اپنا ارادہ منسوخ کیا اور نئی زندگی کا آغاز کیا۔

ابو علی دقاق اپنے زمانے کے مشہور واعظ تھے، امام قشیری نے جب دقاق کی مجلس میں نورانیت اور خلوص و تقوے کے آثار دیکھے،

سامعین کو دقاق کے پر اثر وعظ سے متاثر ہوتے دیکھ کر وہ بھی دقاق کے حلقہ میں شامل ہو گئے۔

دقاق نے بھی قشیری کے اندر نجابت کو بھانپ لیا تھا، چنانچہ انہیں تعلیم و تعلم کی طرف متوجہ کیا اور فقہ کی تعلیم کے لیے فقیہ ابو بکر طوسی کے درس میں بھیجا، فقہ کی تعلیم کے بعد علم کلام کی تعلیم کے لیے امام ابو بکر بن فورک کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے لگے، اس کے بعد امام ابو اسحاق اسفرائنی کے حلقہ تلامذہ میں شمولیت اختیار کی۔ ساتھ ہی ابو علی دقاق کی سرپرستی میں سلوک و تصوف کے منازل طے کرنے لگے۔ ان کے انتقال کے بعد عبد الرحمن سلمی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

آل واولاد:

امام قشیری کا علمی اور روحانی سفر حضرت ابو علی دقاق کی مجلس سے شروع ہوا۔ ابو علی دقاق نہ صرف ان کے استاد اور مرشد تھے بلکہ ان کی شخصیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنی بیٹی فاطمہ کا نکاح بھی انہی سے کر دیا۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ ابو علی دقاق نے یہ شادی اپنے بہت سے رشتہ داروں کو نظر انداز کر کے کی۔

فاطمہ کے بطن سے امام قشیری کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے، جن کے نام تھے: عبد اللہ، عبد الواحد، عبد الرحیم، عبد المنعم، عبد الرحمٰن، عبد الرحیم اور امۃ الکریم۔ ان میں سے کئی اولاد نے بعد میں علمی و روحانی میدان میں شہرت حاصل کی۔

شیوخ و تلامذہ:

تاریخ میں امام قشیری کے کم و بیش تیس اساتذہ کے نام مذکور ہیں، ان میں ابو علی الدقاق، عبد الرحمن السلمی، ابو اسحاق اسفرائنی، مشہور محدث امام حاکم نیشاپوری، ابو حامد اسفرائنی، حسین بن موسی بزاز، احمد بن محمد الخفاف، حمزہ بن یوسف السہمی، ابو الحسین عبد الرحمن بن ابراہیم المزکی، ابو بکر محمد بن الحسنی بن فورک، ابو بکر الطوسی وغیرہ جیسے علم حدیث، علم کلام، فقہ اور تصوف کے ائمہ شامل ہیں۔

امام قشیری کے مشہور تلامذہ میں مشہور مورخ خطیب بغدادی، ابو عبد اللہ الغراوی، ابو علی الغارمدی، ابو محمد عبد اللہ بن عطاء الابراہیمی وغیرہ جیسے کبار اہل علم شامل ہیں۔

امام قشیری کے بارے میں اہل علم کے اقوال:

امام قشیری کی علمی جلالت شان کا اعتراف ان کے ہم عصر علماء، محدثین، مفسرین اور ان کے بعد کے سوانح نگاروں نے بھی کیا ہے ان کے علم، فہم، تقویٰ اور فصاحت کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ مشہور محدث و مؤرخ خطیب بغدادی، جو خود ان کے شاگردوں میں سے تھے، انہوں نے امام قشیری کو فقیہ، متکلم لکھا ہے اور ان کی بڑی تعریف کی ہے۔

امام قشیری نہایت فصیح اللسان، دل نشین واعظ اور خطیب تھے۔ ان کے استاد ابو علی دقاق کی مجلس وعظ کا انتظام انہی کو سونپا گیا، جسے انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے جاری رکھا۔ علاوہ ازیں 437 ہجری میں انہوں نے باقاعدہ درس حدیث کی مجلس بھی قائم کی، جس سے بہت سے طلباء اور علما نے استفادہ کیا۔

علامہ سخاوی نے امام قشیری کی شان میں لکھا ہے:

"عبد الکریم بن ہوازن قشیری، محدث، فقیہ، مفسر، متکلم، اصولی، نحوی، ادیب، شاعر، اور صوفی تھے۔ وہ اپنے زمانے کی ایک جامع اور بے نظیر شخصیت تھے۔ ان کے علم و فضل کی گواہی ہر طرف سے ملتی ہے۔ ان کے بعد مدتوں لوگ ان کی کتب و کمرے کو ہاتھ لگانے کی جسارت نہ کر سکے۔"

مشہور مؤرخ امام ذہبی نے بھی ان کی علمی عظمت کو سراہتے ہوئے انہیں مفسر قرآن، متکلم، نحوی، محدث اور ادیب قرار دیا ہے۔

امام قشیری نہ صرف اپنے دور کے عظیم المرتبت علماء میں شمار ہوتے تھے بلکہ ان کے سیکڑوں شاگرد، عقیدت مند اور متوسلین بھی تھے، جنہوں نے ان سے علمی و روحانی فیض پایا۔ تاہم ان کی غیر معمولی مقبولیت اور بے مثال اثر و رسوخ کی وجہ سے کچھ مخالفین بھی پیدا ہوئے، اس وجہ سے تقریباً دس سال ابتلا، تکالیف اور شہر بدری میں گزارے اور نظام الملک طوسی کے زمانے میں عافیت ملی اور عمر کے آخری دس سال یکسوئی کے ساتھ وطن میں رہے۔ آپ نے دو مرتبہ حج کیا۔ ایک مرتبہ امام بیہقی کے ساتھ اور ایک مرتبہ امام ابو محمد جوینی کے ساتھ۔

امام قشیری کی دیگر فنون میں مہارت:

امام قشیری نہ صرف ایک بلند پایہ عالم اور محدث تھے بلکہ عملی طور پر صوفی بھی تھے۔ وہ وجد، تواجد اور سماع جیسے موضوعات کے قائل تھے اور اپنی مشہور کتاب الرسالہ القشیریہ میں ان پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ تاہم، ان کی علمی گہرائی اور فقہی مزاج کا یہ اثر تھا کہ وہ سماع کو بہت زیادہ پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس موضوع پر ان کے اور ابو سعید ابو الخیر کے درمیان کبھی کبھار تند کلامی بھی ہوئی۔

امام قشیری کی شخصیت کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ وہ صوفی، واعظ اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ ایک شاندار سپاہی بھی تھے۔ ان کو گھڑ سواری اور ہتھیار کے استعمال میں غیر معمولی مہارت حاصل تھی۔ امام ذہبی نے ان کی اس خصوصیت کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام قشیری نے فنونِ سپہ گری میں مہارت اور بڑا کمال حاصل کیا تھا۔

اسی طرح مؤرخ ابن خلکان نے بھی ان کی فنون سپہ گری میں صلاحیتوں کا ذکر بڑے اہتمام سے کیا ہے اور لکھا کہ وہ گھڑ سواری اور ہتھیار استعمال کرنے میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔ امام قشیری بہترین گھڑ سوار ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اچھے خوشنویس بھی تھے۔ آپ کے بعض تذکرہ نگاروں نے آپ کی خوشنویسی کی تعریف کی ہے۔

امام قشیری کی تصانیف:

امام قشیری کو اللہ تعالیٰ نے جامع کمالات شخصیت عطا کی تھی کہ ان کو نہ صرف بہترین اساتذہ اور شاگرد ملے بلکہ قدرت نے انہیں طویل عمر بھی اخذ و استفادہ اور تصنیف و تالیف کے لیے بھی عطا کی۔ امام ابو القاسم قشیری نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں لکھیں۔ سبھی

تذکرہ نگاروں نے ان کی متعدد کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ان کی تصانیف کی تعداد 35 کے قریب ہے۔ ذیل میں چند کتابوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

1. التفسير الكبير (مخطوطه)	2. كتاب ا لاربعين في الحديث
3۔ التوحيد النبوى	4. شرح اسماء الحسنى
5. لطائف الاشارات (مطبوعه،8 جلد)	6. التحبيرفى التذكير (مطبوعه)
7. اسرار القشريه (مخطوطه)	8. الرسائل القشيريه
9. بلغة المقاصدفي التصوف	10. تربيت السلوك (مطبوعه)
11. شكاية اهل السنه (مطبوعه)	12. كتاب المعراج (مطبوعه) ۔

13 ایک اہم اور مشہور کتاب الرسالہ ہے جو تصوف کے بنیادی متون میں شامل ہے جس کے ذکر کے بغیر تصوف کی تاریخ نامکمل ہے۔

15.5 الرسالۃ القشیریہ

رسالہ قشیریہ تصوف کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ اگرچہ یہ تصوف کی پہلی کتاب نہیں ہے، اس سے پہلے کتاب اللمع فی التصوف اورالتعرف لمذہب اہل التصوف اور بعض دیگر کتابیں لکھی جاچکی تھیں۔ اس دوران بعض ایسی کتابیں بھی لکھی گئی تھیں جن میں تصوف کے کسی ایک موضوع کو موضوع بحث بنایا گیا تھا جیسے ابو سعید الخرزا کی کتاب الصدق یا کئی علماء کی کتابیں کتاب الزہد کے نام سے، لیکن رسالۃ قشیریہ کی ایک امتیازی خوبی یہ ہے کہ یہ تصوف کے موضوع پر پہلی سب سے زیادہ جامع کتاب ہے۔ امام قشیری نے تصوف کے تمام موضوعات اور مباحث کو اس کتاب میں بہت تفصیل کے ساتھ اور حسن ترتیب کے ساتھ لکھا ہے۔

مصنف کا طریقہ تصنیف یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے صوفیہ کے عقائد بیان کیے ہیں، اس کے بعد مشہور صوفیہ کے احوال زندگی اور ان کے کچھ ملفوظات نقل کیے ہیں، اس کے بعد تصوف کی اہم اصطلاحات کی تشریح لکھی ہے، اس کے بعد تصوف کے مسائل کو بیان کیا ہے۔

امام قشیری کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ تصوف کے تمام مسائل کے سلسلے میں عام طور پر قرآنی آیات اور احادیث نبوی سے دلیل لاتے ہیں اور پھر بطور استدلال صوفیاء کے اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ امام قشیری نے تصوف کے تمام موضوعات کے ساتھ ایک باب صوفیا کی کرامات پر بھی لکھا ہے اور ایک باب سماع کے مسئلے پر لکھا ہے۔ امام قشیری سماع کی حلت کے تو قائل ہیں، لیکن اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے اور عوام کو تو سماع سے بالکل منع کرتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے ولایت، مرید اور شیخ کے آداب وغیرہ پر لکھا ہے۔ اسی کے ساتھ کتاب کو مکمل کر دیا ہے۔

الرسالہ القشیریہ کو اس کے زمانہ تصنیف سے لے کر آج تک غیر معمولی مقبولیت ملی ہے۔ مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں اردو زبان میں اس کے کم از کم دو ترجمے ہوئے ہیں اور بہت سے مصنفین نے اس رسالے کی ترتیب پر بعد میں کتابیں لکھی ہیں، خاص طور سے تصوف کی فارسی زبان کی مشہور ترین کتاب کشف المحجوب بالکل اسی کے تتبع میں ہے اور شیخ ابو الحسن ہجویری ایک طرح سے ان کے شاگرد بھی تھے۔

رسالہ قشیریہ کے سبب تالیف کے حوالے سے کئی رائیں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ نیشاپور کے علاقے میں ایک مشہور صوفی حمدون قصار گزرے ہیں جو فرقہ ملامتیہ کے بانی ہیں۔ ان کی وجہ سے اس پورے علاقے میں ملامتیہ فرقہ کا زور ہو گیا تھا اس فرقہ کی وجہ سے عوام میں مسائل پیدا ہو رہے تھے، چوں کہ عوام تو ظاہر کو دیکھتے ہیں اور اور یہ صوفیہ اپنے ظاہر کو برا دکھاتے تھے ان کی وجہ سے برے لوگ بھی ایسا ہی کرنے لگے اور اپنے آپ کو ملامتی کہہ کر اپنے برے کاموں کے لیے جواز نکالنے لگے۔ ان حالات میں انہوں نے یہ کتاب لکھی تا کہ لوگوں کو تصوف کی صحیح تصویر پیش کی جا سکے۔ اس زمانے میں اور بھی بعض فرقے تھے جسے کرامیہ اور باطنیہ، تو وہ بھی اس زمانے میں تھے۔ ان کا بھی ایک طرح سے اس کتاب میں جواب دیا گیا اور مجموعی طور پر مثبت انداز میں اسلام کا عملی تعارف کرایا کہ مسلمان کو کس طرح سے اسلام کے اوپر عمل کرنا چاہیے تو یہ ایک عملی اسلام کی تفسیر ہے جو تصوف کے انداز میں لکھی گئی ہے۔

امام ابو القاسم قشیری خود بھی اعلی درجے کے محدث تھے اور وہ تدوین حدیث کے زمانے کی شخصیت تھے، اس لیے انہوں نے بہت سی روایتوں کو اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے؛ تاہم اس کتاب میں ان کے بنیادی ماخذ میں قرآن مجید کے علاوہ احادیث شریفہ کا ایک بڑا ذخیرہ ہے اور تصوف کے قدیم مصنفین سے بھی استفادہ کیا ہے۔ خاص طور سے کتاب اللمع فی التصوف سے استفادہ کیا ہے، بعض مقامات پر اس کتاب کی پوری پوری عبارتیں اس کے اندر موجود ہیں۔ ابو عبد الرحمن السلمی کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔ وہ السلمی کے شاگرد بھی تھے اور ابو نعیم اصفہانی کی کتاب حلیۃ الاولیاء سے بھی انہوں نے بہت سی روایتیں لی ہیں۔ اپنے مراجع میں عام طور پر انہوں نے کتابوں کا ذکر کم کیا ہے۔ ایک دو کتابوں کا نام لیا ہے۔ شخصیات کا نام لیتے ہیں لیکن بعض جگہ وہ شخصیات کا نام لے کر دراصل کتاب کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔

رسالہ قشیریہ کو اپنے عہد میں اور بعد میں بھی غیر معمولی مقبولیت ملی۔ خاص طور سے صوفیا کے درمیان اس کی بڑی اہمیت رہی اور بہت سے صوفیا نے اس کی شروحات بھی لکھیں اور تلخیص بھی کی۔ ہمارے ملک میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز نے بھی اس کی شرح لکھی تھی اور بھی لوگوں نے اس کی شروحات لکھی۔

امام قشیری نے اس کتاب کو شروع کرنے سے پہلے ایک مختصر مقدمہ لکھا ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے تو پوری کتاب بہت غیر معمولی اہمیت کے حامل ہے لیکن مقدمہ خاص طور پر نہایت اعلی ادبی زبان میں ہے اور اس مقدمے میں دیگر باتوں کے علاوہ سب سے اہم بات یہ لکھی ہے کہ انہوں نے یہ کتاب خاص طور پر صوفیاء کرام کے لیے لکھی تھی اور اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ تصوف کے نام پر جو بدعات اور خرافات ہو رہی ہیں ان کی اصلاح کی جائے اور صوفیا ان کو اپنے عمل میں لائیں یعنی یہ کتاب عام انسان پڑھے یا نہ پڑھے لیکن راہ

سلوک پر چلنے سے پہلے اس کتاب کو ضرور پڑھنا چاہیے۔

امام قشیری کی نظر میں صوفیہ کی جماعت انبیاء اور رسول کے بعد اعلی درجے کی جماعت ہے، اس لیے اس کا کوئی کام خلاف سنت نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد انہوں نے تصوف میں درآنے والی جو خرابیاں ہیں ان کو ایک ایک کر کے گنایا ہے اور آگے یہ بتایا ہے یہ رسالہ انہوں نے کیوں لکھا:

"میں نے جب دیکھا کہ اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش طول پکڑ چکی ہے جس کا تھوڑا سا ذکر میں اوپر کر چکا ہوں۔ اگرچہ میں ان کی باتوں کے انکار میں اس حد تک زبان کو کھولنے والا نہ تھا۔ مگر مجھے اس بات پر غیرت آئی کہ اہل طریقیت کو بُرائی سے یاد کیا جائے اور مخالفین ان پر نکتہ چینی کئے جانے سے لطف اٹھاتے رہیں۔ اس طریقہ کے مخالفین اور انکار کرنے والوں کی وجہ سے ان ممالک میں سخت مصیبت کا سامنا ہے۔ میں امید کرتا تھا کہ اس خلاء کے اسباب معدوم ہو جائیں گے۔ نیز ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر ان لوگوں کو تنبیہ کریں جو اس طریقہ کے آداب کو ضائع کر کے افضل و اعلیٰ راہ سے بھٹک رہے ہیں۔ لیکن جب دن بدن معاملہ مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا اور ہمارے معاصرین نے اپنی عادت کے مطابق اس ملک میں سرکشی اور زیادہ کر دی، وہ جس بات کے پیچھے لگے ہیں اس نے انھیں اور زیادہ دھوکے میں ڈال دیا تو مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں لوگ یہ خیال نہ کر بیٹھیں کہ طریقت کے قواعد کی بنیاد انہی امور پر ہے اور ان کے اسلاف بھی اس قسم کی روش اختیار کرتے رہے ہیں، لہذا میں نے یہ رسالہ لکھ کر آپ لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ میں نے اس میں طریقت کے چند شیوخ کے حالات درج کئے ہیں۔ ان کے آداب، اخلاق اور معاملات کا ذکر کیا ہے اور ان عقائد کا ذکر کیا ہے جو اہل طریقت کے ہیں"۔

مقدمے کے بعد امام قشیری نے ایک فصل قائم کی ہے اور اس میں صوفیہ کے عقائد بیان کیے ہیں۔ اس زمانے کی اصطلاحات کے مطابق انہوں نے قدیم اور حادث کی اصطلاحات استعمال کی ہیں اور سب سے پہلے توحید باری تعالی کو ثابت کیا ہے۔ مختلف صوفیہ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ قرآنی آیات کی تشریحات بھی نقل کی ہیں۔ خاص طور سے حضرت جنید بغدادی کے اقوال زیادہ نقل کیے ہیں اور ذوالنون مصری، ابوالحسین نوری اور سہل تستری کے اقوال بھی بیان کیے ہیں۔ اسی میں ایک بحث خلق افعال اور عمل افعال کی ہے، صفات باری تعالی کا بھی بیان کیا ہے، قرآن پاک کے مخلوق و غیر مخلوق ہونے کی بحث اور روح کے مخلوق ہونے کی بحث بیان کی ہے۔ پھر ایک فصل میں اللہ کی ذات و صفات کو جامع انداز میں بیان کیا ہے۔

ان ابتدائی مباحث کے بعد کتاب کا پہلا باب شروع ہوتا ہے۔ کتاب کا پہلا باب مشائخ طریقت اور ان کے اخلاق و اقوال کا بیان۔ اسی ضمن میں انہوں نے تصوف کی تاریخ بیان کی ہے۔ تصوف کا استعمال سب سے پہلے کب ہوا اور اس باب میں مختلف صوفیا کے ملفوظات اور خاص طور پر تصوف کی تعریف کے حوالے سے، صوفیا کی خدمات کے حوالے سے ان کے جو ملفوظات ہیں ان کا بیان کیا ہے۔ یہ کافی مفصل باب ہے۔ اس میں تقریبا 85 / علماء کا تذکرہ ہے، جن میں ابراہیم ابن ادھم، حضرت جنید بغدادی، حضرت ذالنون مصری، فضیل بن عیاض، معروف کرخی، سری سقطی، بشر حافی، حارث محاسبی، حاتم اصم، حمدون قصار، ابو سعید خراز، مشاد دینوری، ابو بکر شبلی جیسے عظیم صوفیا کے احوال اور ان کے کچھ اقوال بیان کیے ہیں۔

اس باب میں خاص طور سے تصوف کی تعریفات کو بھی بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ اگر بزرگوں کے سارے ملفوظات بیان کیے جائیں اور پوری تفصیل کے ساتھ ان کی حکایات اور ان کے حالات کو بیان کیا جائے، ان کی سیرت لکھی جائے تو کتاب بہت لمبی ہو جائے گی اور ہمارا مقصد یہ نہیں ہے اور بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یا تو ہمارے معاصر ہیں یا ہم سے ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن ہم نے ان کا زمانہ پایا ہے۔ ان کے بھی حالات ہم نے نہیں لکھے۔ ان کا بھی اگر ہم ذکر کرتے ہیں تو یہ بات بہت تفصیلی ہو جاتی۔

الرسالۃ القشیریہ کا دوسرا باب بہت اہم باب ہے اس باب کے اندر صوفیہ کی مخصوص اصطلاحات اوران اصطلاحات کی تفسیر اور تصوف کے اندر استعمال ہونے والے مشکل الفاظ اور ان کے معنی کا بیان ہے، کیونکہ اس باب میں اصطلاحات کا بیان ہے، اس لیے ان اصطلاحات کا تفصیلی ذکر تو نہیں کیا جا سکتا البتہ ان کا نام دینا ضروری ہے۔ امام قشیری کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تصوف کی کسی اصطلاح کی کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ پہلے اس کے لفظی معنی بیان کرتے ہیں، پھر محققین صوفیہ کے یہاں اس کا جو مفہوم ہے اس کو بیان کرتے ہیں اور اس سے متعلق قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، صوفیہ کے اقوال اور عربی زبان کے اشعار وغیرہ نقل کرتے ہیں۔

اس باب میں تو انہوں نے پہلے وقت اس کے بعد مقام، حال، قبض وبسط، ہیبت اور انس، وجد اور وجود اس پر کافی تفصیلی بحث ہے۔ جمع اور فرق، جمع الجمع، فرق ثانی، فنا اور بقا، غیبت اور حضور، صحو اور سکر، ذوق اور شرب، محو و اثبات ستر اور تجلی، محاضرہ، مکاشفہ، مشاہدہ، لوامع، بوادہ اور ہجوم، تلوین اور تمکین، قرب اور بعد، شریعت اور طریقت، نفس خواطر، علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین، وارد، شاہد، نفس، روح اور سر وغیرہ کا بیان ہے۔

اس کے بعد مقامات تصوف کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس میں پہلا باب توبہ کے بارے میں ہے، اس باب میں توبہ کی اہمیت اور شرائط کو قرآن، حدیث اور صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ دوسرا باب مجاہدہ کے سلسلے میں ہے اس میں مجاہدہ کی اہمیت، نفس کی آفتیں اوراس سلسلے میں مختلف صوفیا کے واقعات بیان کیے ہیں۔ تیسرا باب خلوت اور گوشہ نشینی کے بارے میں ہے۔ اس میں بھی انہوں نے گوشہ نشینی کے آداب بیان کیے ہیں اور صوفیہ کا طریقہ اور ان کے اقوال وغیرہ بیان کیے ہیں۔ اگلا باب تقوی کے بارے میں ہے۔ اس میں قرآن کریم کی آیات اور احادیث مبارکہ کے علاوہ صوفیہ کے اقوال سے تقوی کی اہمیت، اس کی اقسام اور اس کے درجات متعین کیے ہیں۔ ایک باب ورع کے بارے میں ہے۔ اس میں بھی یہی طریقہ ہے کہ صوفیا کے احوال، واقعات اور ان کے اقوال کی روشنی میں ورع کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک باب زہد کے بارے میں ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں زہد کے معنی متعین کیے ہیں۔ تصوف کے راستے میں زہد کی اہمیت بیان کی ہے اور زاہدین کے اوصاف بیان کیے ہیں۔

ایک باب خاموشی کے بارے میں ہے۔ اس میں قرآن پاک کی آیات، احادیث اور صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں خاموشی کی اہمیت بیان کی ہے اور شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں، جس میں خاموشی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ یہ مفصل باب ہے۔

ایک باب خوف کے بارے میں ہے۔ یہ باب قرآن پاک کی آیت سے شروع ہوتا ہے اور اس میں پھر احادیث کا بیان ہے اور کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث نقل کی ہیں اور اس کے علاوہ صوفیہ کے اقوال اور ان کے چیزوں کو بھی بیان کیا ہے۔

ایک باب رجا کے بارے میں ہے۔ رجا یعنی امید کا بیان۔ یہ بھی قرآن پاک کی آیت سے شروع ہوتا ہے، اس سلسلے میں احادیث بیان کی ہیں۔ رجا کے حوالے سے صوفیہ کا رویہ بیان کیا ہے اور اسلام کے راستے میں رجا کی کتنی اہمیت ہے اس کو خصوصی طور پر بیان کیا ہے۔ ایک باب حزن یعنی غم کے بارے میں ہے اور یعنی غم کیسے ختم ہوتا ہے یہ قرآن پاک کی آیت سے شروع کیا ہے کہ تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم کو دور کر دیا اور صوفیا کے اقوال بیان کیے ہیں۔

ایک باب بھوک اور ترک شہوات کے بارے میں ہے۔

ایک باب خشوع اور تواضع کے بارے میں ہے۔

ایک باب نفس کی مخالفت اور نفس کے عیوب کے بارے میں ہے۔

ایک باب حسد کے بارے میں ہے اس میں حسد کی اقسام بھی بیان کی ہیں اور حسد کی مذمت کی گئی ہے۔

ایک باب غیبت کے بارے میں اور ایک باب میں توکل کے بارے میں ہے۔

ایک مستقل باب شکر کے بارے میں۔ اس میں شکر کی حقیقت، اس کے مختلف درجات بیان کیے ہیں۔

ایک باب یقین کے بارے میں ہے۔

ایک باب صبر کے بارے میں ہے۔

ایک باب مراقبہ کے بارے میں ہے۔

ایک باب رضا کے بارے میں ہے۔

ایک باب عبودیت و بندگی کے بارے میں ہے اس میں بتایا ہے کہ ایک بندہ کو کیسا ہونا چاہیے۔ قرآن کی آیات اور احادیث کے علاوہ بعض شعرا کے اشعار بھی اس میں بیان کیے ہیں۔

ایک باب ارادت یعنی مرید ہونے کے بارے میں ہے، اس میں بتایا ہے کہ مرید ہونے کے کیا آداب ہیں۔

ایک باب استقامت کے بارے میں ہے۔

ایک اخلاص کے بارے میں۔

ایک حیا کے بارے میں۔

ایک باب حریت کے بارے میں۔

ایک ذکر کے بارے میں ہے۔

ایک باب فتوح کے بارے میں ہے۔ صوفیہ کے یہاں فتوح کی بڑی اہمیت ہے اس کی مختلف تعریفیں وغیرہ بیان کی ہیں اور اس کا

معنی متعین کیا ہے۔

ایک باب فراست کے بارے میں ہے کہ فراست کیا ہے۔ فراست کے سلسلے میں مختلف صوفیہ کا رویہ کیا تھا، علماء اور ائمہ کی کیا رائے تھی ان سب کا بیان ہے۔

ایک باب مخلوق کے بارے میں ہے۔

ایک باب جود وسخا کے بارے میں ہے۔

ایک باب غیرت کے بارے میں ہے۔

ایک باب ولایت کے بارے میں ہے کہ ولی کی علامت وغیرہ کیا ہوتی ہیں۔

ایک باب دعا کے بارے میں کہ دعا کیا ہے، دعا کے آداب کیا ہیں، دعا کی شرائط کیا ہیں اور دعا قبول ہونے کی امید کب ہوتی ہے۔

ایک باب فقر کے بارے میں ہے۔

ایک باب تصوف کے بارے میں۔ تصوف کے بارے میں کتاب کے شروع میں بھی کچھ ذکر کیا گیا تھا، لیکن یہاں بہت تفصیل سے مختلف صوفیہ کے اقوال بیان کیے ہیں اور ان کے ذریعے یہ ثابت کرنے کی کوشش یہ ہے کہ تصوف دراصل قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا ہی نام ہے۔

ایک باب ادب کے بارے میں کہ ادب کیا ہے۔

ایک باب صوفیہ کے سفر کے احکام کے بارے میں ہے۔

ایک باب صحبت کے بارے میں ہے۔

ایک باب توحید کے بارے میں۔

ایک باب صوفیہ کرام کے آخری اوقات کے بارے میں۔

ایک باب معرفت الٰہی کے بارے میں ہے۔

ایک باب محبت کے بارے میں ہے کہ محبت کی اہمیت اسلام میں کیا ہے۔

ایک باب شوق کے بارے میں ہے۔

ایک مستقل باب انہوں نے سماع کے بارے میں قائم کیا ہے۔ اس میں پہلی بات تو یہ لکھی ہے کہ سماع جائز ہے اور اسلاف کے یہاں اشعار سننے کا رواج تھا۔ اسی کے ساتھ انہوں نے وہ تمام وہ روایات بھی جمع کی ہیں جن میں غنا وغیرہ کو ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک بہت اہم بات یہ لکھی ہے کہ سماع اگر جائز بھی ہے تو صرف صوفیوں اور زاہدوں کے لیے جائز ہے عوام کے لیے سماع حرام ہے۔ ساتھ ہی سماع کے

آداب اور شرائط وغیرہ بیان کیے ہیں۔ سماع کی قسمیں بیان کی ہیں، سماع کے بعد جو صوفیا کرام کو وجد آجاتا ہے اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس باب میں آخری بات یہ کہی ہے کہ سماع اگرچہ صوفیہ کے لیے جائز ہے لیکن اس سے بچنا ہر حال میں بہتر ہے۔

ایک مستقل باب اولیاء اللہ کی کرامتوں کے بارے میں ہے۔ یہ بہت مفصل باب ہے۔ اس میں بہت سے صوفیہ کی کرامتوں کو بیان کیا ہے اور سو سے زیادہ کرامتیں بیان کی ہیں۔

اگلا باب بھی اسی سے ملتا جلتا ہے۔ اس میں اولیا اللہ کے خواب بیان کیے ہیں، وہ بھی دراصل ایک طرح سے کرامتوں کے باب کی تکمیل ہے اور اس میں سونے کی اہمیت اور پھر جو خواب دیکھے جاتے ہیں ان کی اہمیت، مختلف صوفیائے کرام کے خواب اور بعض خوابوں کی تعبیر وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

ایک باب مریدوں کو وصیت کے بارے میں ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ مرید کا پہلا قدم کیا ہونا چاہیے، مرید کے آداب کیا ہیں، مختلف صوفیہ مرید کے لیے کیا نصیحتیں کرتے تھے، مرید کے لیے شریعت کو کتنا جاننا ضروری ہے اور شیخ و مرید کا کیا تعلق ہونا چاہیے۔ پھر مرید کے معاملات کیسے ہونے چاہیے یعنی راضی برضا رہنا، ذکر کرتے رہنا، باوضو رہنا، مشکلات آئیں تو ان پر صبر کرنا، مشاہدات وغیرہ میں دل نہ لگانا، اس کا ہمیشہ دھیان رکھنا کہ شیخ معصوم نہیں ہوتا اس کے یہاں بھی غلطی ہو سکتی ہے، اس کے لیے شریعت کو فیصل بنانا، ایثار کرنا اور سماع سے احتیاط کرنا۔ فقر کے بارے میں ان کا کیا رویہ ہونا چاہیے۔ اللہ کے عہد کی پابندی اور آداب شریعت کی رعایت وغیرہ جیسے امور پر گفتگو کی ہے اور اسی کے ساتھ یہ کتاب مکمل ہو جاتی ہے۔

الرسالۃ القشیریہ ایک جامع اور مکمل کتاب ہے جس میں تصوف کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے اور تمام پہلوؤں پر قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل و مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

15.6 خلاصہ

الرعایہ لحقوق اللہ حارث محاسبی کی اہم تصنیف ہے۔ حارث محاسبی بھی اپنے وقت کے عظیم صوفی اور متکلم تھے حضرت جنید بغدادی کے استاد بھی تھے اور مربی بھی۔ تصوف ان کا خاص موضوع رہا ان کی کتابوں میں الرعایہ لحقوق اللہ ان کی اہم ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ 857 عیسوی میں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے اپنے دور کے اہم علماء سے تعلیم حاصل کی اور تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ لوگوں کی خدمت میں لگ گئے، انہوں نے کئی کتابیں لکھیں ان کی سب سے زیادہ مشہور کتاب الرعایۃ لحقوق اللہ ہے۔ الرعایۃ لحقوق اللہ دراصل ان کی ایک تصنیف نہیں، بلکہ ان کی نو مختلف کتابوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس مجموعہ میں تصوف کے مختلف پہلو ایک ساتھ آگئے ہیں اس کے ابواب جو در حقیقت مستقل کتابیں ہیں حسب ذیل ہیں: طلب تقوی میں لوگوں کے اندر اختلاف، کتاب الاخوان و معرفت النفس، کتاب التنبیہ لمعرفۃ النفس، کتاب العجب، کتاب الکبر، کتاب الغرہ، کتاب الحسد، کتاب تائید المرید وغیرہ۔ اس طرح اس مجموعہ میں تصوف کے مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو موجود ہے۔

الرسالۃ القشیریہ امام ابو القاسم قشیری کی شہرہ آفاق اور مایہ ناز کتاب ہے۔ امام ابو القاسم قشیری کی ولادت 376ھ میں اور وہ وفات 465 ہجری مطابق 1072ء میں ہوئی، وہ شیخ ابو علی دقاق کے خاص تلامذہ میں شامل تھے، ان کے علاوہ بھی انہوں نے اس دور کے کئی اہم اساتذہ سے علم حاصل کیا، جن میں ابو عبد الرحمن سلمی اور ابو اسحاق اسرائینی اور امام حاکم نیشاپوری جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔

امام ابو القاسم قشیری بڑے کثیر التصانیف مصنف تھے، انہوں نے تصوف کے علاوہ تفسیر اور حدیث میں بھی کتابیں لکھی ہیں، الرسالۃ القشیریہ ان کی سب سے اہم تصنیف ہے، اس کتاب کے سبب تعریف کے سلسلے میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ وہ تصوف کے نام پر ایسی رسومات ادا کر رہے ہیں جن کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہے اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ ایسے تھے جو تصوف کے نام پر لوگوں کو بے وقوف بنایا کرتے تھے اور بہت سے لوگ ایسے تھے جو اگرچہ مخلص تھے لیکن حقائق کو جانتے نہیں تھے اور صحیح طرح سے ان پر عمل نہیں کر پا رہے تھے۔ انہوں نے ان سب لوگوں کو سامنے رکھ کے یہ کتاب لکھی اور تصوف کے تمام پہلوؤں کو اس میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ اس کتاب کی ایک اہمیت یہ بھی ہے کہ یہ ابتدائی دور کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے جس میں تصوف کا جامع تعارف اور اس تذکرہ ہے۔

15.7 فرہنگ

نُسک : نیک، صالح، پارسا، زاہد، پرہیز گار ہونا

محکمۂ استیفا : قدیم اسلامی و سلطنتی نظامِ حکومت میں محکمۂ استیفا اس شعبے کو کہا جاتا تھا جو مالی امور انجام دیتا تھا۔

واعِظ : وعظ کرنے والا، اخلاق کا درس دینے والا، نصیحت کرنے والا، خطیب، مبلغ، ناصح

نَجابَت : بزرگواری، شرافت، عالی خاندانی

خوش نَویس : عمدہ لکھنے والا، خوش خط، خوش رقم، کاتب، قواعد خطاطی کے مطابق لکھنے والا

15.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- حارث محاسبی تصوف اور علم کلام کے بڑے ماہرین میں تھے۔
- انہوں نے تصوف کی بہت سی کتابیں لکھیں تاہم الرعایۃ لحقوق اللہ ان کی اہم ترین کتاب مانی جاتی ہے۔
- الرعایۃ لحقوق اللہ حارث محاسبی کی نو مستقل تصانیف کا مجموعہ ہے۔
- ابو القاسم القشیری بھی اپنے وقت میں تصوف کے بڑے امام گزرے ہیں۔
- ابو القاسم القشیری کی کتاب الرسالۃ القشیریہ تصوف کی اہم ترین کتاب ہے۔

- اس کتاب میں تصوف کا ایک جامع تعارف کرایا گیا ہے۔

15.9 نمونہ امتحانی سوالات

15.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. الرعایہ لحقوق اللہ کے مصنف کون ہیں؟

(a). ابوالقاسم القشیری (b). جنید بغدادی (c). حارث محاسبی (d). ابو علی دقاق

2. الرعایۃ لحقوق اللہ کے اندر کتنی کتابیں (ابواب) شامل ہیں؟

(a). نو (b). دس (c). چھے (d). تین

3. حارث محاسبی کی وفات کس سنہ میں ہوئی؟

(a). 786ء (b). 857ء (c). 920ء (d). 1120ء

4. حارث محاسبی کے سب سے مشہور شاگرد کون تھے؟

(a). ابوالقاسم القشیری (b). منصور حلاج (c). جنید بغدادی (d). ابو علی دقاق

5. امام ابوالقاسم القشیری کی تاریخ وفات کیا ہے؟

(a). 953 (b). 1053 (c). 1072 (d). 972

6. امام قشیری کے سب سے مشہور استاد کون تھے؟

(a). ابو علی دقاق (b). حارث محاسبی (c). جنید بغدادی (d). ابو بکر بن فورک

7. لطائف الاشارات کس کی تصنیف ہے؟

(a). منصور حلاج (b). جنید بغدادی (c). حارث محاسبی (d). ابوالقاسم القشیری

8. ابو عبدالرحمن سلمی کے شاگرد کون تھے؟

(a). حارث محاسبی (b). جنید بغدادی (c). امام حاکم نیشاپوری (d). ابوالقاسم قشیری

9. کشف المحجوب کے اوپر کس کتاب کے اثرات زیادہ ہیں؟

(a). التعرف لمذہب اہل التصوف (b). الرعایۃ لحقوق اللہ (c). اللمع فی التصوف (d). الرسالۃ القشیریہ

10. ابوالقاسم القشیری کس شہر میں پیدا ہوئے؟

(a). مکہ (b). نیشاپور (c). بغداد (d). تبریز

15.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. حارث محاسبی کا مختصر تعارف تحریر کیجیے۔
2. الرعایہ لحقوق اللہ کے حوالے سے حارث محاسبی کا اسلوب تحریر قلم بند کیجیے۔
3. امام قشیری کے حیات وافکار کا تعارف کیجیے۔
4. تصوف میں رسالہ قشیریہ کا کیا مقام ہے؟ بیان کیجیے۔
5. رسالہ قشیریہ پر ایک معلوماتی مضمون لکھیے۔

15.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. حارث محاسبی کی حیات وخدمات پر ایک معلوماتی مضمون لکھیے۔
2. الرعایہ لحقوق اللہ کا تفصیلی تعارف پیش کیجیے۔
3. رسالہ قشیریہ کے مضامین کا خلاصہ بیان کیجیے۔

15.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. حارث محاسبی : الرعایہ لحقوق اللہ
2. ابوالقاسم القشیری : الرسالۃ القشیریہ
3. ایضاً، اردو ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن (مقدمہ)
4. امام ذہبی : سیر اعلام النبلا
5. Picken, Gavin: al-Ḥārith al-Muḥāsibī and Spiritual Purification between Asceticism and Mysticism
6. Ridgeon, Lloyd (ed.). Routledge Handbook on Sufism.
7. دائرۃ المعارف الاسلامیہ

معروضی سوالات کے جوابات:

1. C	2. B	3.B	4. D	5.B
6.A	7.B	8.D	9.D	10. A

اکائی 16: مشہور کتابیں حصہ دوم: عوارف المعارف، مکتوبات شیخ یحیٰ منیری

اکائی کے اجزا:

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 عوارف المعارف کے مصنف

16.2.1 تعلیم وتربیت

16.2.2 خلفاء وتلامذہ

16.2.3 تصانیف

16.3 عوارف المعارف

16.3.1 عوارف المعارف کے ابواب

16.4 مکتوبات صدی کے مصنف

16.5 مکتوبات صدی

16.5.1 مکتوبات صدی کے مضامین

16.6 خلاصہ

16.7 فرہنگ

16.8 اکتسابی نتائج

16.9 نمونہ امتحانی سوالات

16.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

16.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

16.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

16.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

16.0 تمہید

عوارف المعارف تصوف کے عظیم امام ابو حفص شہاب الدین عمر سہر وردی بانی سلسلہ سہر وردیہ کی تصنیف ہے یہ کتاب تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے اور یہ کتاب صدیوں سے صوفیہ کی خانقاہوں میں درسی کتاب کی حیثیت سے پڑھائی جاتی رہی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ صرف سہر وردی خانقاہوں میں ہی نہیں بلکہ چشتی خانقاہوں میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کی مشہور کتاب مکتوبات صدی بھی تصوف کی اہم ترین کتاب ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک سالک کے خطوط کے جوابات ہیں۔ ان کے مطالعے سے تصوف کی راہوں کی مشکلات کا اندازہ ہوتا ہے اور ان میں صحیح رہنمائی ملتی ہے۔

16.1 مقاصد

اس اکائی کا مقصد ہے کہ آپ:

- شیخ شہاب الدین سہر وردی کی حیات و تعلیمات سے واقف ہو جائیں ۔
- ان کی مشہور کتاب عوارف المعارف کے مضامین کا خلاصہ کر سکیں۔
- مکتوبات صدی کے مصنف شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے احوال زندگی سے بھی واقف ہوں اور مکتوبات صدی میں جن موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے ان کا احاطہ کر سکیں۔

16.2 عوارف المعارف کے مصنف

عوارف المعارف کا شمار تصوف کی جامع ترین کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس کے مصنف شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین ابو حفص عمر بن محمد سہر وردی (متوفی 632ھ) ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہر وردیؒ نہایت جلیل القدر صوفی، محدث، فقیہ اور مربی تھے۔ آپ سہر وردیہ سلسلے کے بانیوں میں سے تھے۔ آپ کی علمی، روحانی اور اخلاقی شخصیت نے مسلم دنیا پر گہرا اثر چھوڑا اور آپ کی تصانیف خصوصاً "عوارف المعارف" نے صوفیانہ علوم کو ترتیب و تدوین کی صورت میں پیش کیا۔ یہ کتاب تصوف کے مالہ وماعلیہ پر ایک جامع، مشہور اور اہم کتاب شمار ہوتی ہے اور طریقت، معرفت، سلوک اور روحانی تربیت کے حوالے سے ایک جامع اور مستند ماخذ ہے۔

عوارف المعارف کے مصنف حضرت شیخ شہاب الدین سہر وردی تھے۔ ان کا پورا نام شہاب الدین عمر، کنیت ابو حفص، لقب شیخ الاسلام، شیخ الشیوخ، بانی سلسلہ سہر وردیہ ہے۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے: ابو حفص شہاب الدین عمر بن احمد بن عبداللہ بن محمد بن

عبداللہ البکری المعروف شیخ عموریہ بن سعد۔ اپنے وقت میں تصوف کے جید امام اور سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔

ولادت ووفات:

شیخ شہاب الدین سہروردی کی ولادت شعبان 539ھ مطابق 1145ء کو زنجان کے مضافات میں قصبہ "سہرورد" میں ہوئی اور وفات یکم محرم الحرام 632ھ مطابق ستمبر 1234ء کو ہوئی۔

16.2.1 تعلیم وتربیت

شیخ شہاب الدین سہروردی اپنے وطن سے چھوٹی عمر میں ہی اپنے چچا شیخ ابو النجیب کے پاس بغداد چلے آئے اور ان کے سایہ عاطفت میں تربیت حاصل کی۔ بغداد میں ہی تعلیم وتربیت ہوئی اور ابتدائی تعلیم کے بعد اسی شہر میں حدیث پڑھنی شروع کی اور ابو الفتوح الطائی محمد بن محمد الہمدانی، ابو المظفر ہبۃ اللہ بن احمد اور ابوزرعہ طاہر بن محمد المقدسی وغیرہ سے استفادہ کیا۔ فقہ کی تعلیم ابن فضلان شیخ ابو القاسم یحی بن علی بغدادی سے حاصل کی۔ اپنے چچا شیخ ابو النجیب سے علم تصوف اور وعظ وتذکیر کے آداب سیکھے۔ شیخ عبد القادر جیلانی سے بھی کسب فیض کیا۔ ابتدا میں آپ کو علم کلام سے دلچسپی تھی، لیکن حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی صحبت میں رہے اور اس صحبت کا ایسا اثر ہوا کہ علم کلام کی جانب توجہ کم ہوئی۔ ایک موقع پر شیخ عبد القادر جیلانی نے آپ کے متعلق فرمایا تھا: "یا عمر انت آخر المشہورین بالعراق" کہ اے عمر! تم ان لوگوں کے آخر میں ہوگے جو عراق میں مشہور ہوئے ہیں۔ آپ اخلاق وتصوف میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔

16.2.2 خلفاء وتلامذہ

آپ کے چچا شیخ ابو النجیب کی خانقاہ بغداد میں زہاد اور صالحین کی اقامت کا مرکز تھی۔ اسی خانقاہ میں شیخ الشیوخ وعظ وتذکیر کرتے اور معرفت وسلوک اور حقائق واسرار کے نکتے اور عبادت وریاضت کے طریقے بتایا کرتے تھے۔ شیخ الشیوخ تصوف اور زہد وتقوی میں اپنے وقت کے امام تھے۔

شیخ شہاب الدین سے بہت سے صوفیا نے استفادہ کیا تھا۔ ان کے خلفاء وتلامذہ میں شیخ حمید الدین ناگوری، شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی، شیخ ظہیر الدین محمود سہروردی اور محمد بن عبد الواحد مقدسی وغیرہ شامل ہیں۔

مشہور شاعر شیخ سعدی شیرازی نے بھی ان سے استفادہ کیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی کی نصائح کا راز بھی غالباً اس خوش نصیبی میں مضمر ہے کہ وہ ان کے روحانی فیوض سے مستفیض تھے۔ انہوں نے بوستان میں اپنے پیر ومرشد کی دو اہم نصیحتیں دو شعروں میں نظم کی ہیں جن کو انہوں نے براہ راست سنا تھا اور مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے لکھا ہے کہ ان دو شعروں کے متعلق ماہر طریقت حضرت شاہ غلام علی نقشبندی دہلوی اور قاسم العلوم والمعارف حضرت نانوتوی کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں میں تصوف کا خلاصہ آگیا ہے۔ وہ دو شعر یہ ہیں:

مرا پیر دانائے فرّخ شہاب

دو اندر ز فرمود بر روئے آب
یکےآنکہ برخویش خود بیں مباش
دویم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

یعنی مجھ کو میرے مرشد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے ساحل دریا پر (جبکہ وہ غالباً دریائی سفر کے لیے کشتی میں سوار تھے یا سوار ہونے والے تھے) مجھے یہ دو نصیحتیں فرمائیں:

خود بینی نہ کرنا یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر غرور و تکبر نہ کرنا۔

دوسرے کو برا نہ سمجھنا اور خواہ مخواہ اس کے عیب تلاش کرنے کا طریقہ اختیار نہ کرنا۔

(وصایا شیخ شہاب الدین سہروردی: 6، از نسیم احمد فریدی امروہوی)

16.2.3 تصانیف

تذکرہ نگاروں نے شیخ شہاب الدین کی متعدد کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ جیسے:

جذب القلوب الی مواصلة المحبوب۔

صفوة الصوفیه فی آداب المریدین۔

بهجة الاسرار وغیرہ

لیکن ان کی سب سے مشہور کتاب عوارف المعارف ہے۔ یہ کتاب تصوف کی تاریخ کی اہم ترین کتابوں میں سے اور گویا تصوف کا مکمل نصاب ہے۔ یہ کتاب طالبین و سالکین کے لیے ایک رہنما مینار کی حیثیت رکھتی ہے بعد کے ہر سلسلے کے مشائخ نے اس سے استفادہ کیا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاء جیسے اکابر طریقت کی خانقاہوں میں اس کتاب کے درس و تدریس اور مطالعہ مذاکرہ کا سلسلہ جاری رہا۔

عوارف المعارف شیخ شہاب الدین سہروردی کی اوائل عمری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ہر طبقہ علم میں مستند سمجھی گئی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے، اس کے فارسی ترجمے بھی ایک سے زائد ہو چکے ہیں، اردو میں بھی ترجمہ شائع ہو چکا ہے اور کئی دیگر علمی زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

16.3 عوارف المعارف

عوارف المعارف نہایت سادہ، پر اثر اور متوازن اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ شیخ سہروردیؒ نے نہایت معتدل اور علمی انداز میں تصوف کا تعارف پیش کیا ہے۔ یہ کتاب نہ صرف سلوک کی منازل طے کرنے والوں کے لیے ایک رہنما کتاب ہے بلکہ علماء، محققین، اور متعلمین کے لیے بھی ایک قیمتی خزانہ ہے۔

عوارف المعارف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی علم باطن کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث، تفسیر وفقہ پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ اُنہیں قرآن و حدیث سے استنباط احکام میں ملکہ حاصل تھا۔ عوارف المعارف کے جو ابواب اصولی و تعلیمی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر کا عنوان ہی کسی آیت کریمہ یا حدیث مبارکہ پر قائم کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس باب میں جو کچھ بیان ہو گا وہ قرآن وحدیث ہی سے مستنبط ہو گا۔ اسی طرح انہوں نے طریقہ محدثین کے مطابق پوری سند کے ساتھ مرفوع متصل احادیث مبارکہ کو عوارف المعارف میں جگہ جگہ بیان کیا ہے جس سے ان کے علم حدیث کے ساتھ حد درجہ شغف اور حدیث کی تشریح و توضیح میں مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

عوارف المعارف کی صحت، ثقاہت اور مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی جیسی عظیم المرتبت شخصیت کو دیگر علمی و روحانی کمالات کے باوجود زیادہ تر "صاحبِ عوارف المعارف" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کی علمی حیثیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد محدثین اور حفاظ نے اسے اپنے اساتذہ سے پڑھا اور باقاعدہ اس کی اسانید امام سہروردی تک پہنچائی۔ بعض اہل علم نے تو براہِ راست شیخ شہاب الدین سہروردی سے اس کتاب کا سماع بھی کیا، جو اس کی اہمیت اور قبولیت کی روشن دلیل ہے۔

16.3.1 عوارف المعارف کے ابواب

کتاب "عوارف المعارف" کو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے 63 ابواب پر ترتیب دیا ہے۔ ہر باب تصوف کے ایک خاص موضوع پر مشتمل ہے، جو سالکین کے سلوک، اخلاق، عبادات، روحانی مقامات اور طریقت کے عملی پہلوؤں سے متعلق ہے۔

پہلا باب علوم تصوف کے منشاء میں ہے۔ دوسرا باب حسن استماع کے ساتھ تخصیص صوفیہ کے بیان میں ہے۔ تیسرا باب علم صوفیہ کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ چوتھا باب احوال صوفیہ کی شرح اور ان کے مختلف طریقوں پر ہے۔ پانچواں باب تصوف کی ماہیت کے ذکر میں ہے۔ چھٹا باب تصوف کی وجہ تسمیہ کے بیان میں کہ ارباب تصوف کو صوفی کیوں کہا گیا۔ ساتواں باب صوفی اور متصوف کے ذکر میں ہے۔ آٹھواں باب فرقہ ملامتی کے ذکر اور اس کے احوال میں ہے۔ نواں باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جو منسوب بصوفیہ ہیں اور صوفی نہیں ہیں۔ دسواں باب شیخ کے مرتبہ اور رتبۂ مشیخت کی شان میں ہے۔

گیارہواں باب صوفیہ کے حقیقی اور غیر حقیقی خادم کے بیان میں ہے۔ بارہواں باب صوفیہ کے خرقہ کے بیان میں۔ تیرھواں باب خانقاہ نشینوں کی فضیلت میں ہے۔ چودھواں باب اس کے بیان میں کہ اہل خانقاہ کو اہل صفہ کے ساتھ مشابہت ہے۔ پندرہواں باب اہل خانقاہ کی خصوصیات اور باہمی معاہدوں کے بیان میں ہے۔ سولہواں باب سفر و حضر میں مشائخ کے احوال کے بیان میں ہے۔ سترھواں باب حالت سفر میں صوفی کے فرائض و فضائل کے بیان میں ہے۔ اٹھارہواں باب مراجعت سفر و قیام و خانقاہ کے بیان میں ہے۔ انیسواں باب اسباب و تارک اسباب صوفی کے احوال میں ہے۔ بیسواں باب فتوح پر گزر اوقات کے بیان میں۔

اکیسواں باب صوفیوں کی تجرد اور ازدواجی زندگی کے بیان میں ہے۔ بائیسواں باب سماع کی فضیلت و قبولیت کے بیان میں ہے۔

تینیسواں باب سماع کے رد و قبول کے بارے میں ہے۔ چوبیسواں باب سماع اور وجد کی حقیقت کے بیان میں ہے۔ پچیسواں باب سماع کے آداب کے بیان میں ہے۔ چھبیسواں باب چلہ کشی کے بارے میں ہے۔ ستائیسواں باب خلوت نشینی اور کشف کے بیان میں ہے۔ اٹھائیسواں باب چلہ نشینی کس طرح کی جائے اس کے بیان میں ہے۔ انتیسواں باب ارباب تصوف کے اخلاق میں ہے۔ تیسواں باب اخلاق صوفیہ کی وضاحت کے ذکر میں ہے۔

اکتیسواں باب آداب اور ان کی اہمیت کے بیان میں ہے۔ بتیسواں باب مقربین کے حضوری کے آداب کے بیان میں ہے۔ تینتیسواں باب طہارت کے آداب اور اُس کے مقدمات ومبادیات کے بیان میں۔ چونتیسواں باب وضو کے آداب اور اُس کے اسرار ورموز کے بیان میں ہے۔ پینتیسواں باب صوفیہ کے آداب وضو کے بیان میں۔ چھتیسواں باب نماز کی فضیلت اور اُس کی شان میں ہے۔ سینتیسواں باب اہل قرب کی نماز کے وصف میں ہے۔ اڑتیسواں باب آداب صلوٰۃ اور اس کے اسرار کے بیان میں ہے۔ انتالیسواں باب روزہ کی فضیلت اور اُس کے پاکیزہ اثرات کے بیان میں ہے۔ چالیسواں باب روزہ اور افطار میں احوال صوفیہ کے تعلق سے ہے۔

اکتالیسواں باب روزہ کے آداب اور اس کی اہمیت کے ذکر میں ہے۔ بیالیسواں باب کھانے کے مفسدات و مصالح کے ذکر میں ہے۔ تینتالیسواں باب کھانے کے آداب میں ہے۔ چوالیسواں باب صوفیہ کی لباس پوشی میں نیت اور اُن کے مقاصد کے بیان میں ہے۔ پینتالیسواں باب قیام شب کی فضیلت کے ذکر میں ہے۔ چھیالیسواں باب ان اسباب کے بیان میں ہے جو قیام شب میں معاون و مددگار ہیں۔ سینتالیسواں باب نیند سے جاگنے اور شب بیداری کے اعمال میں ہے۔ اڑتالیسواں باب قیام شب کی اوقات کی تقسیم میں ہے۔ انچاسواں باب دن کا استقبال اور اُس کے آداب کے بیان میں ہے۔ پچاسواں باب صوفیہ کے دن کے معمولات کے بیان میں ہے۔

اکیاونواں باب ان حقوق کے بیان میں ہے جو شیخ کے حقوق مرید کے ذمہ ہیں۔ باونواں باب مریدوں اور تلامذہ حقوق کے بیان میں ہے جو شیخ کے ذمہ ہیں۔ ترپنواں باب صحبت کی حقیقت اور اس کے نیک و بد اثرات کے بیان میں ہے۔ چونواں باب اخوت فی اللہ کے حقوق اور آداب میں ہے۔ پچپنواں باب آداب صحبت اور اخوت کے بارے میں ہے۔ چھپنواں باب معرفت نفس اور مکاشفات صوفیہ کے بارے میں ہے۔ ستاونواں باب خواطر کی معرفت اور اس کی تفصیل اور تمیز کے بیان میں ہے۔ اٹھاونواں باب شرح حال و مقام اور ان کے درمیان فرق کے بارے میں ہے۔ اُنسٹھواں باب مقامات روحانی کے سلسلے میں ہے۔ ساٹھواں باب مقامات کے بارے میں مشائخ کے اقوال کے بارے میں ہے۔ اکسٹھواں باب احوال اور اُن کی توضیح و تشریح کے ذکر میں۔ باسٹھواں باب مصطلاحات تصوف کی توضیح و تشریح کے ذکر میں ہے۔ تریسٹھواں باب کسی قدر ہدایات ونہایات اور ان کی صحت کے بیان میں ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے ان 63 ابواب میں تصوف کے جملہ مسائل کی تفصیل بیان کی ہے۔ یہ کتاب تصوف کا ایک ایسا علمی وروحانی شاہکار ہے جس نے سلوک و معرفت کے راستے کو واضح کیا اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے روحانیت کا درس دیا۔ یہ کتاب آج بھی سالکینِ راہِ حق کے لیے چراغِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

16.4 مکتوبات صدی کے مصنف

مکتوبات صدی حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کی اہم ترین کتابوں میں سے ہے۔ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری علیہ الرحمہ اپنے وقت کے جید عالم، بڑے صوفی اور مصلح تھے۔ ہندوستان کے اندر سلسلہ فردوسیہ کے وہ سب سے بڑے صوفی اور سب سے بڑے سالک ہیں۔ ان کے خطوط کے مجموعے، ان کی کتابیں اور ان کے ملفوظات کافی تعداد میں ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ کا نام احمد، شرف الدین لقب ہے، ان کے پر دادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانے کے بڑے عالم تھے، وہ ہجرت کر کے بہار میں منیر میں مقیم ہو گئے۔

حضرت شرف الدین یحیی منیری 29 شعبان 661 ہجری مطابق 1263 کو منیر شریف پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت کا خاندان اہل علم کا خاندان تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ اس کے بعد علامہ اشرف الدین ابو طوامہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اور علوم عقلیہ سے منطق، فلسفہ، کلام، ریاضی وغیرہ کی تکمیل کی۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد استاد کی بیٹی سے ہی آپ کی شادی ہو گئی اور وہیں رہتے ہوئے ایک بچے کی ولادت بھی ہوئی۔ اسی زمانے میں ان کو خبر ملی کہ ان کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا ہے، اس لیے اپنے وطن آ گئے۔

وطن آنے کے بعد کچھ عرصے تک اپنے وطن میں رہے، والدہ کی خدمت کی، لیکن حضرت شیخ شرف الدین کو ابھی کچھ اور تلاش تھی۔ علوم ظاہری کے وہ بڑے عالم تھے لیکن ابھی ان کو باطنی علوم کی تلاش تھی۔ والدہ سے اجازت لے کر دہلی تشریف لائے۔ سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے، پھر پانی پت گئے اور حضرت بو علی شاہ قلندر کے یہاں بھی رہے۔ ان آستانوں سے فیض یاب ہونے کے بعد حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہی سے علوم باطنی کی تکمیل کی۔ ان سے بیعت ہوئے اور خرقہ خلافت حاصل کر کے مرشد کے حکم پر وطن لوٹ آئے۔ یہاں ایک لمبے عرصے تک راجگیر، بہار کے جنگلوں میں آپ نے ریاضت کی۔ اس دوران زیادہ تر خلوت میں، مراقبے میں، مجاہدات میں، بے خودی اور سرمستی میں رہے۔ عام طور پر جنگل کی پتیاں کھا کر گزارا کر لیتے۔ تقریباً 12 سال تک اسی طرح ریاضت و مجاہدات کرتے رہے۔ اپنے ایک مرید قاضی زاہد سے فرمایا ایک مرتبہ میں نے جو ریاضتیں کی ہیں اگر پہاڑ گرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن مجھے کچھ نہ ہوا۔ ان ریاضتوں سے مقام سلوک کے مقامات حاصل کرنے کے بعد بہار میں خانقاہ تعمیر کی۔ اگرچہ یہ خانقاہ ایک اور صوفی کے لیے تعمیر ہوئی تھی، لیکن انہوں نے بھی حضرت کے مقام کو دیکھتے ہوئے اور اس وقت کے ذمہ داروں نے اس خانقاہ کی ذمہ داری حضرت کو دی اور اسی خانقاہ میں رہ کر آپ نے اپنے علوم و معارف اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کیا۔

وفات

ایک طویل عرصے تک درس و تدریس، تعلیم و تربیت، تلقین و ارشاد کرنے کے بعد وقت موعود آ پہنچا اور 782 ہجری مطابق 1381ء میں طویل عمر پا کر ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے نماز جنازہ پڑھائی اور منیر میں ہی تدفین عمل میں آئی۔

تصنیفات

حضرت شیخ شرف الدین منیری کی تصنیفات کی تعداد دو درجن سے زیادہ ہے، بلکہ بعض لوگوں نے اس سے زیادہ لکھا ہے۔ البتہ یہ ہے کہ ان کی بہت سی کتابیں ضائع ہو گئی ہیں، لیکن پھر بھی متعدد کتابیں موجود ہیں۔ جن میں سے حسب ذیل نام اہم ہیں:

16.5 مکتوبات صدی

حضرت شیخ الدین منیری کی سب سے مشہور کتاب "مکتوبات صدی"، "مکتوبات دو صدی" اور "مکتوبات سہ صدی" ہیں۔ مکتوبات صدی میں سو مکاتیب ہیں۔ مکتوبات دو صدی میں 200 مکاتیب ہیں۔ اور مکتوبات سہ صدی میں تین سو مکاتیب ہیں۔

ہمارے پیش نظر "مکتوبات صدی" کا تعارف ہے۔ اس لیے مکتوبات صدی کے حوالے سے ہی گفتگو کی جائے گی۔

مکتوبات صدی اس زمانے کے رواج کے اعتبار سے فارسی زبان میں لکھی گئی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مکاتیب کی زبان نہایت اعلی ادبی پیمانے کی ہے۔ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"ذوق سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شرف الدین کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے اور انہوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لیے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات، بلکہ اسلامی ادبیات میں خاص مقام رکھتے ہیں۔ اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت تاثیر میں اس کی نظیر ہوں"۔

سیرت الشرف کے مصنف نے مکتوبات کے حوالے سے حضرت مخدوم کی علمی چیزوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مکتوبات و ملفوظات کو اٹھا کر دیکھو کہ مخدوم کی یہ خصوصیتیں ان کتابوں میں کیسے درخشاں نظر آتی ہیں اور اس وقت تک نہ صرف بہار میں بلکہ تمام ہندوستان میں اولیت کا تمغہ پائے ہوئے ہیں۔ حضرت مخدوم کا ایک ایک مکتوب اور ان کے ملفوظات کی ایک ایک بحث بڑی بڑی ضخیم کتابوں کا کام دیتی ہے۔ اس آزادی، شوخی اور قوت کے ساتھ بیان کا حق ادا کیا گیا ہے کہ یہ خاص طور سے کہا جا سکتا ہے کہ اس طرز بیان کے مخدوم بلا اشتراک اجارہ لیے ہوئے ہیں"۔

مکتوبات صدی کی زبان و بیان اور علوم و معارف سب کی اس زمانے کے لوگوں نے اور ہر زمانے کے لوگوں نے بڑی تعریف کی ہے اور خاص طور پر تصوف کے حلقوں میں تو اس کتاب کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہے۔

مکتوبات صدی میں سو خطوط ہیں اور یہ تمام خطوط قاضی شمس الدین کے نام لکھے گئے ہیں جو قصبہ چوسا کے حاکم تھے۔ ان مکاتیب کو حضرت مخدوم کے خاص معتمد اور مرید شیخ زین بدر عربی نے مرتب کیا ہے۔ اس کے اوپر ایک مقدمہ لکھا ہے، اس مقدمے میں وضاحت کی ہے کہ یہ سارے خطوط قاضی شمس الدین کے نام تھے اور یہ خطوط اس لیے لکھے گئے کہ قاضی شمس الدین جو دور ہونے کی وجہ سے پابندی سے حضرت کی محفل میں شریک نہیں ہو سکتے تھے وہ مختلف کیفیات اور احوال و مقامات و مراتب سے متعلق سوالات کیا کرتے تھے۔ حضرت

ان کے جواب دیا کرتے تھے۔ عام طور پر ایک خط میں ایک ہی موضوع زیر بحث رہتا ہے۔ اگرچہ بزرگوں کی تحریریں جامع اور بامعنی ہوتی ہیں اور ایک طرح سے کوزہ میں سمندر بند ہوتا ہے۔ وہ ان خطوط میں بھی نظر آتا ہے۔

16.5.1 مکتوبات صدی کے مضامین

مکتوبات صدی کے مضامین بالترتیب اس طرح سے ہیں: پہلا خط توحید کے بیان میں ہے جو کہ تقریباً آٹھ صفحات کا ہے۔ دوسرا خط توبہ کے بیان میں ہے۔ پھر بالترتیب دوسرے خطوط کے موضوعات یہ ہیں، دشمن کو خوش کرنے کا بیان۔ تجدید توبہ کا بیان طلب۔ پیر کا بیان۔ اہلیت شیخی یعنی شیخ ہونے کی اہلیت کا بیان۔ ارادتی یعنی مرید ہونے کا بیان۔ ولی کا بیان، ولایت کا بیان، کرامت کا بیان، صدیقوں کا بیان، انوار کا بیان، کشف کا بیان، تجلی کا بیان، وصول کا بیان، سالک و مجذوب کا بیان، غلط گاہ سالک کا بیان، غلط گاہ عوام کا بیان، امراض ظاہر و باطن کا بیان، اولیاء پر انبیاء کی فضیلت کا بیان، انبیاء کی لغزشوں کا بیان، اصل تصوف کا بیان، طلب طریقت کا بیان، ارکان طریقت کا بیان، شریعت و طریقت کا بیان، شریعت و حقیقت کا بیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا بیان، نماز کی مشغولی اور تعلیم کا بیان، طہارت کا بیان۔

اگلے باب کے خط میں بھی طہارت کا بیان، نیت کا بیان، نماز کا بیان، روزہ کا بیان، زکوۃ کا بیان، حج کا بیان، دعا کرنے وغیرہ کا بیان، عبادت کا بیان، بندگی کرنے اور بندہ ہونے کا بیان، بندگی کرنے کا بیان، دوسرا خط اور کلمہ طیبہ کا بیان۔

مکتوبات صدی کے دوسرے حصے میں بعض مضامین کی پھر تکرار ہوتی ہے۔ پہلے خط میں ایمان کا بیان، دوسرے خط میں ایمان کی صداقت کا بیان، اس کے بعد اسلام کے اندر شکر کی اہمیت اور حضرت رابعہ بصری اور حضرت ابراہیم ادہم کا ذکر ہے۔ اگلے خط میں شرک خفی کا بیان، پھر معرفت کا بیان، محبت کے ذکر میں، محبت کی نشانیوں میں، محبت اور عشق کے احکام میں طالب کا بیان، حق عشق کی طلب میں، اللہ کی طرف جانے کا راستہ کا بیان، گفتار اور افطار کا بیان، ہمت کا بیان، جمعہ کے دن کی فضیلت اور اس دن کے وظائف، مریدوں کو رغبت دلانے کا بیان، قاضی صدرالدین کی صحبت اور علم کی رغبت کا بیان، مرید کے پہلے مرتبے کا بیان، مسلمانی کے حال میں اچھے اخلاق کا بیان، غور کرنے کا بیان، تجرید و تفرید کا بیان، دوسرے الفاظ میں تجدید و تفریط کا بیان، دین کی پاک راہ کو صاف رکھنے کا بیان، تقوی کا بیان، صدق کا بیان، حضرت آدم علیہ السلام کے نسب کا بیان، نیک گمان رکھنے کا بیان، عالم آخرت کے متعلقات کا بیان، اسباب کے تعلق اور ان کو ترک کرنے کا بیان، خدمت کا بیان، بری عادتوں کو نیک اور بہتر بنانے کا بیان، مرتبہ اور منصب کے لالچ کا بیان ہے۔

اس کے بعد نماز عاشورہ کا بیان، دنیا کی مذمت اور قضا نمازوں کے کفارے کا بیان، ترک دنیا کا بیان، سعادت و شقاوت کا بیان، اسرار قضا و قدر کا بیان، خوف و رجا کا بیان، روح کا بیان، دل کا بیان، نفس کا بیان، خواہش کا بیان، نفس کی ریاضت کا بیان، نفس کی سیاست اور مجاہدے کا بیان، نفس کو جدا کرنے کا بیان، اپنے ساتھ موافقت کا بیان، قدموں کے فرق اور کفایت مہمات کی دعائیں، غفلت کا بیان، نہ پانے کی حسرت اور جمعہ کی دعاؤں کا بیان، علاج دل، نماز جمعہ کی دعا اور نیک بختی کا بیان، لباس کا بیان، ملامت کا بیان، سماع کا بیان، مخلوق سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی کا بیان، خلق سے جدا ہونے کا بیان، چلے کا بیان، موت کا بیان، وعدہ اور وعید کا بیان، دوزخ کا بیان، بہشت کا بیان۔

مکتوبات صدی کے اندر جو خطوط ہیں ان میں ہر خط میں ایک ایک موضوع بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں گویا سو خطوط نہیں بلکہ سو ابواب ہیں، بلکہ یہ سو ابواب کی ایک مستقل کتاب بن گئی۔

مکتوبات صدی تصوف کی اہم ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔ سرزمین ہند کے لئے باعث فخر ہے کہ ایسی نادر کتاب یہاں لکھی گئی۔ اس کتاب کے مطالعے سے تصوف کے بہت سے مشکل مقامات حل ہو جاتے ہیں اور راہ سلوک کے سالکین کے لیے عملی رہنمائی ملتی ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اگر کسی کو بھروسے کا مرشد میسر نہ ہو تو یہ کتاب اس کے لیے کسی مرشد سے کم نہیں، اس لیے کہ اس میں راہ سلوک کی زیادہ تر مشکلات کا جواب موجود ہے۔

اس کتاب کا ہر خط ایک مفصل باب سے کم نہیں ہے جس میں کسی ایک موضوع کے تمام مسائل اور متعلقہ امور شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

16.6 خلاصہ

عوارف المعارف کے مصنف شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی ہیں۔ وہ سلسلہ سہر وردیہ کے بانی بھی ہیں 1145 میں ان کی ولادت ہوئی اور 1234 میں ان کی وفات ہوئی۔ شیخ شہاب الدین سہر وردی کی اصل تعلیم و تربیت ان کے چچا شیخ ابو نجیب سہر وردی نے کی، تاہم اس دور کے تمام بڑے علماء اور صوفیہ سے انہوں نے استفادہ کیا جن میں سب سے مشہور شخصیت حضرت شیخ عبد القادر جیلانی کی ہے، حضرت شیخ عبد القادر جیلانی بھی ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔

شیخ شہاب الدین سہر وردی نے بہت سی کتابیں لکھیں، اس وقت ان کی تقریباً سات کتابیں دستیاب ہیں، ان میں ان کی سب سے مشہور کتاب عوارف المعارف ہے، یہ کتاب سالکین کے لیے ایک رہنما مینار کی حیثیت رکھتی ہے، سہر وردیہ سلسلے کے علاوہ چشتیہ سلسلے میں بھی اس کتاب کی اہمیت ہے اور اس کو باضابطہ درسی کتاب کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔

عوارف المعارف کو حضرت شیخ نے 63 ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب میں تصوف کے کسی ایک مسئلے پر سیر حاصل گفتگو کی ہے جیسے تصوف کیا ہے؟ حسن استماع کی کیا اہمیت ہے؟ صوفیا کے علم کی کیا فضیلت ہے؟ صوفیہ کے احوال، تصوف کی ماہیت، تصوف کی وجہ تسمیہ صوفی اور متصوف میں فرق اور ملامتی فرقہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اسی طرح خرقہ کا بیان ہے، سفر و حضر میں ان کے احوال تجرد کی زندگی کی اہمیت سماع کا بیان، صوفیہ کے آداب اور پھر بعد میں عبادات کے سلسلے میں ابواب ہیں اور معرفت نفس اور مکاشفات صوفیہ وغیرہ کے بارے میں اپنے موقف کو بیان کیا ہے ان کی اس کتاب میں تصوف کے سبھی مہمات مسائل کا بیان آگیا ہے۔

مکتوبات صدی شیخ شرف الدین منیری کی اہم ترین کتاب ہے۔ شیخ شرف الدین یحیی منیری اپنے دور کے جلیل القدر عالم اور صوفی تھے، وہ ہندوستان کے اندر سلسلہ فردوسیہ کے سب سے بڑے صوفی تھے۔ ان کے بہت سے خطوط کے مجموعے اور متعدد کتابیں اور ملفوظات کے مجموعے اب بھی موجود ہیں۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ بہار میں منیر ایک جگہ ہے جہاں وہ 1263 میں پیدا ہوئے اور طویل عمر پا کر 1381 میں ان کی وفات ہوئی۔

حضرت شیخ شرف الدین منیری کی کئی کتابیں مشہور ہیں لیکن ان میں سب سے مشہور مکتوبات صدی ہے۔ مکتوبات صدی کے اندر حضرت کے سو خطوط ہیں اسی لیے اس کا نام مکتوبات صدی ہے اس کی خاص بات یہ ہے کہ حضرت کے ایک مرید قاضی شمس الدین تھے جو چوسا میں رہتے تھے ان کے لیے منیر شریف آنا جانا بہت آسان نہیں تھا، راہ سلوک میں جو مشکلات ان کو پیش آتی تھی ان کے لیے وہ حضرت سے خطوط کے ذریعے سوال کیا کرتے تھے، حضرت نے ان کے جوابات دیے، یہ انہی جوابات کا مجموعہ ہے، اس مجموعہ کے اندر راہ سلوک کے عملی مسائل پیش آتے ہیں ان کا بیان بہت تفصیل سے ہے اور سلوک کے راستے کی جو مشکلات ہوتی ہیں ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور ان کے حل بتائے ہیں۔ بعض خطوط میں مضامین کی تکرار بھی ہے لیکن جہاں ناگزیر تھی وہیں تکرار ہے ورنہ عبادات، عام انسانی معاملات، راہ سلوک کے معاملات، شریعت و طریقت، شریعت و حقیقت، راہ سلوک کی مشکلات، ظاہری باطنی امراض، صوفیہ کی کرامات، ولایت، ولی، تجلی ان سب کا بیان بہت تفصیل کے ساتھ اس کتاب کے اندر کیا گیا ہے۔

16.7 فرہنگ

زُہّاد	:	متقی، پرہیز گار، پارسا
مُستَنبَط	:	نکالا ہوا، اخذ کیا گیا، چنا گیا، چھانٹا گیا، بطور نتیجہ نکالا ہوا
اَسانِید	:	سندیں، حدیث کے رُوات کا سلسلہ
بلااشتراک	:	بغیر شریک کے، اکیلے، تنہا، کسی کی شمولیت کے بغیر

16.8 اکتسابی نتائج

اس اکائی میں آپ نے درج ذیل نکات سیکھے:

- عوارف المعارف کے مصنف شیخ شہاب الدین سہروردی سلسلہ سہروردیہ کے بانی ہیں۔
- عوارف المعارف سہروردی سلسلے کے علاوہ چشتیہ سلسلے کی بھی درسی کتاب ہے۔
- عوارف المعارف میں 63 ابواب ہیں۔
- مکتوبات صدی کے مصنف شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہیں۔
- مکتوبات صدی حضرت شرف الدین یحیی منیری کے سو خطوط کا مجموعہ ہے۔
- مکتوبات صدی کے تمام خطوط قصبہ چوسا کے قاضی شمس الدین کے نام ہیں۔

16.9 نمونہ امتحانی سوالات

16.9.1 معروضی جوابات کے متقاضی سوالات

1. عوارف المعارف کے مصنف کا نام کیا ہے؟

(a). شرف الدین یحیی منیری (b). حضرت نظام الدین اولیا (c). شہاب الدین سہروردی (d). حضرت جنید بغدادی

2. شیخ شہاب الدین سہروردی کے چچا کا کیا نام ہے؟

(a). شیخ ابو نجیب (b). شیخ نظام الدین (c). شیخ شرف الدین (d). شیخ جنید بغدادی

3. سلسلہ سہروردیہ کے بانی کا نام کیا ہے؟

(a) . شیخ شرف الدین یحیی (b). شیخ ابو نجیب (c). شیخ شہاب الدین سہروردی (d). شیخ عبد القادر جیلانی

4. عوارف المعارف کے اندر کتنے ابواب ہیں؟

63. (a) 46.(b) 89.(c) 86.(d)

5. شیخ شہاب الدین سہروردی کے وفات کس سنہ میں ہوئی؟

1243. (a) 1340. (b) 1234.(c) 1134.(d)

6. شیخ شرف الدین یحیی منیری کی تاریخ وفات کیا تھی؟

1381ء.(a) 1481ء.(b) 1181ء.(c) 1581ء.(d)

7. مکتوبات صدی کے مصنف کون ہیں؟

(a). شرف الدین یحییٰ (b). شہاب الدین سہروردی (c). شیخ عبد القادر جیلانی (d). شیخ نظام الدین اولیاء

8. شیخ شرف الدین یحییٰ کس صوفی سلسلے کے صوفی تھے؟

(a). چشتیہ سلسلہ (b). مداریہ سلسلہ (c). نقشبندی سلسلہ (d). فردوسیہ سلسلہ

9. مکتوبات صدی میں کتنے خطوط ہیں؟

100.(a) 200.(b) 150.(c) 300.(d)

10. شیخ شرف الدین یحییٰ منیری ہندستان کے کس صوبے میں تھے؟

(a). گجرات (b). دہلی (c). بہار (d). مہاراشٹر

16.9.2 مختصر جوابات کے متقاضی سوالات

1. شیخ شہاب الدین سہروردی کے مختصر احوال زندگی بیان کیجیے۔
2. عوارف المعارف کی اہمیت بیان کیجیے۔
3. مکتوبات صدی کی اہمیت بیان کیجیے۔
4. شرف الدین یحیی منیری کی حیات پر ایک مضمون لکھیے۔
5. مکتوبات صدی پر تعارفی نوٹ تحریر کیجیے۔

16.9.3 طویل جوابات کے متقاضی سوالات

1. عوارف المعارف کے مضامین کا خلاصہ بیان کیجیے۔
2. مکتوبات صدی کے مضامین کا خلاصہ لکھیے۔
3. شیخ شہاب الدین سہروردی اور ان کی تعلیمات پر جامع مضمون قلم بند کیجیے۔

16.10 تجویز کردہ اکتسابی مواد

1. شیخ شہاب الدین سہروردی: عوارف المعارف (اردو ترجمہ)
2. شیخ شرف الدین یحییٰ منیری: مکتوبات صدی
3. مولانا ابوالحسن علی ندوی: تاریخ دعوت وعزیمت
4. صباح الدین عبدالرحمن: بزم صوفیہ
5. رئیس احمد جعفری: تاریخ تصوف اسلام

معروضی سوالات کے جوابات

1.A	2.A	3.C	4.A	5.C
6.A	7.A	8.D	9.A	10.C

بی۔اے، اسلامک اسٹڈیز

چوتھا پرچہ (فقہ اسلامی اور تصوف)

جملہ نمبرات:70 **وقت:3 گھنٹے**

ہدایات:

1. حصہ اول میں 10 لازمی سوال ہیں جو کہ معروضی سوالات / خالی جگہ کو پر کرنا / مختصر جوابات والے سوالات ہیں۔ ہر سوال کا جواب لازمی ہے۔ ہر سوال کے لیے ایک نمبر مختص ہے۔ 10x1=10

i. امام ابن حزم اندلسی نے کس فرقے کو تقویت پہنچائی؟

(a). حنفی (b). مالکی (c). جعفری (d). ظاہری

ii. فقہ کا دوسرا بنیادی مصدر کیا ہے؟

(a). قرآن (b). اجماع (c). قیاس (d). سنت

iii. قرآن، سنت یا اجماع کی کسی قوی دلیل کی بنیاد پر قیاس کو چھوڑ دینا؟ اسے کیا کہتے ہیں؟

(a). استحسان (b). قول صحابی (c). سابقہ شریعت (d). تمام صحیح

iv. مجلس تحقیقات شرعیہ کے بانی کون ہیں؟

(a). محمد علی مونگیری (b). ابوالحسن علی ندوی (c)سید سلیمان ندوی (d). علامہ شبلی نعمانی

v. امام ابو یوسف کس کے شاگرد تھے؟

(a). امام ابو حنیفہ (b). ابن زیاد نیشاپوری (c). ابو یعقوب بویطی (d). تمام غلط

vi. حدیث کی مشہور و معروف کتاب "المسند" کس نے مرتب کی؟

(a). امام احمدؒ (b). امام مالکؒ (c). امام ابو حنیفہؒ (d). امام شافعیؒ

vii. اکثر علما کے مطابق تصوف تزکیہ اور.....کا دوسرا نام ہے۔

(a). احسان (b). سلوک (c). عبادت (d). جہاد

viii. مکتوبات صدی کے مصنف کون ہیں؟

(a). شرف الدین یحییٰ (b). شہاب الدین سہروردی (c). شیخ عبد القادر جیلانی (d). شیخ نظام الدین اولیاء

ix. کشف المحجوب کے اوپر کس کتاب کے اثرات زیادہ ہیں؟

(a). التعرف لمذہب اہل التصوف (b). الرعایۃ لحقوق اللہ (c). اللمع فی التصوف (d). الرسالۃ القشیریہ

x. ان میں سے کون نقشبندیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ ہیں؟

(a). امیر خسرو (b). شیخ احمد سرہندی (c). نصیر الدین چراغ دہلی (d). امیر حسن سجزی

(ب) حصہ دوم آٹھ سوالات پر مشتمل ہے اور پانچ سوالات کے جوابات دینے ہیں ہر سوال کا جواب تقریبا دو سو لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 6 نمبر مختص ہیں۔ **6x1=6**

2. خلافت راشدہ کے عہد میں فقہ کا تذکرہ کیجیے۔
3. سنت کے حجت ہونے پر روشنی ڈالیے۔
4. سد ذرائع کا معنی و مفہوم اور احکام کا جائزہ لیجیے۔
5. فقہ حنبلی کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔
6. شرف الدین یحیی منیری کی حیات پر ایک مضمون لکھیے۔
7. تصوف میں رسالہ قشیریہ کا کیا مقام ہے؟ بیان کیجیے۔
8. شیخ احمد سرہندی کے اصلاحات پر گفتگو کیجیے۔
9. حضرت جنید بغدادیؒ کی صوفیانہ تعلیمات کا جائزہ لیجیے۔

(ج) حصہ سوم میں پانچ سوالات ہیں۔ ان میں سے طالب علم کو کوئی تین سوالوں کے جواب دینے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تقریبا 500 لفظوں پر مشتمل ہو گا۔ ہر سوال کے لیے 10 نمبر مختص ہیں۔

10. فقہ کی ضرورت و اہمیت پر مضمون لکھیے۔
11. بدلتے حالات میں پیدا ہونے والے چند نئے مسائل پر روشنی ڈالیے۔
12. فقہ حنفی کی خصوصیات کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔
13. حضرت نظام الدین اولیا کی تعلیمات پر روشنی ڈالیے۔
14. تصوف کے معنی مفہوم بیان کرتے ہوئے تصوف کے آداب و تعلیمات پر ایک تجزیاتی بحث پیش کیجیے۔